ظفر برادرس لاہور کا سلسلہ تالیفات ع۱

چھاؤں میں ہم جا کے تلواروں کی کہہ آتے تھے حق
غالب آتا تھا نہ ہم پر خوف سلطان و وزیر
(مولانا حالی مرحوم)

تاریخ حریت اسلام

تاریخ حریت جسمیں ا

زمانہ رسالت۔ عہد خلافت راشدہ۔ دور خلفائے بنی امیہ وعباسیہ۔ عہد بنی بویہ و سلجوقیہ دولت ہسپانیہ و غزنویہ کے علاوہ ٹرکی و مصر۔ الجزائر و مراکش۔ فرمانروایان ہند خاندان افاغنہ و غلامان و عہد مغلیہ وغیرہ) اور مسلمان بادشاہان دکن سندھ و کشمیر وغیرہ عہد ہائے گذشتہ کے راستباز۔ حق پرست۔ حق گو بزرگوں کے حیرت خیز۔ جرائت آفرین اور ولولہ انگیز استقلال اور جوش ایثار۔ حریت آموز حالات۔ اور عدل و انصاف حریت و مساوات۔ خداترسی و پاکیزہ نفسی کے حامی بادشاہوں کے سبق آموز واقعات کے علاوہ پرستاران حق و صداقت اور فدائے مذہب و ملت عاشقان کے سوانحات درج ہیں۔

مرتبہ و مؤلفہ
محمد الدین فوق ایڈیٹر اخبار کشمیری لاہور

رجب ۱۳۳۹ھ مطابق مارچ ۱۹۲۱ء
مطبوعہ مطبع کریمی لاہور باہتمام میر امیر بخش صاحب پرنٹر

قیمت قسم اول ۳ (تین روپیہ)

1994
1921
73

تاریخ حریت اسلام

فہرست مضامین

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ حریت اسلام

باب اوّل

عہد رسالت

آنحضرت صلعم[1] اور آپ کے صحابہ کرام نے تبلیغ دین اور اظہار حق و صداقت کیلئے جس حریت صادقہ، ہمت و استقلال، صبر و سکون۔ ایثار و توکل۔ جرأت و جان نثاری اور اخلاق و ادب کا نمونہ دنیا کو عملاً دکھایا ہے۔ اس کی مثال دنیا کے کسی ہادی۔ اور کسی نبی اور ان کے کسی پیرو اور تابع کے حالات میں نہیں ملتی۔ مشرکین نے سخت سے سخت تکلیفیں دیں۔ جور و جبر ناقابل برداشت ہو گئے۔ لیکن رضا و توکل قوت برداشت اور ایمانی طاقت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ بلکہ روحانی مدارج روز بروز بڑھتے گئے۔ بازاروں اور کوچوں میں ہنسی ہوتی۔ مٹی اور پتھر ان پر برسائے جاتے۔ کیچڑ ان پر پھینکا جاتا۔ جب آپ شہر میں سے گذرتے۔ تو ابولہب اور دیگر مخالفین آپ کو گالیاں نکالتے۔ ہجو آمیز اشعار پڑھتے۔ اور ان کے رہگذر میں کانٹے بچھاتے۔ صرف اس جرم پر کہ نعرہ حق کیوں بلند کیا جاتا ہے۔ آواز صداقت کیوں زبان سے نکالی جاتی ہے اور کلمہ توحید وحدہ توحید

---

[1] اصل نام محمد بن عبداللہ۔ پیدائش ۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ موافق ۱۹ اگست ۵۷۰ء موافق ۴۱ سنہ نوشیروانی۔ ۴۰ سال کی عمر میں نبوت سے مشرف ہوئے۔ بعد از نبوت ۱۳ برس مکہ معظمہ میں اور دس برس مدینہ منورہ میں رونق افروز رہے ؎

جس کے متعلق ڈاکٹر اقبال کا مشہور شعر اب تک ہمارے کانوں میں گونج رہا ہے ؎

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا

کیوں ہمارے کانوں تک پہنچایا جاتا ہے۔

حق و صداقت کی راہ میں جو تکلیفیں آتی ہیں حضور صلعم ان سے نا آشنا نہیں تھے۔ جانتے تھے۔ اور خوب جانتے تھے۔ ع کانٹے بچھے ہوئے ہیں محبت کی راہ میں۔ لیکن کوئی جسمانی مصیبت اور دنیاوی خطرہ ان کو اپنے فرض سے نہ روک سکا۔ آخر مشرکین مکہ زیادہ وحشیانہ حرکات پر اُتر آئے مسلمانوں کو زدوکوب کیا گیا۔ بعض کو جلتی ہوئی ریت میں دبایا۔ بعض کو پاؤں یا بالوں سے پکڑ کر سنگلاخ زمین پر گھسیٹا۔ لیکن خدا کا پیارا نبی اور اس کے صحابۂ کرام یہ تمام تکلیفیں صبر و رضا کے ساتھ سہتے رہے۔ قریش کے ظلم و تعدی جب کسی طرح بھی کم ہونے میں نہ آئے اور مکہ میں رہکر فرائض اسلام کا آزادی سے بجا لانا ناممکن معلوم ہوا۔ تو حضرت عالم (آنحضرت صلعم) نے جان نثاران اسلام کو ہدایت کی۔ کہ ملک حبش کو ہجرت کر جائیں۔ غرض سنہ ۵ نبوی میں آنحضرت کی ایما سے اول اول گیارہ مرد۱ اور چار عورتوں نے ہجرت کی جن میں حضرت عثمان معہ اپنی زوجہ

اسلام کے سب سے پہلے مہاجرین

محترمہ رقیہؓ کے جو رسول کریم کی صاحبزادی تہیں۔ زبیر بن العوام عبدالرحمان بن العوف عبداللہ بن مسعود بھی تھے۔ بادشاہ حبش نجاشی کی بدولت مسلمان حبش میں امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ اہل مکہ کو یہ خبریں پہونچیں۔ تو انہوں نے نجاشی کے پاس گرانبہا تحفے دیکر ایک سفارت بھیجی۔ کہ ہمارے مجرموں کو اپنے ملک سے نکال دو عبداللہ بن ربیع اور عمرو بن العاص (جو بعد میں اسلام لاکر فاتح مصر ہوئے) اس وفد کے لیڈر تھے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور کہا تم نے کونسا دین ایجاد کیا ہے۔ جو نصرانیت (نجاشی خود عیسائی تہا) اور بت پرستی دونوں کے خلاف ہے مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر (حضرت علی کے بھائی) نے ایک تقریر میں پہلے اپنی قوم کی جہالت کے کارنامے بتائے۔ پھر آنحضرت صلعم کا ذکر کیا کہ انہوں نے ہمیں نیک رستہ بتایا ہم ان پر ایمان لائے شرک اور بت پرستی ترک کردی۔ اعمال بد سے باز آئے اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی ہے۔ اس کے بعد حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی چند آیتیں پڑھیں۔ نجاشی پر رقت طاری ہوئی اور سفرائے قریش سے کہا تم واپس جاؤ۔

۱؎ اس زمانہ میں مسلمانوں کی کل تعداد چالیس پچاس سے زیادہ نہ تھی۔

میں ان مظلوموں کو ہرگز واپس نہ دوں گا۔
اہل سفارت کو یہ سنکر بڑا صدمہ ہوا کہ ہم تو ان کو یہاں سے نکلوانے آئے تھے۔ ان کے تو اور بھی قدم جمتے نظر آتے ہیں عمرو بن العاص نے پادریوں اور درباریوں کی معرفت پھر دربار شاہی میں رسائی حاصل کی۔ اور اس مرتبہ وہ بڑھکے تیر مارا کہ اس کو پختہ یقین ہو گیا کہ مسلمان اب عیسائی ملک میں نہیں رہ سکتے چنانچہ اس نے نجاشی سے کہا۔ ان لوگوں سے ذرا پوچھئے تو سہی۔ حضرت عیسےٰ کی نسبت ان کا کیا اعتقاد ہے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلوایا اور اس سوال کا جواب طلب کیا۔ ان لوگوں کو تردّد ہوا۔ کہ اگر حضرت عیسےٰ کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں نجاشی عیسائی ہے۔ ناراض ہو جائیگا حضرت جعفر نے کہا۔ اسلام حق گوئی مقربانی اور حریت صادقہ کا مترادف ہے۔ کچھ ہو ہمیں سچ بولنا چاہیئے جس کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔ غرض غریب الوطنوں کی یہ مختصر سی جماعت دربار میں آئی۔ نجاشی نے کہا تم لوگ عیسےٰ بن مریم کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو حضرت جعفر نے کہا ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے۔ کہ عیسےٰ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا لیا اور کہا واللہ جو تم نے کہا عیسےٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ اہل وفد اور ان کے حمائتی پادری اور بعض درباری وغیرہ جن کو تحفے تحالیف دیکر انہوں نے اپنا طرفدار بنا لیا تھا نہایت برہم ہوئے۔ لیکن نجاشی نے ان کے غصّہ کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور قریش کے سفیر بالکل ناکامیاب واپس آئے ۵؎

مہاجرین کی دوسری جماعت

کفار کا غیظ وغضب روز بروز بڑھ رہا ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ باوجود ایذا دہی کے بھی محمدؐ نہ اپنے ارادوں سے باز آتا ہے۔ اور نہ اس کی جماعت ہی اس کا ساتھ چھوڑتی ہے۔ نبی صلعم نے اذیتوں سے تنگ آکر چھٹے سال نبوت میں مہاجرین کی دوسری جماعت جس میں بچوں سمیت ایک سو ایک مہاجر تھے۔ ملک حبش میں روانہ کی۔

آنحضرت صلعم کی اپنے چچا سے آزادانہ گفتگو

قریش نے آخر یہ ارادہ کیا کہ اگر محمد (نبی صلعم) کو قتل کر دیا جائے۔ تو یہ تمام فتنہ فرو ہو سکتا ہے۔ ورنہ نہ ہمارے بت جن کی ہم پرستش کرتے ہیں سلامت رہیں گے۔ اور نہ ہمارے رسوم وعادات جن سے ہم آباؤ اجداد کے زمانہ سے پیرو چلے آتے ہیں۔ چنانچہ چند امرائے قریش ابی طالب (آنحضرت صلعم کے چچا) کے پاس آئے اور کہا۔ تیرا بھتیجا ہماری قدیم رسومات کو باطل ٹھہراتا ہے۔ ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے۔ یا تو تم اس کو سزا دو۔ ورنہ ہم خود

۵؎ سیرت النبی مولفہ علامہ شبلی نعمانی صفحہ ۱۷۴ و ۱۷۵

اس کو سیدھا کریں گے۔ یا تم بھی اس کے طرفدار ہو جاؤ۔ تاکہ تم دونوں کا ہم ایک ہی دفعہ فیصلہ کر دیں۔
ابو طالب نے یہ دیکھ کر کہ بھتیجے کے ساتھ چچا کی جان بھی خطرہ میں ہے۔ آنحضرت کو بلوایا۔ اور سارا واقعہ بیان کر کے التجا کی۔ کہ مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو۔ جو میری طاقت سے باہر ہو۔ تمہاری اور تمہارے ساتھ میری جان بھی خطرہ میں ہے۔ ان دونوں کا بچانا تمہارے اختیار میں ہے۔ آپ نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر لے آئیں اور چاند کو بائیں ہاتھ پر تب بھی میں تبلیغ حق سے نہ رکوں گا۔ یہانتک کہ میرا خدا اس حق کو ثابت کر دے گا۔ یا میں اعلائے حق کی کوشش میں فناہ ہو جاؤں گا اس استقلال کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابو طالب بے اختیار بول اٹھے "اے محمدؐ تو جو چاہتا ہے کر۔ خدائے کعبہ کی قسم میں تجھے کبھی ترک نہ کروں گا۔

آنحضرت صلعم کا تبلیغ حق کے لئے بڑے بڑے عہدوں سے انکار

جب قریش نے دیکھا کہ ظلم و ستم اور قتل کی دھمکیاں بھی محمدؐ کو اس ارادہ سے باز نہیں رکھ سکیں۔ تو انہوں نے خوشامد، لالچ اور بڑے بڑے عہدوں کا طمع دیکر تبلیغ حق سے ان کی اخلاقی جرأت اور ان کی حیرت انگیز استقامت کو پامال کرنے کی ناکام کوشش کی چنانچہ قریش نے اپنے بااثر سردار عتبہ کو آنحضرت صلعم کے پاس اس غرض کی تکمیل کے لئے بھیجا۔ اس نے سلسلہ کلام اس طرح شروع کیا: "اگر تو تبلیغ حق سے روپیہ جمع کرنا چاہتا ہے۔ تو ہم اہل قریش تیری خواہش کے مطابق روپیہ دینے کو تیار ہیں۔ اگر کسی بڑے منصب کی خواہش ہے۔ تو ہم تجھے اپنا سردار مان لینے کو تیار ہیں۔ اگر تو حسین بیویاں چاہتا ہے۔ تو قبائل قریش میں سے جن کو تو چاہتا ہے پسند کرلے۔ یہانتک کہ اگر تو بادشاہی بھی چاہتا ہے۔ تو ہم تجھکو اپنا بادشاہ بھی تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور اگر تمہارے دماغ میں ہی خلل آگیا ہے۔ تو ہم اس کا علاج کرانے کو بھی تیار ہیں۔ خدا کا یہ پاک بندہ جو حق و صدق کے مقابلہ میں بادشاہی تک کی پرواہ نہیں کرتا۔ جواب دیتا ہے تم میری نسبت سخت غلطی پر ہو۔ مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی بھی خواہش نہیں۔ نہ دولت نہ عزت نہ منصب، بادشاہی نہ بیویاں مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ خوب یاد رکھو میں پاگل بھی نہیں۔ خدا کی طرف سے مجھ پر جو پیغام آتا ہے۔ اس کا پہنچانا اور سنانا میرا فرض ہے۔ اور کوئی طاقت مجھے اپنے اس فرض سے نہیں روک سکتی۔

اسلام کے سب سے پہلے نظر بند

عتبہ کے بعد اہل قریش خود آتے ہیں اور آنحضرتؐ کو بادشاہی کا پیغام اپنی زبان سے سنا کر تبلیغ حق سے روکنا چاہتے ہیں۔ مگر جب وہی جواب ملتا ہے۔ جو عتبہ کو ملا تھا۔ تو ان کی آتش غضب اور بھڑکتی ہے۔ وہ ایک معاہدہ تحریر کر کے کعبہ میں

لٹکا دیتے ہیں جس کے رو سے یہ قرار پاجاتا ہے۔ کہ اہل قریش بنی ہاشم کی عورتوں سے شادی نہ کریں نہ کوئی سودا ان سے خرید کریں۔ اور نہ ان سے کوئی چیز خریدی جائے۔ یا دوسرے الفاظ میں بنی ہاشم کو اہل قریش نے برادری سے خارج کر دیا۔ اس معاہدہ سے بنی ہاشم یعنی آنحضرت بہت تنگ ہوئے۔ ہجرت کا ساتواں سال تہا۔ محرم کی پہلی رات تھی۔ کہ سخت تنگ آکر وہ ایک گھاٹی میں معہ جمیع مسلمین و اہل خاندان چلے گئے۔ سوائے ایام حج کے جبکہ امن عام ہوتا ہے ان دشمنوں کے بغض وعناد کی وجہ سے سودا خریدنے کی جرات نہ ہوسکتی تھی۔ مومنوں کے لئے قریش کا یہ معاہدہ ایک سخت امتحان تہا۔ لیکن بھوک۔ پیاس اور تنہائی کی مصیبت کو بطیب خاطر وہ قبول کرتے رہے۔ بلکہ ایام حج میں جب ان کو گھاٹی سے باہر نکلنے کا موقعہ ملتا۔ اور وہ مکہ اور منا میں آتے تو لا الہ الا اللہ کا وعظ کہتے۔ اور بتوں کی مذمت کرتے۔ حق وصداقت کے لئے اسلام میں نظربندی کا یہ پہلا واقعہ ہے۔

یہ تین سال اس قدر سخت گذرے۔ کہ طلح کے پتے کھا کھا کر گذارے! اس حصار میں آپ تنہا نہ تھے۔ بلکہ ام السادات والمومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ بھی آپ کے ساتھ تہیں۔ کمسن صاحبزادیاں بھی ماں کی آغوش میں تھیں۔ ننھے ننھے بچے جب بہوک سے روتے۔ تو سنگدل ان کی آواز سن سنکر ہنستے۔ کہ ان کی چشم تر کی بوندیں گویا ان کے کشت آرزو کا ابر باراں تھیں۔ ایک دن حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے تہوڑا سا غلہ اپنی پھوپھی کے پاس بہیجا۔ ابوجہل نے دیکھا۔ تو چہین لینا چاہا

اسلام کی تبلیغ حق دولت ونعمت میں نہیں ہوئی ہے۔ زور وقوت میں نہیں ہوئی ہے۔ جاہ وجلال میں نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ مصائب وخطرات مظلومیت وبیکسی فقر وفاقہ میں، اور سب سے آخر قید وبند کی بیڑیوں اور زندان وحصار کی چار دیواریوں میں، لیکن ان میں سے کوئی چیز داعی اسلام اور مبلغ رسالت کو اپنے فرائض سے باز نہ رکھ سکی۔ آفتاب کا نور گرد وغبار کے دامن سے نہیں چھپتا اور آسمان کا ابر باراں زمین کے بخارات سے نہیں تھمتا۔

آنحضرت صلعم کے قتل کی کوشش اور حضرت علی کا ایثار

عقبہ کی بیعت ثانی کے بعد جب قریش مکہ نے مسلمانوں کو گرفتار کرکے دکھ دینے شروع کئے، اور اپنے تشدد کو بہت زیادہ کر دیا تو آنحضرت نے اپنی جماعت کو مدینہ جانے کا ارشاد کیا جہاں ان کے لئے بہت سی سہولتیں تھیں۔ کیونکہ وہاں کئی لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ چنانچہ ڈیڑھ سو کے قریب مسلمان وقتاً فوقتاً قافلوں کی صورت میں مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے۔ ان میں سے کئی ایک گرفتار بھی ہوئے۔ جو غلام

بنائے گئے وہ بڑی مصیبتوں کے بعد نجات حاصل کرسکے۔ اب مکہ میں آنحضرت صلعم حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت علی رض رہگئے تھے۔ قریش نے یہ سوچکر کہ اب یہ لوگ بھی جلد تر مکہ سے بھاگ جائیں گے۔ نبی صلعم کے قتل کا پختہ ارادہ کیا چنانچہ نو منتخب اور جری قاتلوں نے تلواروں سے مسلح ہوکر شام کے اندھیرے میں خانۂ نبی کو گھیر لیا یہاں آنحضرت صلعم حضرت ابوبکر رض کو ہمراہ لیکر (ارشاد خداوندی کے مطابق) غار ثور میں چلے گئے تھے۔ جو مکہ سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور آنحضرت صلعم کے بستر پر حضرت علی رض آپ کی چادر اوڑھکر سو گئے تھے۔ قاتلین جب مکان میں گھسے۔ تو یہ دیکھکر سخت حیران و نادم ہوئے۔ کہ نبی صلعم کے بستر پر آپ کی بجائے حضرت علی لیٹے ہوئے ہیں۔ اس ناکامی سے وہ اور غضبناک ہوئے۔ اور فوراً سو اونٹوں کا انعام اس شخص کے لئے مقرر کیا۔ جو محمد صلعم کو زندہ پکڑ لائے یا ان کا سر کاٹ لائے۔ اسی واقعہ کو مولانا شبلی مرحوم نے ذیل کی نظم میں لکھا ہے ؎

جبکہ آمادۂ خوں ہو گئے کفار قریش
لاجرم سرورِ عالم نے کیا عزم سفر

کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز
گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور

اک فقط حضرتِ بوبکر تھے ہمراہ رکاب
ان کی اخلاص شعاری جو تھی منظور نظر

رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے
کہ کہیں دیکھ نہ پائے۔ کوئی آمادۂ شر

چونکہ سو اونٹ کا انعام تہا قاتل کے لئے
آپ کے قتل کو نکلے تھے بہت طالب زر

تین دن رات رہے ثور کی غاروں میں نہاں
تھا جہاں عقرب و افعی کی حکومت کا اثر

بیم جان۔ خوف عدو۔ ترک غذا۔ سختی راہ
ان مصائب میں ہوئی اب شب ہجرت کی سحر

باوجود تھوڑی تعداد کے حق کی فتح باطل پر

یہیں سے سنہ ہجری شروع ہوتا ہے۔ تین دن کے بعد غار ثور سے نکلکر آنحضرت صلعم مدینہ کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ اور وہاں پہنچکر اپنے اور ابوبکر صدیق کے پسماندگان کو بلوا لیتے ہیں۔ مشرکین مکہ کے لئے یہ خبر جانگداز تھی۔ کہ نبی صلعم مدینہ میں پہنچکر عزت اور شہرت کے ساتھ اپنی جماعت بڑھا رہے ہیں۔ یہود مدینہ اور مشرکین مدینہ کے ساتھ خط و کتابت کرکے وہ آنحضرت صلعم سے جنگ کرنے کے لئے مکہ سے باہر نکلے۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد چند صد سے زیادہ نہ تھی چنانچہ جنگ بدر میں صرف ۳۱۳ مسلمان تھے۔ ادھر مشرکین مکہ قافلوں پر قافلے بھیج رہے تھے۔ اور مدینہ میں سے بھی کئی لوگ ان کے ساتھ شامل تھے۔ لیکن خدا نے اس مختصر سی جماعت کو جو حق کے لئے تمام تکلیفیں جھیل رہی تھی۔ باطل کی کثیر تعداد پر فتح بخشی۔ یہانتک کہ وہ مسلمان جو سال ہجرت سے تیرہ سال پیشتر سخت مجبوری کی

معذوری کی حالت میں وطن سے بیوطن ہوئے تھے اور حق گوئی وحق کوشی کی خاطر ذلتیں اور مصیبتیں برداشت کر رہے تھے محض اپنے صبر و استقامت کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد نہ صرف عرب کے بلکہ ایران و افریقہ اور شام و ہندوستان اور یورپ کے بعض ممالک کے شہنشاہ ہو گئے اور بت پرستی ۔ توہمات ۔ جھوٹ ۔ بچہ کشی ۔ غارت گری اور فساد کی جگہ توحید پرستی ۔ تقویٰ ۔ راست بازی ۔ حلم ۔ عفو ۔ صبر اور امن و اطمینان کی زندگی پیدا کر دی ۔

شہنشاہ کونین ایک مزدور کی حالت میں

وہ دستِ حق پرست جس نے مسجد قبا[۱] کی بنا ڈالی تھی ۔ اس خانۂ خدا کی "طرح اندازی" کرتا ہے ۔ جو دنیا میں مسجد نبوی کے مقدس نام سے مشہور ہے اور وہ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو مسجد قبا کے لئے مزدور بنا تھا ۔ اب مسجد نبوی کے لئے مزدور بنتا ہے ۔ جان نثار عرض کرتے کہ "فداک ابی و امی" حضور چھوڑ دیں ہم خود سارا کام کر لینگے لیکن وہ ذات پاک دنیا میں پیغام عمل کیلئے آئی تھی ۔ اس نے اپنے طریق عمل اور اسوہ حسنہ سے اہل عالم کو صراط مستقیم دکھانا تھا ۔ اس لئے وہ انصار و مہاجرین کے ساتھ اینٹیں ڈھونے اور پتھر اٹھانے میں شامل رہے ۔ علامہ شبلی نے اپنی ایک پاکیزہ نظم میں اس کیفیت قدسی کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے ؂

ہجرت کے بعد آپ نے پہلا کیا جو کام　تعمیر سجدہ گاہ خدائے انام تھا
سامان جو ضروری ہیں تعمیر کے لئے　اب ان کی فکر مشغلۂ صبح و شام تھا
مزدور کی تلاش بھی تھی سنگ و گل کی بھی　از بسکہ جلد بننے کا خاص اہتمام تھا
انصار پاک اور مہاجر تھے جس قدر　مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا
اک اور نفس پاک بھی ان سب کا تھا شریک　جو آج گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا
کندھے پہ آپ لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت　سینہ غبار پاک سے سب گرد فام تھا
سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریک حال　یہ خود وجود پاک رسول انام تھا
جو وجہ آفرینش افلاک و عرش ہے　جس کا کہ جبرائیل بھی ادنیٰ غلام تھا

آنحضرت صلعم کے چچا ان کی قید میں

جنگ بدر میں آنحضرت صلعم کے چچا حضرت عباس اور حضرت علی کے بھائی عقیل اسیر ہو گئے ۔ اور قیدیوں کے ساتھ ان کے ہاتھ میں بھی ہتھکڑیاں ڈالی گئیں ۔ بندھن کے زیادہ کسے جانے کی وجہ سے حضرت عباس کے کراہنے کی جب آواز

---

[۱] قبا مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک آبادی ہے ۔ اس کو عالیہ بھی کہتے ہیں مدینہ میں داخل ہونے سے پیشتر حضور انور نے یہیں نزول اجلال فرمایا ۔ اور ایک مسجد کی بنیاد بھی ڈالی ۔

نکلی۔ اور آنحضرتؐ تک پہنچی۔ تو آپ کو اپنے چچا کی تکلیف کی وجہ سے نیند نہ آئی۔ مگر خدا کے حکم سے مجبوری تھی کچھ نہ کہا۔ یہ بھی خیال تھا کہ اگر ان کے ساتھ رعایت کی جائے۔ تو سرداران قریش کو شکایت کا موقعہ ملتا ہے جن کے بھائی بند حضرت عباس کے ساتھ ہی اسیر ہیں۔ مگر آنحضرتؐ کی بے چینی ایسی تھی کہ چھپ نہ سکی۔ لوگوں نے چہرہ سے تاڑ لیا۔ ایک شخص نے یہ دیکھکر حضرت عباس کے بندھن کو ڈھیلا کر دیا۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی۔ اسے بلوایا اور سبب پوچھا۔ اس نے کہا عباس کو بہت تکلیف تھی۔ فرمایا سب کو تکلیف ہے سب کے بندھن ڈھیلے کر دو ؎۱

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بدان را بہ نیکان بہ بخشد کریم

دوسرے دن اکثر قیدی فدیہ لیکر چھوڑ دیئے گئے۔ جن میں حضرت عباس و عقیل بھی تھے۔ جو قیدی محض مفلس تھے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ آئندہ مسلمانوں کے مقابلہ پر نہ آئیں اور نہ کسی کو مسلمانوں کے لڑنے پر برانگیختہ کریں۔ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان کو حکم ہوا۔ کہ ہر قیدی دس انصاری لڑکوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے اور پھر وہ رہا کئے جائیں۔

آنحضرت صلعم کی ذاتی رائے سے اختلاف

اسی جنگ بدر کا ذکر ہے کہ ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپ تین سو تیرہ جان نثاران اسلام کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلے۔ ۱۷ رمضان کو بدر ؎۲ کے قریب پہنچے خبر رسانوں نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آ گئے ہیں۔ آنحضرت صلعم یہیں رک گئے۔ قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا بخلاف اس کے مسلمانوں کی طرف چشمہ یا کنواں تک نہ تھا۔ زمین ایسی ریتلی تھی۔ کہ اونٹوں کے پاؤں ریتے میں دھنس دھنس جاتے تھے۔ اکثر ہمراہیوں کو اس مقام کے قیام پر کسی چشمہ کے نہ ہونے اور کثرت ریگ کی وجہ سے عذر تھا۔ لیکن آنحضرتؐ کے انتخاب کو بدلنے کی کسی کو جرات نہ تھی۔ آخر حباب بن منذر نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کی جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا وحی نہیں ہے۔ حُباب نے کہا تو بہتر ہوگا۔ کہ آگے بڑھکر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنوئیں بیکار کر دیئے جائیں آپ نے

؎۱ سیرت عباس حصہ اول صفحہ ۶۷-۶۸۔

؎۲ بدر ایک گاؤں کا نام ہے۔ جہاں سال کے سال میلہ لگتا تھا۔ یہ مقام اس نقطہ کے قریب ہے۔ جہاں شام سے مدینہ جانے کا رستہ دشوار گذار گھاٹیوں میں سے ہو کر گذرتا ہے۔ مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ غزوۂ بدر اسی بدر کے نام پر ہے (سیرۃ النبی مولانا شبلی حصہ اول صفحہ ۳۰۲)

یہ رائے پسند فرمائی۔ اور اسی پر عمل کیا گیا[1]

خدا کا حکم ہے۔ تو انکار کی مجال نہیں

ذیقعدہ ۵ھ میں قریباً تمام عرب کے قبائل نے اسلام کے استیصال کے لئے ایک لشکر گران مہیا کیا۔ فتح الباری میں تصریح ہے۔ کہ ان کی تعداد ۲۴ ہزار سے زائد تھی۔ ابوسفیان سپہ سالار کل تھا۔ آنحضرت صلعم نے یہ خبریں سنیں۔ تو صحابہ سے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی کی رائے سے کھلے میدان میں مقابلہ کی بجائے ایک خندق کھودنے کا فیصلہ کیا گیا چنانچہ آنحضرت نے حدود خود قائم کیے اور ۳ ہزار اصحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکلکر خندق کی تیاریاں شروع کیں۔ یہ واقعہ ۸ ذیقعدہ ۵ھ کا ہے۔ ۲۰ یوم میں تین ہزار متبرک ہاتھوں سے یہ خندق تیار ہو گئی۔ قریباً ایک مہینہ تک اس سختی سے محاصرہ قائم رہا۔ کہ آنحضرت صلعم اور صحابہ پر تین تین فاقے گذر گئے۔ محاصرہ کی سختی دیکھکر آپ کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو۔ انصار ہمت ہار جائیں۔ اس لئے آپنے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا۔ کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث ان کو دیا جائے۔ سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو جو رؤسائے انصار تھے۔ بلا کر مشورہ کیا۔ دونوں نے عرض کی اگر یہ خدا کا حکم ہے۔ تو انکار کی مجال نہیں۔ لیکن اگر یہ حضور کی اپنی رائے ہے۔ تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حالت میں بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرات نہ کر سکا۔ اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے۔ یہ استقلال دیکھکر آنحضرت صلعم کو اطمینان ہوا[2]

پیغمبر صلعم کو کس بات کی کمی تھی۔ کفار مکہ اور تمام قریش انہیں اپنے ملک کا بادشاہ بنانے کو آمادہ تھے۔ وہ چاہتے۔ تو جس طرح کفار نے ان کو اعلےٰ سے اعلےٰ نعمت پیش کرنی چاہی تھی۔ قبول کر لیتے اور اپنی زندگی مزے سے گذارتے۔ نہ ان کو کسی قسم کی تکلیف ہوتی۔ نہ ایذا ملتی۔ نہ ان کے قتل کے منصوبے سوچے جاتے۔ اور نہ ان کو وطن سے جدا ہونا پڑتا لیکن انہوں نے سچائی۔ خودداری۔ فرض شناسی اور صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑا۔ ہر قسم کی تکلیفیں سہیں۔ مگر وہی کیا جس کی ان کے ضمیر نے شہادت دی۔ وہ دنیا کے لئے صبر و استقامت اور مصیبتوں میں بھی اپنے ارادہ اور ضمیر پر قائم رہنے کا ایک زندہ نمونہ اور مکمل انسان تھے۔

مسلمان قیدی کا طرز عمل قید خانہ میں!

خبیب بن عدی انصاری صحابہ بدر سے تھے۔ آپ کو کفار نے قید کر لیا اور مکہ لے آئے۔ آپ کو وہاں ایک شخص نے اسی دینار پر اس غرض سے خرید لیا۔ کہ اپنے بھائی کے قتل کے عوض جو غزوہ بدر میں مارا گیا تھا۔ قتل کرے۔ خبیب کو ماریہ کنیزک کی نگرانی میں قید کیا گیا۔ وہ کنیزک بیان کرتی ہے۔ کہ خبیب نماز تہجد کے بعد قرآن

[1] سیرت نبوی حصہ اول صفحہ ۲۳۲ [2] سیرت نبوی حصہ اول صفحہ ۳۱۲

پڑھا کرتے لوگ سنتے اور رویا کرتے۔ ایک مرتبہ میں نے جنیب سے کہا جس چیز کی خواہش ہو۔ مجھ سے بیان کرو۔ جنیب نے کہا . . . . صرف یہ خواہش ہے۔ کہ جب قریش میرے قتل کا ارادہ کریں۔ تو مجھے اس کی خبر وقت سے پہلے کر دینا۔ کنیز کہتی ہے۔ قریش نے جب اس کے قتل کا ارادہ کیا۔ تو میں نے اس کو خبر کر دی۔ جنیب نے مجھ سے ایک ضرورت کے لئے اُسترا مانگا میں نے اپنے لڑکے کے ہاتھ بھیج دیا۔ لیکن فوراً ہی میرے دل میں خدشہ پیدا ہوا۔ کہ میں نے نہایت نادانی کا کام کیا ہے۔ کہ اپنے دشمن قیدی کے پاس اپنے معصوم بچے کو اُسترا دیکر بھیجا ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ وہ اس کو ہلاک کر دے جب میرا لڑکا جنیب کے پاس گیا۔ تو اس نے اس کو زانو پر بٹھایا اور کہا اے بہادر لڑکے کیا تیری ماں کو میری عہد شکنی کا خوف نہیں تھا۔ کہ اس نے تیرے ہاتھ مجھے اُسترا بھیجا ہے۔ حالانکہ میں تمہارا اور تم سب میرے دشمن ہو۔ ساریہ کہتی ہے۔ میں کواڑ کی اوٹ میں یہ باتیں سن رہی تھی۔ میں نے بیتاب ہو کر کہا اے جنیب میں نے اس غرض سے اُسترا تمہارے پاس نہیں بھیجا۔ جنیب بولے ماریہ تسلی رکھ۔ میرے مذہب میں عہد شکنی روا نہیں ہے۔ غرض جب جنیب کو پھانسی پر لٹکانے کے لئے لے چلے۔ تو اس نے اپنے قاتلوں سے کہا۔ دو رکعت نماز کی مہلت دو۔ تو تمہارا بڑا احسان ہے۔ نماز کے بعد آپ نے فرمایا بخدائے لایزال اگر تم لوگوں کو یہ خیال نہ ہوتا۔ کہ جنیب نے موت کے خوف سے نماز کو طول دیا ہے۔ تو میں گھنٹوں تک محویت کے عالم میں رہتا۔ ابوہریرہ سے مروی ہے کہ بوقت قتل نماز پڑھنے کا طریقہ سب سے پہلے جنیب بن عدی نے نکالا ہے۔

جب آپ نے نماز پڑھ لی تو آپ کو سولی پر چڑھایا گیا بیشتر اس کے کہ دشمنان اسلام آپ کا خاتمہ کر دیں۔ آپ سے کہا گیا۔ کہ اگر تم اسلام کو ترک کر دو۔ تو ہم تمہاری جان بخشی کر سکتے ہیں۔ جنیب نے کہا میں نے جان بخشی کی درخواست نہیں کی۔ نہ تارک اسلام ہو کر مجھے زندہ رہنے کی ضرورت ہے صرف میری جان ہی کیا اگر تم سارے جہان کی دولت بھی دیدو۔ تو واللہ اسلام کی دولت و نعمت کو ترک نہ کروں۔ قریش نے کہا۔ کیا تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ محمدؐ تیری جگہ سولی پر ہو اور تو آرام سے اپنے گھر میں رہے۔ جنیب نے کہا۔ تم سولی کہتے ہو۔ میں جسم اطہر آنحضرت صلعم میں ایک کانٹا چبھا ہوا بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ قتل کی تکلیف چند منٹوں کی تکلیف ہے اس کے بعد راحت ہی راحت ہے۔

قریش کے حکم سے چالیس لڑکے پھانسی کی طرف آئے جن کے ہاتھوں میں نیزے تھے

وہ سب صہیب کو نیزے مارنے لگے۔ اسی اثنا میں ایک نیزہ سینہ پر لگا اور وہ کلمہ توحید پڑھتے ہوئے واصل بحق ہو گئے۔

زید بن الاثنہ بھی صہیب کے ساتھ ہی قید ہو گئے تھے۔ مشرکین مکہ نے آپ کے ساتھ بھی نہایت ظالمانہ سلوک کیا۔ لیکن آپ نے بھی ثابت قدمی کے ساتھ اپنی جان نذر اسلام کر دی۔

فقیروں اور امیروں کے امتیاز میں ارشاد خداوندی!

بعض امرائے مکہ حضور صلعم کی خدمت میں آئے۔ تو دیکھا۔ کہ فقرائے صحابہ آپ کی مجلس میں حاضر ہیں۔ اور کیا امیر کیا فقیر سب ایک ہی جگہ ایک ہی حالت میں ہیں۔ وہ لوگ فقراء کی ہم نشینی کو باعث عار سمجھے۔ اور کہا اگر ان فقرائے متبذل کو آپ الگ کر دیں۔ تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کی چند دنوں کی صحبت سے ہم پر اثر ہو۔ اور ہم لوگ ایمان لے آئیں۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ میں مسلمانوں کو اپنے پاس سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔ امرائے مکہ بولے کم سے کم اتنا تو ہو۔ کہ ہم لوگ جب آپ کی محفل میں آئیں۔ تو فقیروں سے ہم امیروں کا امتیاز ضروری ہو۔ ہمارے درجہ اور ہماری شان و شوکت کو آپ نگاہ میں رکھکر پھر خیال فرمائیں۔ کہ ہم اور وہ ایک جگہ بیٹھ سکتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس خیال سے امرائے مکہ کی تائید کی۔ کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے۔ تو ان کے ذریعہ اسلام کو بہت جلد ترقی ہو گی۔ حضرت عمرؓ کی تحریک سے آنحضرت صلعم نے امرائے مکہ کی یہ بات مان لی۔ ایک تحریری معاہدہ کے لئے حضرت علی طلب ہوئے۔ کاغذ منگایا گیا۔ فقرائے صحابہ محفل اقدس سے خود بخود ہی پرے جا بیٹھے۔ اور زبان حال سے گویا ہوئے ؎

ہم فقیروں کو نہ پوچھو کہ کدھر بیٹھ گئے ۔۔۔ تیری محفل میں غنیمت ہے جدھر بیٹھ گئے

یہاں یہ واقعات پیش آ رہے تھے۔ کہ غیرت الٰہی کو جوش آیا۔ کہ اسلام تو ان تفرقوں اور تکبر غرور کی ان باتوں کو مٹانے آیا ہے۔ اس میں یہ امتیاز کیسا؟ چنانچہ اسی وقت بطور چشم نمائی رسول اللہ صلعم پر یہ خطاب پُر عتاب بارگاہ خداوندی سے نازل ہوا۔

ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ۔

اور اے پیغمبر جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار ہی کا منہ کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں۔ ان کو اپنے پاس سے مت نکالو۔

لہ امثال صفحہ ۱۸ مصنفہ خان بہادر مولوی حکیم رحمان علی مرحوم ممبر کونسل ریاست ریواں سنہ تالیف کتاب ۱۳۲۳ھ

قیدیان بدر میں نضر بن الحارث بھی تھا جس نے رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام کو بڑی بڑی جسمانی تکلیفیں دی تھیں جب وہ رسول کریم کے حضور میں پیش کیا گیا۔ تو اس نے مصعب بن عمیر سے کہا میں تمہارے خویشوں میں ہوں۔ تم سے قرابت قریبہ رکھتا ہوں محمدؐ سے کہہ کر میرے لئے بھی وہی معاملہ کراؤ جو میرے ساتھیوں کے لئے ہوا ہے مصعب بن عمیر نے کہا کہ تمہارا جرم بہت سخت ہے اور پھر تم اپنے کئے پر پشیمان بھی نہیں ہو۔ اس لئے تمہارے لئے کچھ نہیں ہوسکتا۔ نضر نے کہا اگر قریش تجھکو قید کرتے۔ تو میں اپنی زندگی تک تجھکو قتل ہونے دیتا مصعب نے کہا۔ اسلام نے میرے اور تمہارے تمام سابقہ تعلقات کو منقطع کر دیا ہے۔ اسلام سکھاتا ہے کہ اگر کسی سے محبت رکھو۔ تو بھی اللہ کے لئے اور اگر کسی سے دشمنی ہو۔ تو بھی اللہ کی رضا کے لئے تم مشرک میں موحد میرا تمہارا کیا تعلق اور کیا رشتہ۔ چونکہ نضر بن الحارث اپنی بداعمالیوں پر نادم نہیں تھا اس لئے بہ ایمائے آنحضرت صلعم حضرت علیؓ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ (المشاہد صفحہ ۲۷)

آنحضرت صلعم کا حضرت فاطمۃ الزہرا کو لونڈی دینے سے انکار!

آنحضرت کی صاحبزادی اپنے گھر کا تمام کام کاج پیسنا پکانا خود اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا۔ کہ آنحضرت صلعم کے پاس غنیمت میں کچھ لونڈیاں آئی ہیں۔ آپ نے حضرت فاطمۃ الزہرا سے کہا تم ہمیشہ شکایت کیا کرتی ہو کہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے ہیں۔ اور گھر کے کام کاج سے مجھ کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ بچوں کی خبر لوں۔ ایسے میں جاکر اپنے والد صاحب سے ایک لونڈی مانگ لاؤ۔ فاطمہ گئیں۔ ان کو معلوم تھا۔ کہ آنحضرت صلعم مہاجر مسلمانوں کی تکلیف کے آگے اپنی اور اپنے قرابت مندوں کی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے۔ اتفاق سے آنحضرت صلعم گھر تشریف نہیں رکھتے تھے فاطمہ کا آنا اور ان کا پیغام سنکر آنحضرت صلعم فاطمہ کے گھر تشریف لیگئے۔ آپ بی بی فاطمہ اور حضرت علی دونوں کے بیچ میں جا بیٹھے۔ اور فرمانے لگے۔ کیا بات تھی؟ حضرت فاطمہ تو ادب و حیا کی وجہ سے خاموش ہو رہیں حضرت علی نے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپنے جو کچھ جواب میں ارشاد فرمایا۔ مولانا شبلی نے ذیل کے اشعار میں اسے ادا کیا ہے ؎

ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بیوطن	جن کا کہ صفۂ نبوی میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز	ہر چند اہمیں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گذرتی ہیں	میں اس کا ذمہ دار رہوں میرا یہ کام تھا

کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم تھا ان کا حق — جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
خاموش ہو کے سیدۂ پاک رہ گئیں — جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا

آخر جب جنگ خیبر کے بعد لونڈی غلاموں کی کثرت ہو گئی۔ تو حضرت رسول خدا صلعم نے ایک کنیز فضیّہ نامی آپ کے پاس بھیجدی اور ارشاد فرمایا کہ آدھا کام گھر کا یہ کرے اور آدھا تم کرنا۔ اور دونوں ملکر چکی پیسنا جو کھانا تم خود کھاؤ وہی اس کنیز کو کھلانا

اسیران جنگ سے اسلام کا سلوک

غزوہ حنین ۸ھ میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو نصرت عطا فرمائی بہت سے قیدی پکڑے گئے۔ قبیلہ ہوازن (فریق مخالف) نے اپنے قیدیوں کی رہائی کی درخواست کی۔ آپ نے اپنے اور خاندان بنی عبدالمطلب کے حصہ کے جس قدر قیدی تھے۔ بلا معاوضہ رہا کر دیئے۔ مہاجرین و انصار کے قلوب بھی متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی اپنے رسولؐ کی تقلید کی۔ چند اور قبائل عرب جو حال ہی میں مسلمان ہوئے تھے۔ اور جنہوں نے قیدیان جنگ کے ساتھ ایسا رحیمانہ برتاؤ نہ دیکھا تھا پس وپیش کرنے لگے مگر نبی کریمؐ نے کہ ان کی ذات پاک سارے جہاں کے لئے باعث رحمت ہے فی قیدی چھ چھ اونٹ اپنے پاس سے دیکر ان کو راضی کر لیا۔ اور جب سب قیدی رہا ہو گئے۔ تو ہوازن اور ثقیف کے تمام قیدیوں کو پہننے کے کپڑے بھی عطا کئے۔ اور اپنے کریمانہ طرز عمل سے بتا دیا کہ لڑائی کا کوئی قیدی نہ قتل ہو سکتا ہے۔ اور نہ وہ لونڈی یا غلام بنایا جا سکتا ہے۔ یہی اخلاق اور یہی احسان تھے کہ جب دشمنوں نے سنا کہ ہمارے تمام قیدی نہ صرف وہاں اچھی طرح رہے ہیں۔ بلکہ ان کو بلا معاوضہ آزاد کر دیا گیا ہے۔ تو آنحضرت کے پاس خود چلکر آئے اور مسلمان ہو گئے[1]

انہی قیدیوں میں آپ کی دائی حلیمہ (جس کی آغوش میں آپ نے پانچ سال تک پرورش پائی تھی) کی بیٹی شیما بھی تھی جب اُس نے آنحضرت کے پاس آکر اپنا حال بیان کیا (اور لوگوں نے تصدیق کی) کہ یہ حلیمہ دائی کی بیٹی ہی ہے۔ تو آپ نے نہایت شفقت سے اپنی چادر بچھا دی۔ اور بہت اصرار کے ساتھ شیما کو اس پر بٹھایا۔ اور اپنے رضاعی ماں باپ کا جن کا انتقال ہو چکا تھا حال پوچھتے رہے۔ لوگ یہ ادب و اخلاق دیکھکر فدا ہوئے جاتے تھے۔ بعدازاں آپ نے شیما کو بہت کچھ دے دلا کر عزت و احترام کیساتھ ان کی خواہش کے موافق ان کے قبیلہ میں بھیجدیا۔

انصار کی آزادانہ گفتگو

اسی لڑائی کی تقسیم غنائم میں بہ نسبت مہاجرین و انصار کے قریش کو جن میں

[1] تذکرۂ مصطفےٰ تصنیف مولوی تراب علی ایم اے بڑودہ دالنبی والاسلام مصنفہ ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالہ مرحوم

کچھ تو مسلم تھے اور بعض ابھی ایمان نہیں لائے تھے اور صرف قومی حیثیت کے لحاظ سے آپ کے ساتھ شامل تھے تالیف قلوب کی غرض سے زیادہ حصہ ملا جس قوم کو آپ نے حق گوئی اور آزادانہ گفتگو کرنے کی تعلیم دی تھی۔ وہ اپنی اس بظاہر حق تلفی پر کس طرح خاموش رہ سکتی تھی۔ آخر انصار نے کہہ ہی دیا۔ "آپ نے اپنی قوم اور قبایل عرب کو مالا مال کر دیا۔ مگر ہم پر اس قدر نوازش نہ کی۔ حالانکہ ہم نے وفا شعاری کا پورا حق ادا کیا ہے"! آپ نے انصار مدینہ کو اپنے خیمہ میں جمع کیا اور فرمایا۔ میرے آنے سے پیشتر تم لوگ کیسی گمراہی میں تھے۔ آپس ہی میں لڑ لڑ کر تباہ ہو رہے تھے۔ میرے ذریعہ تم میں کیسا اتفاق پیدا ہو گیا۔ اب آپس میں بھائیوں کی طرح رہتے ہو اور اپنے اتفاق و اتحاد سے دوسروں پر غالب بھی ہو اور غنی بھی۔ اور پھر دولت ایمان سے مالا مال بھی۔ انصار نے یکزبان ہو کر عرض کیا۔ بیشک ہم پر خدا اور اس کے رسول کا یہ بڑا احسان ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تمہارا دوسرا جواب بہت درست ہو اگر تم اس طرح کہو "آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی۔ مگر ہم نے تصدیق۔ آپ بے یار و مددگار تھے۔ مگر ہم نے حمایت کی۔ آپ خانہ بدوش تھے ہم نے جگہ دی۔ آپ بے زر تھے ہم نے جان و مال تصدق کیا۔۔۔"! انصار اس سے زیادہ سننے کی تاب نہ لا سکے۔ کہا یا رسول اللہ بس بس ہم نے بھر پایا۔ ہم کو اب زیادہ شرمندہ نہ کیجئے۔ ارشاد ہوا میں نے محض تالیف قلوب کی غرض سے قریش اور قبایل عرب کے ساتھ جو فولاد سے بھی زیادہ سخت دل ہیں۔ اس قدر نوازش کی ہے۔ اور وہ انشاء اللہ دولت اسلام سے بہرہ اندوز ہوں گے۔ اگر تمام آدمی ایک راہ پر چلیں اور انصار دوسری راہ پر میں اس راہ پر چلوں گا جس پر انصار ہیں۔ میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے"! قلب انسانی کے یہ اعلیٰ اور آزاد اور حقیقی جذبات جو دونوں طرف سے اپنا جلوہ دکھائیں۔ افسوس اب تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتے۔[۱]

حاتم طائی کی بیٹی سے آنحضرت صلعم کا سلوک

۹ھ میں بنی طے سے خفیف سا مقابلہ ہوا۔ دشمن شام کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے اعزہ و اقربا کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا اور مال و اسباب ضبط کر کے مدینہ لائے۔ قیدیوں میں بنی طے کے سردار عدی کی بہن حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی اس نے کہا کہ میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ رحیم و کریم اور سخی اور فیاض تھا۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتا۔ ننگوں کو کپڑا دیتا اور غریبوں پر رحم کرتا تھا۔ وہ مر گیا۔ بھائی تھا وہ شکست کھا کر شام کی طرف بھاگ گیا ہے میں ایسے رحم و کرم والے کی بیٹی بے یار و مددگار

---

[۱] تذکرۃ المصطفیٰ مولفہ مولوی سید نواب علی صاحب ایم اے بڑودہ۔

آپ کی قید میں ہوں اور رحم کی خواستگار ہوں حضرت رسولخدا نے فرمایا اے لڑکی تیرے باپ میں
ایمان والوں کی صفتیں تھیں۔ یہ کہکر آپ نے اس کو رہا کر دیا۔ اس نے پھر عرض کیا میں بنت
کریم ہوں۔ اپنی رہائی کے ساتھ اپنے قبیلہ کے قیدیوں کی رہائی کی بھی تمنا رکھتی ہوں۔ نبی کریم
نے نہ صرف اس جوانمرد عورت کی درخواست ہی قبول کی۔ بلکہ اس کو زادراہ اور سفر خرچ دیکر اس کے
بھائی کے پاس ملک شام میں بھجوا دیا جانتے ہو اس خلق محمدی اور اس حسن سلوک کا کیا نتیجہ نکلا۔
اور اس کریم النفس نبی کے اوصاف نے کیا اثر پیدا کیا؟ آنحضرت صلعم کے حالات زندگی پڑھو تو
تمہیں معلوم ہوگا۔ کہ عدی بن حاتم (اس عورت کا بھائی) خلق محمدی کی یہ کیفیت اپنی بہن کی زبانی
سُنکر مدینہ آیا اور مسلمان ہو گیا۔

آنحضرتؐ کا ایفائے عہد کا پاس

جو قیدی لڑائیوں سے رہا ہوتے تھے جن کو سفر خرچ اور زادراہ ملتا تھا جن کی جان بخشی
ہوتی تھی وہ لوگ خلق محمدی کے اثرات چاروں طرف پھیلاتے تھے۔ کعب بن زہیر مکہ کا زبردست
شاعر اپنی جادو بیانی اور رجز خوانی سے قبائل عرب کو اسلام کی مخالفت میں بھڑکا کر مسلمانوں کو بہت
تکلیفیں دیتا تھا۔ خلق محمدی کی کیفیت سُنکر اپنی حرکات پر نادم ہوا۔ مگر اپنی ناشائستہ حرکات کی
وجہ سے حاضر ہونے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ آخر ایکدن جبکہ آنحضرت صلعم مسجد نبوی میں وعظ فرما رہے
تھے۔ کعب بھیس بدلکر آیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں کعب کو حاضر کروں۔ تو کیا آپ اسے قبول
فرمائیں گے۔ ارشاد فرمایا۔ ہاں میں اس کو معاف کر دوں گا۔ عرض کیا میں ہی کعب بن زہیر ہوں
مسلمان کعب کے نام سے بھڑکتے تھے۔ چاہا کہ اس کو ہلاک کر دیں۔ آپ نے روکا اور فرمایا میں اس سے معافی
کا وعدہ کر چکا ہوں اور اس کو امان دے چکا ہوں۔ ہاتھ روک لو۔ تذکرۃ المصطفیٰ

ایک منافق کے لئے آنحضرت کی دعائے مغفرت

مدینہ میں عبداللہ بن ابی بظاہر مسلمان تھا۔ مگر باطن میں منافق۔ اس کی کثیر جماعت
بھی اس کے ساتھ تھی جب وہ مرض الموت میں گرفتار رہا۔ تو وہ مقدس وجود
جو اپنے رحم و کرم کی عملی تعلیم سے آخر رحمۃ اللعالمین ثابت ہوا عیادت کو آئے۔ ابن ابی نے کہا میری
آخری خواہش ہے کہ آپ اپنا پیراہن عطا فرمائیں۔ کہ اس میں لپیٹ کر مجھے دفن کر دیں۔ اور میرے
جنازہ کی نماز بھی آپ ہی پڑھائیں۔ حضرت عمرؓ ہر چند آپ کو روکتے ہی رہے۔ اور ابن ابی کے نفاق و
شرارت کی داستانیں سناتے اور وہ آیت پڑھتے رہے۔ جو منافقین کے واسطے اتری ہے "ان کیلئے
معافی مانگ نہ مانگ اگر ستر مرتبہ بھی معافی مانگیگا۔ اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا" مگر آپ نے ابن ابی کی سب
خواہشیں پوری کر دیں۔ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا خدا نے دعائے مغفرت کرنے نہ کرنے کا مجھے اختیار

دیا ہے۔ میں نے اپنے اختیار سے مغفرت کی دعا کی ہے۔ اب بخشنا نہ بخشنا اس کے اختیار میں ہے" منافقین نے جب اپنی شرارتوں کے باوجود رسول کریم کا یہ برتاؤ دیکھا تو تائب ہو کر حقیقی مسلمان ہو گئے۔

حضرت علیؓ پر اعتراضات اور ان کی تحقیقات

حجۃ الوداع (ذی الحجہ ۱۰ھ) کے بعد آپ مدینہ تشریف لا رہے تھے کہ منزل غدیر خم میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے مسموع خاطر ہوا کہ صوبہ یمامہ کے انتظامی امور میں جو حضرت علی سے متعلق تھے۔ لوگ نکتہ چینیاں کر رہے ہیں اور حضرت علی سے بدگمانیاں پھیل رہی ہیں۔ آپ کو جب (بعد از تحقیقات) معلوم ہوا کہ یہ نکتہ چینیاں بیجا اور شکایات بے محل ہیں۔ تو ناگوار خاطر ہوا۔ اور جب تک بدگمانیاں دفع فرما کر عوام کی تسلی نہ کر لی آگے روانہ نہ ہوئے۔

نوکروں اور غلاموں سے خلق محمدی کا برتاؤ

خادموں اور غلاموں کے ساتھ آپ فیاضانہ سلوک کرتے تھے۔ خادموں کے متعلق (بروایت ابوذر) آپ کا ارشاد ہے۔ تمہارے خادم (نوکر) تمہارے بھائی ہیں۔ ان سے ایسے کام نہ لو۔ جو ان کی طاقت سے باہر ہوں۔ جو خود کھاؤ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو ان کو پہناؤ۔ حضرت زید ایک غلام تھے حضور نے نہ صرف ان کو آزاد کر دیا۔ بلکہ اپنی پھوپھی زاد بہن زینب سے اس کی شادی بھی کر دی۔ بیٹوں سے زیادہ اس سے محبت کرتے تھے یہی وجہ تھی۔ کہ حضرت زید نے اپنے باپ کی ہمراہ جب وہ ان کی آزادی کی خبر سنکر ان کو لینے آیا۔ جانے سے انکار کر دیا۔ عمر بن عبد العزیز کے عہد حکومت میں جب زید کی پوتی یعنی اسامہ بن زید کی بیٹی آپ کے پاس ایک کام کے لئے آئیں۔ تو آپ (یعنی امیر المومنین عمر بن عبد العزیز) نے اپنی جگہ ان کو بٹھایا اور خود ادب سے سامنے بیٹھ گئے۔ اور ان کی جو فرمائش تھی۔ پوری کر دی[1]۔ ان کے علاوہ صدہا مثالیں اس قسم کی موجود ہیں کہ مسلمانوں نے غلاموں کے ساتھ بہت اچھے سلوک کئے ہیں۔ ان کو رشتے دیئے ہیں۔ وزارتیں دی ہیں۔ یہانتک کہ غلاموں نے اپنی سلطنتیں اور حکومتیں بھی قائم کر لیں[2]۔ یہ نتیجہ تھا اس اخلاق کا جس کی تعلیم کے لئے آپ مبعوث ہوئے۔ اور یہ نتیجہ تھا ان احکام کا جن پر آپ خود عمل کر کے پہلے نمونہ پیش کر دیتے تھے چنانچہ مولانا شبلی مرحوم نے اسی مساوات اسلامی اور غلاموں کی عزت افزائی پر ایک نظم لکھی ہے۔ جو ذیل میں درج ہے ؎

بارگاہِ نبوی کے جو مؤذن تھے بلال ۔۔۔ کر چکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر
جب یہ چاہا کہ کریں عقد مدینہ میں کہیں ۔۔۔ جا کے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھلکر

[1] سیرت عمر بن عبد العزیز[2] غلام بادشاہوں اور غلام امراء وزراء کے متعلق اسلامی تاریخوں میں اس قدر حالات موجود ہیں۔ کہ ان کی تفصیل کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ ہماری کتاب غلامان اسلام کا انتظار کیجئے۔

ہوں غلام ابن غلام اور حبشی زادہ ہوں — یہ بھی سن لو کہ میرے پاس نہیں دولت و زر
ان فضایل پہ مجھے خواہش تزویج بھی ہے — ہے کوئی جس کو نہ ہو میری قرابت سے حذر
گردنیں جھک گئے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور — جس طرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر
عہد فاروق میں جس دن کہ ہوئی ان کی وفات — یہ کہا حضرت فاروق نے با دیدۂ تر
اٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا — اٹھ گیا آج نقیب حشم پیغمبر
اس مساوات پہ ہے حشر اسلام کو ناز — نہ کہ یوروپ کی مساوات کہ ظلم اکبر

آنحضرت کا سلوک اس عورت سے جس نے کھانے میں زہر ملا دیا

فتح خیبر سنہ ۷ھ کے بعد آنحضرت خیبر ہی میں تھے کہ یہودیوں کے سردار مرحب کی بھتیجی زینب نے آپ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ آپ نے ایک ہی لقمہ کھایا تھا کہ ہاتھ کھینچ لیا۔ اور زہر اپنا فوری اثر نہ کرنے پایا مگر رفتہ رفتہ سرایت کرتا گیا۔ اور چوتھے برس مرض الموت کا باعث ہوا۔ یہودن نے اگرچہ جان لینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ مگر کریم النفس نبی کو اپنے ذاتی آزار کا بدلہ لینا گوارا نہ ہوا۔ اور ہر چند مسلمانوں نے زور بھی دیا کہ اس کو قتل کر دینا چاہیئے۔ مگر آپ نے اپنے مہمان کش میزبان کو چھوڑ دیا۔[1]

درعفو لذتیست کہ در انتقام نیست

فتح مکہ (رمضان سنہ ۸ھ) کے بعد جب آنحضرت صلعم کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے باہر تشریف لائے آپ نے دیکھا۔ قریش تک اس انتظار میں کھڑے ہیں کہ ہمارے حق میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اور جو ظلم و ستم ہم نے آنحضرت کے ساتھ کیا اور جیسی کچھ ان کو تکلیفیں دیں۔ ان کا کیا نتیجہ نکلتا ہے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائیگا اعیان قریش نے جواب دیا۔ اے نیک برادر ہم تیرے بس میں ہیں فرمایا جاؤ میں نے تم سب کو چھوڑ دیا۔ اسیطرح جب ہندہ زوجہ ابوسفیان جس نے آپکے چچا حضرت حمزہ کی لاش کی بیحرمتی کی تھی پیش ہوئی۔ تو اس کی خطا معاف کر دی۔ ہبار بن الاسود نے مکہ میں آستانہ رسالت کی بہت کچھ بے ادبی اور ایذارسانی کی تھی۔ یہانتک کہ جب زینب بنت رسول اللہ کی سواری مکہ سے مدینہ کی طرف چلی تو ہبار نے چند اوباشوں کو ساتھ ملا کر ان کے ہودج پر نیزہ مارا اس صدمہ سے زینب ہودج سے نیچے گر پڑیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا لیکن عورتوں پر یہ حملہ کرنیوالا نامرد جب مدینہ میں رسول کریم کے پاس آیا اور اسلام کا خواہاں اور امان کا طالب ہوا۔ تو اس رحمۃ للعالمین نے باوجودیکہ اس کے قتل کا فرمان کر دیا تھا اس کو معاف کر دیا۔ غرض آپ نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی انتقام نہیں لیا۔ اور معافی ہی کو ترجیح دی۔ حالانکہ جتنا کسی پر ظلم ہو۔ انتقام لینے کا حکم ہے۔ مگر معاف کرنیکا اجر چونکہ زیادہ ہے۔ اس لئے آپ ہمیشہ عفو تقصیر ہی سے کام لیتے رہے۔[1]

[1] ملخصہ از رحمتی دارالسلام و تذکرۃ المصطفیٰ

حسن ادائیگی اور حسن تقاضا

زید بن سعنہ ایک یہودی تھا۔ آنحضرت صلعم کی طرف اس کے کچھ روپے نکلتے تھے۔ وہ ایک دن آیا اور آپکے شانہ مبارک سے چادر اتار لی اور کپڑے پکڑ کے کہنے لگا عبدالمطلب والے بڑے نادہندہ ہوتے ہیں۔ عمر فاروق نے یہودی کی یہ گستاخی دیکھکر اس کو سخت ڈانٹ بتائی۔ آپنے فرمایا۔ عمر! تمہیں لازم تھا کہ میرے ساتھ اور اس کے ساتھ مختلف قسم کا سلوک کرتے۔ مجھے حسن ادائیگی کے لئے کہتے اور اسے حسن تقاضا سکھاتے پھر زید سے کہا۔ ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں۔ لیکن خیر! عمر اس کا قرض ادا کر دو۔ بیس صاع زیادہ بھی دینا۔ کیونکہ تم نے اسے ڈرایا اور دہمکایا بھی تھا۔

جب یہ مشعل سینکڑوں فانوسین روشن کر چکی۔ جب یہ نورانی جوہر ہزاروں جسمانی پیکروں کو ریڈیم بنا چکا۔ جب دین کی تکمیل ہو چکی۔ رسالت کے فرائض ادا ہو گئے۔ تو اس مظہر ذات الٰہی نے سفر آخرت کی تیاری شروع کی۔ جب وقت بالکل قریب آ گیا۔ تو لوگوں کو بلایا۔ اور کہا کسی کا مجھ پر اگر کوئی حق ہو تو کہدے میں جان و مال سے حاضر ہوں۔ ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا یا رسول اللہ میرے تین درہم آپکے ذمہ باقی ہیں۔ جو آپنے اپنے نام سے ایک سائل کو مجھ سے دلوائے تھے۔ یہ سنکر آپنے حضرت فضل بن عباسؓ سے تین درہم ادا کرنے کا اشارہ فرمایا اور کہا دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے کہیں بہتر ہے[۳]

حسن معاملہ کی نظیر اس سے بڑھکر کیا ہو سکتی ہے۔ کہ شہنشاہ عرب و عجم جن کے ادنےٰ اشارے سے مسلمان جان و مال قربان کرنے کو آمادہ ہیں۔ تین درہم کی ادائیگی کے لئے بے چین و بیقرار نظر آتے ہیں۔ اور جب تک ادا نہیں فرما لیتے ان کو آرام نہیں آتا۔

حضرت ابوذر غفاری اور اعلائے کلمۃ اللہ

مسیح الاسلام حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ شخص تھے جن کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آسمان نے اپنا سایہ ابوذر سے زیادہ کسی حق گو آدمی پر نہیں ڈالا۔ اور نہ زمین نے ان سے کسی زیادہ حق گو آدمی کا بار کبھی اٹھایا۔ یہ مکہ میں اس وقت ایمان لائے۔ جب اس سرزمین میں "ایمان" کا لفظ قانونی جرم تھا چنانچہ اپنے وطن سے چلکر جب یہ مکہ پہنچے۔ اور مخفی مسلمان ہوئے۔ آپنے فرمایا کہ تم اپنے قبیلہ میں واپس چلے جاؤ۔ اور اس وقت کے منتظر رہو جب اسلام کو ملک میں امن و امان نصیب ہو۔ لیکن ان کے لئے انتظار مشکل تہا۔ وہ اب سرتاپا آواز حق تھے۔ ان کا رونگٹا رونگٹا اعلان حق کے لئے بیچین تہا۔ چنانچہ وہ سیدہے خانہ کعبہ میں آئے۔ اس خانہ کعبہ میں جو اس وقت ۳۶۰ بتوں کا مسکن تہا۔ اور آکر لا الہ الا اللہ کا اس زور

---

[۱] النبی والاسلام وتذکرہ المصطفیٰ [۲] سال وفات ۱۱ھ ہجری ۱۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ بمقام مدینہ عمر شریف بروایت ابن عباس ۶۳ سال [۳] النبی والاسلام تذکرۃ المصطفیٰ [۴] مضمون "نظر نبیان اسلام" رسالہ معارف نمبر ۲ جلد ۳۔

سے نعرہ مارا۔ آس پاس کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ یہ آواز سُنکر قریش چاروں طرف سے دوڑ پڑے حضرت عباس نے آکر بچایا لیکن جسمانی تکلیف ان کے روحانی عزم و استقلال کی مضبوطی میں ایک ذرّہ انقلاب نہ پیدا کر سکی۔ دوسرے دن وہی ابوذر غفاری تھے۔ وہی ۳۶۰ بتوں کا کعبہ تھا۔ اور وہی نعرۂ توحید کی زلزلہ انداز تکبیر تھی۔ قریش کی طرف سے وہی کل کی طرح آج بھی جواب ملا تاہم یہ سزا بھی ان کو فرض تبلیغ سے باز نہ رکھ سکی۔

واعظین اسلام کی حریت زندان میں

سنہ ۴ھ[1] رجیع کے دو زندانیوں کی داستان بھی ہم کو سنانی ہے حضرت خبیب رض اور حضرت زید رض یہ دونوں بزرگ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ یعنی ان لوگوں میں سے جو میدان جنگ کے لئے نہیں بلکہ منبر و محراب کے لئے تعلیم پا رہے تھے۔ ایک قبیلہ کی دعوت پر دس واعظین اسلام جن میں یہ دو صاحب بھی تھے۔ بھیجے گئے رجیع کے مقام پر پہنچکر کافروں نے بدعہدی کی اور دو سو آدمیوں کا دستہ ان کی گرفتاری کے لئے بھیجدیا۔ اکثر نے قید و اسیری کے ننگ کو گوارا نہ کیا۔ اور لڑ کر جانیں دیں خبیب رض اور زید رض دو صاحبوں نے کفار کے وعدوں پر بھروسا کر کے اپنے آپ کو ان کے حوالہ کر دیا۔ انہوں نے خلاف معاہدہ ان کی مشکیں کسیں اور مکہ میں لاکر بیچ ڈالا۔ قریش نے بدر کے انتقام کے لئے ان کو خرید لیا۔ اور تین مہینے تک قید میں رکھا ان دونوں قیدیوں نے زمانہ قید میں اسلام کی تعلیم کا جو نمونہ پیش کیا۔ وہ مذاہب کی تاریخ میں عدیم المثال ہے۔

حضرت خبیب رض جس گھر میں قید تھے۔ اسلام کے بعد اس گھرانے کی ایک خاتون نے علی الاعلان گواہی دی کہ "خبیب رض سے بڑھکر کسی قیدی کو ہم نے نیک و سعادتمند نہیں پایا" ایک دفعہ اسی خاندان کا ایک بچہ کھیلتا ہوا ان کے پاس چلا گیا۔ ان کو معلوم تھا کہ یہ اس خاندان کا چشم و چراغ ہے جو چند روز میں سولی کی لکڑی پر ان کی لاش کو لٹکانے والا ہے۔ لیکن انہوں نے پیار سے اس بچہ کو زانو پر بٹھا لیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک ضرورت سے اُسترا تھا۔ بچہ کی ماں کی نگاہ جب اس قیدی پر پڑی۔ تو یہ منظر دیکھکر کہ بچہ قیدی کے زانو پر بیٹھا ہے اور کھلا استرا اس کے ہاتھ میں ہے سہم گئی حضرت خبیب رض نے فرمایا "کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں اپنے خون کا انتقام تمہارے بچہ سے لوں گا ہمارا یہ کام نہیں" حضرت خبیب رض نے کافروں سے زمانہ قید میں جو رعائتیں چاہیں وہ صرف تین تھیں میٹھا پانی۔ حرام کھانا مجھکو نہ دیا جائے قتل کی پہلے سے اطلاع دی جائے۔

چند روز کے بعد حضرت خبیب رض نے حرم کے میدان میں جس بہادری، اطمینان اور سکون قلب کے ساتھ مظلومیت کی سولی پر جان دی۔ وہ تاریخ اسلام کا معروف واقعہ ہے۔ اخلاق کے اس معجزانہ منظر نے

[1] رسالہ معارف نمبر ۲ جلد ۳

آخر اس خاندان کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا۔

دوسرے قیدی حضرت زید بن دثنہ انصاری تین مہینے کی قید کے بعد مقتل میں لائے گئے۔ کفار کا پرا احاطہ کئے تھا۔ جلاد کی تلوار نگاہوں کے سامنے تھی۔ سولی کی لکڑی پہلو میں نصب تھی۔ ابوسفیان نے آگے بڑھکر پوچھا "زید! کیا تم پسند کرتے۔ کہ اگر آج تمہارے بجائے محمدؐ کی لاش اس سولی پر لٹکتی ہوتی" سرشار خمخانہ محمدی نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں یہ پسند کروں گا۔ کہ میری لاش سولی پر لٹکائی جائے اور محمد صلعم کے تلووں میں کانٹا بھی نہ چبھنے پائے[1]

بدعہدی اسلام کا شیوہ نہیں

حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ اس جرم پر کہ اسلام لائے تھے۔ مکہ میں پابزنجیر تھے طرح طرح کی تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ کہ اس نئے مذہب سے توبہ کرو۔ لیکن وہ ان تمام سختیوں کو خوشی سے جھیلتے رہے۔ ۶ھ میں عمرہ کی غرض سے جب چودہ سو جان نثاروں کے ساتھ آپ نے مقام حدیبیہ میں قیام کیا۔ اور کفار نے آگے بڑھنے سے روکا اور شرائط صلح طے ہونے لگیں۔ تو عین اس وقت جب معاہدہ کی سطریں زیر تحریر تھیں۔ ابوجندل کسی طرح قریش کی مجلس سے نکلکر پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے آئے۔ اور سب کے سامنے گر پڑے۔ قریش کے سفیر نے جو خود ابوجندل کا باپ تھا کہا کہ "محمدؐ! یہ پہلا قیدی ہے جس کو تمہیں واپس دینا ہوگا۔ ابوجندل نے تمام مجمع کے سامنے اپنے زخم دکھائے۔ جو قریش کے جور وستم کی یادگار تھے۔ اور کہا۔ برادران اسلام! میں اسلام لاچکا ہوں۔ کیا پھر مجھکو کافروں کے ہاتھ میں دیتے ہو۔ کیا پھر مجھے ان کا قیدی بناتے ہو" تمام مسلمان اس دردناک منظر کو دیکھکر تڑپ اٹھے چہروں پر تیوریاں چڑھ گئیں! اخوت اسلامی کی لہر برق بنکر چودہ سو بہادروں کے دل وجگر میں تیر گئی۔ کہ دفعۃً لبہائے مبارک ہلے اور ابوجندل کی طرف خطاب کرکے فرمایا،

"ابوجندل! صبر اور ضبط سے کام لو۔ خدا تمہارے لئے اور دوسرے مظلوموں کے لئے راہ نکالیگا صلح اب ہوچکی۔ اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کرسکتے۔"

اس فرمان کو سنکر ابوجندل نے اطاعت کی گردن جھکالی۔ اور مجلس کی قید و زنجیر کو اسلام کی بدعہدی کے داغ پر ترجیح دی۔

مولانا کیفی چریاکوٹی نے ایفائے عہد کے اس بےمثال واقعہ کو ذیل کی نظم میں ادا کیا ہے؎

بن چکی صلح حدیبیہ جو بر رد و ادعمل — پابہ زنجیر سنا بھاگ چلے بوجندل
آئے یثرب کی طرف شوق سے گرتے پڑتے — جیسے پروانہ کہ بیتاب ہو سوئے مشعل
تن مجروح سے دور کرکے اٹھایا جامہ — داغ دکھلا کے سنانے لگے سختی عمل

[1] یہ واقعہ بحوالہ المشاہد صفحہ ۹ پر بھی ذرا تفصیل سے درج ہے۔

تھی کچھ اس طرح جگر سوز کہانی ان کی / سننے والوں کے بھی بے ساختہ اشک آئے نکل
صبر آموز تھا فرمان نبی کا ہر چند / جتنے انصار و مہاجر تھے ہوئے سب بیکل
اس طرف صبر شکن اشک کا اٹھا طوفان / اور ادھر داغ تن زار و حزین تاب گسل
بعض بیتابیٔ کلفت سے یہ چلا اٹھے / اب نہیں صلح جفا کوش یہ ہونے کا عمل
اور ابوبکر و عمر اپنی جگہ برجستہ ان / کیا کہیں کیا نہ کہیں ہوش و خرد تھے مختل
اس طرف رحمت عالم کا نرالا انداز / دل میں اک شفقت و الطاف کا اٹھتا بادل
وہ کہ اک جنبش لب جس کی جہاں کی تسخیر / وہ نظر جس کی عدو سے نہ پھرے وقت جدل
چونکہ تھی پیش نظر عہد کی وہ پابندی / اس نے آنے نہ دیا ابروئے خمدار پہ بل
فیصلا آپ نے آخر کو یہی ٹھہرایا / اسی حالت سے چلے جائیں ابھی بو جندل

نہ کہیں تیغ تھی کیفی نہ کہیں خنجر تھا
چل گیا سارے جہاں پر یہی جادوئے عمل

شمع رسالت اور اس کے پروانے

بندگان ضلالت اپنی پوری قوت سے صدائے حق کو دبانے کی کوشش کرتے تھے رسول کریم صلعم کو تو تکلیفیں ملتی ہی تھیں۔ شمع رسالت کے پروانوں کو بھی کفار چین سے نہ بیٹھنے دیتے تھے۔ خدا رحمت کرے نقیب رسالت بلال (رضی اللہ عنہ) کی روح پرفتوح پر کہ ان کا بے رحم آقا امیہ بن خلف ان کو جنگل میں لیجاکر گرم ریت پر لٹاتا ان کے سینہ پر گرم تپتا ہوا پتھر رکھ دیتا کبھی گردن میں رسی ڈالکر لڑکوں کے حوالے کرتا۔ وہ انہیں بطور تماشا کوچہ و بازار میں کھینچے کھینچے پھرتے۔ امیہ خود بھی زد و کوب کرتا۔ کئی کئی روز فاقے کراتا اور کہتا اسلام سے باز آ اور محمدؐ کو گالیاں دو (العوذ باللہ)۔ مگر ان مکروہات کا اس پروانہ شمع رسالت و ہدایت کے پاس ایک ہی جواب تھا۔ وہ بار بار نہایت پرجوش آواز میں "احد احد" کے نعرے لگاتے تھے۔

حضرت عمارؓ ان کی والدہ ان کے بوڑھے باپ یاسرؓ کے ساتھ ہی صرف اس جرم پر کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰه کہتے تھے۔ مشرکین مکہ نے ایسے ہی سنگ ستم توڑے جیسے حضرت بلال پر۔ حضرت افلحؓ (غلام اسلام) کے پاؤں میں کفار رسی باندھکر انہیں گرم ریت اور پتھر پر گھسیٹتے تھے۔ جنگ اُحد میں حضرت کا جسم اطہر مجروح ہو جاتا ہے۔ تو دشمن یہ خبر اڑا دیتے ہیں کہ آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس خبر سے اہل مدینہ کے قلوب پر رنج و غم کے بادل چھا جاتے ہیں عصمت مآب عورات تک گھروں سے نکل کھڑی ہوتی ہیں۔ مستورات کا ایک گروہ میدان

میں پہنچتا ہے۔ گروہ انصار کی ایک نیک بخت بیوی کو پہچان کر صحابہ اسکو فرماتے ہیں۔ کہ تیرے بھائی
تیرے باپ اور تیرے شوہر نے جام شہادت نوش کیا۔ لیکن ان اندوہناک خبروں کا اس مومنہ کے
دل پر کچھ بھی اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ فوراً رسول خدا کی خیریت دریافت کرتی ہے۔ اور جب اس کا اطمینان
کر دیا جاتا ہے۔ تو وہ کہتی ہے ؎

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہ دین تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

حارثہ بن سراقہ حضرت انس بن مالک مشہور صحابی کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ جہاد ان پر فرض
نہیں تھا۔ کیونکہ ابھی لڑکے تھے لیکن جوش اسلام اور محبت رسول میں جنگ بدر میں شامل ہو گئے
لب حوض پانی پینے کے لئے کھڑے تھے کہ دفعۃً ایک تیر لگا اور جان بحق ہو گئے۔ جب ماں کو پیارے
بیٹے کے انتقال کی خبر پہنچی۔ تو نہ اظہار ملال کیا نہ آنکھوں سے کوئی آنسو گرا جب رسول کریم غزوۂ بدر
سے واپس آئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کیا جو صدمہ حارثہ کی وفات سے مجھ ماتا
کی ماری کو ہوا ہے حضور خوب جانتے ہیں لیکن میری آنکھ سے آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا۔
لوگ حیران ہیں اور اس کا سبب پوچھتے ہیں۔ اب میں لوگوں کی حیرانی اور اپنے اطمینان قلب کے لئے حضور
کی خدمت میں آئی ہوں۔ کہ اگر میرے لڑکے کی فداکاری اسلام نے قبول کی ہے تو گریہ وزاری کا
کونسا موقعہ ہے بلکہ میرے لئے خوشی و مسرت کا باعث ہے اور اگر اسکی جان بیکار گئی ہے اور اسلام
کو اس سے کوئی فایدہ نہیں پہنچا۔ اور وہ قیامت کے دن حصہ دوزخ کا ایندھن ہے تو میں اپنے بیٹے
کے غم میں جسقدر واویلا کروں کم ہے۔ آنحضرت نے فرمایا۔ غم نہ کرو۔ تمہارا بیٹا اس چھوٹی سی عمر میں
اسلام کے جان نثاروں کے لئے بہت بڑی مثال قائم کر گیا ہے حارثہ کا گھر دوزخ میں نہیں بلکہ جنت میں ہے ؎
یہ تھے شمع نبوت کے پروانے اور یہ تھی ان کی سوزش قلبی۔ ان کی استقامت و استقلال۔ ان کی
قربانیاں ان کی جان نثاریاں لیکن کیا اس داستان رنگین کے اندر ہمارے لئے کچھ بصیرت نہیں برادران
ملت اپنے قلوب کا جائزہ لو۔ کہ کیا تمہارے دلوں کے اندر اس آگ کی چھوٹی سی چنگاری بھی ہے
خدا و رسول اور اس کے احکام کی بجا آوری کے لئے۔ اشاعت توحید کے لئے۔ کلمۂ حق و حریت کہنے پر
جو مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں ان کی برداشت کیلئے کس حد تک ایثار اور قربانیاں کر سکتے ہو؟
یاد رکھو خوب یاد رکھو ؎

دہر میں مسلم ہے حق کی آزمائش کیلئے   تمغۂ ایمان نہیں ملتا نمائش کے لئے

؎ اشارہ صفحہ ۱۰ و ۱۹

باب دوم

دورِ خلافت

فصل اوّل

حضرت ابوبکر صدیقؓ[1]

خلیفہ اول کی ملاقات اپنے والد سے

حضرت ابوبکر صدیقؓ سنہ ۱۲ھ میں بہ ارادہ حج مکّہ تشریف لیگئے۔ آپکے والد قحافہؓ زندہ تھے جب آپ اپنے دروازہ کے نزدیک پہنچے۔ ابو قحافہ فرطِ محبت سے باوجود پیری کے ہڑبڑا کے اُٹھے۔ آپ اونٹنی کو جلد جلد بٹھا کر کود پڑے۔ اور دوڑ کر باپ سے لپٹ گئے۔ ابو قحافہؓ کی آنکھوں سے اشک مسرت جاری ہوگئے۔ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا۔ لوگوں نے خلافت کا اتنا بڑا بوجھ میرے کندھوں پر رکھدیا ہے۔ کہ جس کے وزن سے میں دبا جاتا ہوں۔ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنا فضل و کرم کرے۔ باپ ضعیف العمر ہے اور معمولی حالت میں ہے۔ بیٹا عرب و عجم اور ملک شام تک کا بادشاہ ہے۔ لاکھوں انسان اس پر جان فدا کرنے کو تیار ہیں۔ اس سے بھی بڑھکر خلیفہ رسول اللہ ہے لیکن کیا مجال کہ باپ کے ادب و احترام میں فرق آنے دے۔ کتنے لوگ ہیں جو رسول کریم کی سنت کی پیروی کر رہے ہیں۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے۔ کہ بعض لوگ ذرا سا عروج و ترقی حاصل کرنے پر اپنے غریب باپ اور رشتہ داروں کو اپنے بنگلوں میں بھی نہیں آنے دیتے۔ اور ان سے دربانوں کا سا بھی سلوک نہیں کرتے۔ بلکہ ان کو اپنا رشتہ دار ظاہر کرتے ہوئے بھی شرم محسوس کرتے ہیں۔

ظلم و ستم کی تحقیقات کا اعلان

اسی حج میں طواف کعبہ کے بعد آپ دار الندوہ میں گئے۔ اور فرمایا جس کو اپنے حق کا کچھ مطالبہ ہو یا کسی امر کے متعلق شکایت ہو۔ یا حاکم مکّہ نے کسی کے ساتھ سختی و جبر کیا ہو۔ وہ بے کھٹکے آئے۔ میں ذرا ذرا تحقیقات کروں گا۔

[1] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ اول کے متعلق جو واقعات میں نے لکھے ہیں۔ وہ شمس التواریخ جلد دوم سیرت صدیق سے لئے ہیں۔

ایثار صدیقی اسلام کیلئے

سنہ ۹ھ کا زمانہ رسول کریم اور تمام مسلمانوں کے لئے نہایت نازک تھا قیصر روم نے مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کا عزم بالجزم کر لیا تھا۔ اس موقعہ پر مسلمانوں نے بے سر و سامان لشکر کی درستی کے لئے باہم چندہ کیا حضرت عثمانؓ نے بہت کچھ نقد و جنس دیا حضرت عمرؓ نے اپنی ساری جایداد کا نصف اہل و عیال کے لئے رکھا۔ اور نصف اس کار خیر میں دیدیا اسی اثنار میں حضرت ابوبکر اپنا تمام مال و اسباب لیکر حاضر ہو گئے۔ رسول کریم نے فرمایا کچھ اہل و عیال کے لئے بھی رکھا۔ عرض کیا۔ ہاں خدا اور اس کا رسول۔ یہی میری جایداد اور یہی میرا ذخیرہ ہے۔ اور یہی اپنے لواحقین کے لئے چھوڑ آیا ہوں۔ ایثار کا اس سے زیادہ نمونہ اور کہاں ملیگا۔ آج کتنے مسلمان ہیں جو غنی ہیں اور صاحب توفیق۔ اور خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کر رہے ہیں۔

ترجمان حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال نے اس واقعہ کو ذیل کے اشعار میں نظم کیا ہے۔

اکدن رسول پاک نے اصحاب سے کہا — دیں مال راہ حق میں جو ہوں تم میں مالدار
ارشاد سنکے فرط طرب سے عمرؓ اٹھے — اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیق سے ضرور — بڑھکر رکھیگا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مال رسول خدا کے پاس — ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
پوچھا حضور سرور عالم نے اے عمرؓ — اے وہ کہ جوش حق سے ترے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا — مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گذار
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق — باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آگیا — شاہد ہے جس کی مہر و وفا پر حرا کی غار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت — ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
ملک یمین و درہم و دینار و رخت و جنس — اسپ قمر سم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضور چاہیئے فکر عیال بھی — کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر — اے تیری ذات باعث تکوین روزگار

پروانوں کو چراغ۔ عنادل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

سنت رسول صلعم کی پیروی

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد جب بعض مدعیان نبوت کی شورش اور مرتدین کے فتنوں سے سارے عرب میں ایک جوش پھیل گیا۔ اور لوگوں کی صلاح ہوئی کہ

رسول اللہ حکم اسامہ بن زید کو شام پر لشکر کشی کا دے چکے ہیں۔ اس کی تعمیل سر دست نہ کی جائے۔ کیونکہ اس نازک وقت میں مدینہ کا فوج سے خالی رہنا مصلحت کے خلاف ہے۔ آزادی و حریت کا زمانہ تھا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ بھی اپنی رائے کے اظہار میں آزاد تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق کہ اس زمانہ میں خلیفۃ المسلمین تھے کی خدمت میں لوگ حاضر ہوئے اور اپنا مطلب ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ تم کو مدینہ کے خالی ہو جانے کا خوف ہے اگر اس لشکر کے جانے سے مدینہ اتنا خالی ہو جائے کہ درندے آکے مجھے پھاڑ ڈالیں۔ تو بھی میں رسول کریم کے حکم کو منسوخ نہ کروں گا۔ یہ جرأت و استقلال دیکھ کے سب لوگ خاموش ہو گئے۔

مسلمانوں کو اسیران جنگ کتنے اچھا سلوک کرنے کا حکم

جب اسامہ بن زید روانہ ہونے لگے۔ تو آپ نے لشکر اسلام کو خطاب کر کے فرمایا دشمن کے خورد سال بچوں، عورتوں اور بوڑھے آدمیوں اور ان لوگوں کو ہرگز نہ ستانا جو عبادت خانوں کے متعلق ہوں۔ یا عبادت خانوں میں عبادت میں مشغول ہوں بلکہ ان کی خاطر و دلجوئی کرنا کسی حلال جانور کی مادہ کو ذبح نہ کرنا جب تک کہ بھوک سے تمہاری جان لبوں پر نہ آجائے سرسبز درختوں کو نہ کاٹنا اور نہ جلانا۔" اس زمانہ میں بھی لشکر اور فوجیں لڑائیوں میں جاتی ہیں۔ موجودہ عالمگیر جنگ یورپ ہی کو پیش نظر رکھو۔ مدعیان تہذیب نے کتنے عبادت خانے ڈھائے۔ کتنے مقدس مقامات تباہ کئے۔

غرض اسامہ کو سوار کرایا اور لشکر کو روانگی کا حکم دیا لشکر کو کچھ دور چھوڑنے کے لئے خود پا پیادہ روانہ ہوئے۔ اسامہ نے عرض کیا حضور بھی سوار ہو جائیں۔ ورنہ میں اتر پڑتا ہوں۔ اور حکم عدولی کی معافی چاہتا ہوں۔ فرمایا۔ ایسا ہرگز نہ کرنا میرے ملال کا باعث ہوگا۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ تم جو راہ خدا میں جہاد کے لئے جا رہے ہو۔ تمہارے ساتھ میں بھی خدا کی راہ میں چار قدم چلوں۔ اور ثواب کا مستحق قرار پاؤں۔

حضرت ابو بکر صدیق کو اپنی خلافت کے تیسرے سال (سنہ ۱۳ھ) میں شام پر فوجکشی کرنی پڑی۔ یزید ابن ابی سفیان فوج کے امیر مقرر کئے گئے۔ یہاں بھی یہی واقعہ ہوا۔ کہ آپ یزید بن ابی سفیان کو رخصت کرنے کے لئے ایک منزل تک پا پیادہ گئے۔ اور باوجود اس کے اصرار کے گھوڑے پر نہ چڑھے جب اس سے رخصت ہونے لگے۔ تو دشمن کے ساتھ سلوک کرنے کی حسب ذیل نصیحتیں کیں:-

"اپنے ساتھ والوں کا ہر وقت لحاظ رکھنا۔ معاملات میں انصاف سے درگذر نہ کرنا جو کام کرنا باہمی مشورہ سے کرنا جب فتحیاب ہو۔ بڈھوں کو تکلیف نہ دینا۔ اور عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرنا پھلدار درختوں کو برباد نہ کرنا۔ کھلیانوں میں آگ نہ لگانا۔ سب لوگوں کی جو کسی عبادت خانے

میں رہتے ہوں، عزت کرنا۔ اور پرانی عمارتوں کو ضرر نہ پہنچانا۔

ایفائے عہد کا ایک واقعہ

جب دمشق فتح ہو گیا۔ اور ابوعبیدہ بن الجراحؓ نے ایک عہدنامہ کے ذریعہ لوگوں کو امان دیدی اور جب خالد بن ولید نے جو اس حصۂ فوج کا افسر تھا عہدنامہ دیکھا۔ اور بعض شرطوں کو نامناسب پایا تو کہا بغیر میرے حکم کے عہدنامہ کیوں مکمل کیا گیا۔ میں کافروں کو پناہ نہیں دے سکتا۔ ابوعبیدہؓ نے سمجھایا کہ ابھی ہم کو بہت سی فتوحات حاصل کرنی ہیں۔ جب یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ مسلمان اپنے عہد کا پاس نہیں کرتے اور اپنے ماتحت افسروں کی بے وقعتی کرتے ہیں۔ تو اس کا بہت برا انجام ہوگا۔ آخر خالد خاموش ہو رہے۔ ٹامس عیسائیوں کا سرگروہ تھا۔ اس نے انطاکیہ جانے کی اجازت طلب کی خالد نے کہا جاؤ۔ لیکن سوائے کھانے کے اور کوئی چیز ہمراہ نہ لیجاؤ گے۔ ابوعبیدہ نے کہا۔ میں ان سے ان کے مال و اسباب کے امان کا بھی وعدہ کر چکا ہوں اس وعدہ کی پاسداری ضروری ہے۔

دشمن حق سے مسلمان کی قرابت کیسی؟

حضرت ابوبکر صدیق کے فرزند حضرت عبدالرحمان جنگ بدر سے پہلے حالت کفر میں تھے بلکہ جنگ بدر میں وہ دشمنوں کے ساتھ شامل تھے جب عین جنگ میں حضرت ابوبکر اپنے فرزند کی زد میں آگئے۔ تو محبت پدری نے جوش مارا اور حضرت عبدالرحمان نے اپنا رخ دوسری سمت کر لیا۔

صحابہ رسولؐ کی محفل گرم تھی۔ جنگ بدر کا ذکر چھڑا۔ تو حضرت عبدالرحمان نے جو اس وقت تک مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ اپنے جلیل القدر والد (حضرت ابوبکر) سے مندرجہ بالا واقعہ کا ذکر کیا آپ نے فرمایا اگر تم میری زد میں آجاتے۔ تو میں للّٰہیت کے مقابلہ میں محبت پدری کی کوئی پرواہ نہ کرتا۔ کیونکہ مسلمان حق کی اشاعت و تبلیغ کے لئے ہے نہ باطل سے ڈرنے اور تعلقات میں پھنسنے کے لئے۔

حافظ محمد اسلم صاحب جیراج پوری نے اس واقعہ کو نظم میں اس طرح قلمبند کیا ہے۔

پسر حضرت صدیق وہ عبدالرحمان	جو کہ تقوے میں تھے بےمثیل شجاعت میں مثل
مصر اور شام کی جنگوں میں کئے جو جو کام	زینت صفحۂ تاریخ ہیں ان کے وہ عمل
ہاتھ میں تیغ تھی یا برق پئے خرمن کفر	دیکھکر دل جسے کفار کے جاتے تھے دہل
سطوت حق کا زمانہ میں بھٹا یا سکہ	چمن دہر سے باطل کیا مستاصل
بدر تک ان کو نہ اسلام پہ آیا تھا یقین	تھے شریک صف اعدا وہ پئے جنگ و جدل
بعد ازاں لائے پھر اسلام وہ والا گوہر	نور توفیق الٰہی نے دکھائی مشعل

بزم اصحاب رسول عربی میں اک روز
غزوۂ بدر کا کچھ تذکرہ آیا جو نکل

بولے یہ حضرت صدیق سے عبدالرحمان
حملہ آور جو ہوئی بدر میں صف اول

ایک بار آپ وہاں آ گئے میری زد پر
سخت موقع تھا جو نیت میں کہیں آئے خلل

پاس ناموس حقوق پدری نے روکا
دوسری سمت کو رُخ اپنا لیا میں نے بدل

سُن کے یہ حضرت صدیق نے ارشاد کیا
راہ حق میں نہیں رشتہ کی رعایت کا محل

تو مری زد پہ جو آ جاتا تو نہ بچ سکتا
یہ مری تیغ تھی تیرے لئے پیغام اجل

دشمن حق سے مسلمان کی قرابت کیسی ؟
اس کا رشتہ ہے فقط حب خدا عز و جل

خلیفہ اول سے خلافت کے متعلق صحابہ کبار کی آزادانہ گفتگو

جب صدیق اکبر کو اپنی زندگی سے مایوسی ہو گئی اور علالت بہت بڑھ گئی تو خلافت کے متعلق صحابہ کبار سے مشورہ کیا۔ حالانکہ ان کے دو بیٹے عبدالرحمن اور محمد موجود تھے جن میں عبدالرحمان بڑے ہی شجاع اور جری تھے لیکن انہوں نے اپنے فرزندوں اور عزیزوں کو چھوڑ کر خلافت کے لئے مشورہ کرنا مناسب سمجھا۔ اور اپنا خیال عمر فاروق کے متعلق ظاہر کیا۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا عمرؓ کو جو کچھ آپ نے سمجھا ہے وہ اس سے بدرجہا زیادہ ہیں۔ مگر ان کے مزاج میں گرمی اور تشدد زیادہ ہے۔ یہ بہت بڑا نقص ہے۔ فرمایا یہ نقص صرف میری وجہ سے ہے جب میں نہ رہوں گا۔ تو یہ نقص بھی نہ رہے گا میں چونکہ نرمی برتتا تھا۔ اس لئے وہ سختی برتتے تھے جب خلافت کا بوجھ ان پر پڑے گا۔ وہ خودبخود نرم ہو جائیں گے حضرت عثمان بن عفان نے آپ کی تائید کی طلحہ بن عبیداللہ نے کہا اے خلیفہ رسول اللہ آپ عمر کے غصہ کو جان بوجھکر انہیں ہم پر خلیفہ کئے دیتے ہیں جب لوگ ان کے غصہ سے تکلیف اٹھائیں گے۔ تو اس کی جوابدہی قیامت کے دن آپکے سر پر ہوگی۔ اچھی طرح سوچئے۔ اور ایسا غضب ڈھا کے دنیا سے تشریف نہ لیجائیے۔ فرمایا تم نے تو مجھے ایسا ڈرایا ہے کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ سن لو کہ اگر خدا قیامت کے دن اس بابمیں مجھ سے کچھ پوچھیگا۔ تو میں یہی جواب دوں گا یاالہ العالمین میں نے نیک نیتی کے ساتھ تیرے بندوں پر ایسا خلیفہ کیا جو سب سے بہتر تھا یہی وہ اختلاف رائے ہے جو رحمت کا باعث ہوا کرتا ہے۔

قرض سے سبکدوش ہونا نہایت ضروری ہے

معیقب صدیق اکبر کے اخراجات کا وکیل تھا۔ مرض الموت میں وہ بھی خبر کو گیا۔ فرمایا بتاؤ ہمارا تمہارا حساب کیسے ہے۔ کہا آپ میرے ۲۵ درہم

کے قرضدار ہیں۔ مگر میں نے اپنی خوشی سے یہ قرض معاف کیا۔ فرمایا میں نہیں چاہتا کہ دنیا سے قرض کا بوجھ لیکر جاؤں۔ کہا حضور میں تو اس زیارت کو آخری دیدار سمجھ رہا ہوں۔ ۲۵ درہم کے لئے مجھکو محجوب نہ کیجئے۔ کیا میرا اتنا بھی اعتبار نہیں۔ کہ میں نے دل سے ایک خفیف سی رقم چھوڑ دی ہے۔ فرمایا۔ یہ سب سچ ہے۔ مگر جس ملک میں مَیں جا رہا ہوں۔ وہاں کا توشہ اور زاد راہ اسی طرح تیار کیا جاتا ہے۔ کہ کسی کا حق لیکر وہاں نہ جانا چاہئے۔ یہ کہکر آپ نے عائشہ صدیقہ (اپنی بیٹی) سے ۲۵ درہم منگوا لئے اور معیقب کو دیدیئے۔

اسلام کے خلیفہ اول کی تنخواہ

مسلمانوں کے سب سے پہلے خلیفہ اور امیر المومنین کی تنخواہ بھی سن لو حضرت ابوبکر صدیق قبل از خلافت سوداگری کرتے تھے جب آپ خلیفہ ہو گئے۔ تو فاروق اعظم اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے کہا اب آپ مسلمانوں کے سر دار ہو گئے ہیں اس پیشہ کو جاری نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ اس سے کاروبار سلطنت میں ہرج ہوتا ہے۔ فرمایا پھر میرے بال بچے کیا کھائیں گے انہوں نے عرض کیا کہ مجلس شوریٰ میں جو فیصلہ ہو۔ اس پر آپ کو عمل کرنا ہوگا۔ چنانچہ جملہ اصحاب کبار کے مشورہ سے ابتدا میں ۲ یا ۲½ ہزار درہم سالانہ گذارہ کے لئے بیت المال سے مقرر ہوئے۔ جو آپکی وفات تک چھ ہزار کی تعداد تک پہنچ گئے تھے۔ ایک ہزار درہم کا وزن ایک سو بیالیس تولہ ۲½ ماشہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس حساب سے آپ کا وظیفہ گیارہ سو روپیہ سالانہ کے قریب تھا۔

منصفانہ اور آزادانہ فیصلہ

حضرت عمرؓ کی ایک بیوی جمیلہ تھیں۔ عاصم انہی کے بطن سے تھے۔ عاصم ابھی صغیر سن ہی تھے۔ کہ کسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے ان کو طلاق دیدی۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کا زمانہ تھا۔ اور حضرت عمرؓ قبا سے جہاں پہلے رہتے تھے۔ اٹھکر مدینہ میں آ گئے تھے۔ ایکدن اتفاق سے قبا کی جانب جا نکلے۔ عاصم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت عمر نے ان کو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا اور ساتھ لیجانا چاہا۔ وہ آئیں اور مزاحم ہوئیں۔ کہ میرا لڑکا ہے میں اپنے ساتھ رکھوں گی۔ جھگڑے نے طول کھینچا۔ حضرت ابوبکر امیر المومنین کے ہاں معاملہ گیا۔ آپ نے حضرت عمر کے خلاف فیصلہ کیا۔ اور وہ مجبور ہو کر رہ گئے۔ ایک معمولی عورت کے مقابلہ میں حضرت عمر جیسے مشیر اسلام کو شکست ہو جائے اس سے بڑھکے مساوات اور منصفانہ فیصلوں کی نظیریں کہاں ملیں گی۔

حضرت ابوایوب انصاری کا ایک حدیث کے ماننے سے انکار

صحیح بخاری (باب صلوٰۃ النوافل جماعۃ) میں ہے کہ محمود بن ربیع نے ایک جلسہ میں یہ حدیث آنحضرت کی بیان کی۔ کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جو شخص خالصاً خدا کے لئے لا الٰہ الا اللہ کہے گا۔ خدا اس پر آگ حرام کر دے گا۔ اس جلسہ میں

حضرت ابوایوب انصاری بھی موجود تھے۔ جن کے مکان میں آنحضرت نے سات مہینے تک قیام فرمایا تھا۔ حضرت ابوایوب نے یہ حدیث سُنکر کہا "واللہ ما اظن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما قلت قط" (خدا کی قسم میں کبھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ جو تم کہتے ہو۔ آنحضرت نے فرمایا ہوگا) محمود بن الربیع صحابی تھے۔ اور حضرت ابوایوب کو ان کے ثقہ ہونے میں کلام نہ تھا۔ تاہم چونکہ یہ حدیث ان کے نزدیک قرائن کے خلاف تھی حضرت ابوایوب اس پر یقین نہ لاسکے۔ حضرت ابوایوب خدانخواستہ محمود کو غلط گو نہیں سمجھتے تھے۔ البتہ یہ سمجھتے تھے۔ کہ انہوں نے روایت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہوگی (اور اسی لئے بلا جھجک جرأت کیساتھ اپنے شبہ کو ظاہر کردیا)

حضرت عائشہ کا ایک حدیث کی صحت سے انکار

حضرت عائشہ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی۔ کہ لوگوں کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے۔ تو انہوں نے اس بنا پر انکار کیا۔ کہ یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" (اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) اسی طرح جب انکے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی۔ کہ آنحضرت نے کشتگان بدر کی نسبت فرمایا کہ میں جو کہتا ہوں یہ سنتے ہیں حضرت عائشہ نے فرمایا کہ ابن عمر نے غلطی کی اس روایت کے راوی اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمر تھے۔ جو مشہور صحابی ہیں لیکن حضرت عائشہ نے اس بنا پر روایت کی صحت سے انکار کیا کہ ان کے نزدیک وہ روایت قرآن مجید کے خلاف تھی[۲]

فصل دوم

حضرت عمرؓ فاروق

حضرت عبدالرحمان بن عوف کا حضرت عمر فاروق کی رائے سے اختلاف

فتوحات عراق کی ابتدا تھی کہ حضرت عمرؓ (۱۳ھ) میں مسند خلافت پر بیٹھے۔ ابو عبید ثقفی کو ایک حصہ فوج کا سپہ سالار مقرر کیا بعض صحابہ کو ابو عبید کے صحابی نہ ہونے کی وجہ سے ان کی افسری ناگوار معلوم ہوئی۔ آخر ایک شخص نے بڑھکر کہہ ہی دیا کہ فوج میں سینکڑوں صحابی ہیں۔ اس لئے ان کا افسر بھی صحابی ہی ہو سکتا ہے۔ ابو عبید نے جو قبیلہ ثقیف کے سردار تھے۔ چونکہ نہایت جوش اور دلیری سے مجمع عام میں اپنے آپ کو مجاہد کے

[۱] سیرۃ نبوی مولانا شبلی، حصہ اول صفحہ ۵۲ [۲] سیرۃ نبوی مولانا شبلی، حصہ اول صفحہ ۵۳

طور پر پیش کیا تھا۔ اس لئے حضرت عمر نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا تم کو جو شرف تھا۔ وہ ہمت و استقلال کی وجہ سے تھا۔ وہ شرف تم نے کھو دیا۔ اب یہ تو مشکل ہے۔ کہ جو لوگ افسری کے قابل بھی ہوں اور لڑنے سے جی بھی نہ چرائیں۔ ان کو خدمات سے محروم رکھا جائے۔ ادہر ابو عبید کو ہدایت کی کہ خبردار ان کا ادب و احترام ملحوظ رہے اور بغیر ان کے مشورہ کے کوئی کام نہ کیا جائے۔

ابو عبید کی فراخدلی مساوات کی پابندی اور اپنے عہدہ کے امتیاز سے ان کی بے پروائی دیکھو کہ جب ایک ایرانی افسر نرسی کو شکست ہوئی۔ اور ایران کی چار ریاستوں (فرخ۔ فراوندا۔ چوبار دسما۔ اور زوابی) کے رئیس مطیع ہو گئے۔ انہوں نے بطور اظہار خلوص ابو عبید کے لئے عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے۔ ابو عبید نے کہا یہ سامان کل فوج کے لئے ہے یا صرف میرے لئے۔ فرخ کے رئیس نے کہا اس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام نہیں ہو سکتا۔ آپ نے دعوت کو شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا اور کہا مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔

ابو عبید کی شہادت کے بعد (سنہ ۱۴ھ میں) حضرت عمر خود سپہ سالار بنے۔ سب نے مرنے مارنے پر کمریں باندھ لیں۔ چونکہ امیر المومنین کا خود معرکۂ جنگ میں جانا بعض مصلحتوں کے لحاظ سے نامناسب تھا۔ لیکن حضرت عمر کے رعب و داب سے کوئی زبان نہ کھول سکتا تھا۔ یہانتک کہ جب خود حضرت عمر نے پہلی منزل (صرار جو مدینہ سے تین میل پر ایک چشمہ ہے) پر پہنچکر مجلس شوریٰ قائم کی۔ تو سب نے کہا۔ کہ امیر المومنین یہ مہم آپکے بغیر سر نہ ہوگی۔ لیکن عبدالرحمان بن عوف (اور ان کے بعد اور کئی صحابیوں) نے عام لوگوں اور حضرت امیر المومنین کے خلاف رائے دی اور کہا لڑائی کے دونوں پہلو ہیں۔ اگر خدانخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو کچھہ صدمہ پہنچا۔ تو پہر اسلام کا خاتمہ ہے جب چاروں طرف سے اسکی تائید ہوئی۔ تو آخر سعد بن ابی وقاص کو یہ مہم سپرد کی گئی۔

مسلمانوں نے عیسائیوں کو جزیہ کی رقم واپس کر دی حمص (شام) کے عیسائیوں کو جان و مال کی حفاظت کی امان دی جا چکی تھی۔ کہ رومیوں نے اپنے بادشاہ ہرقل کو اپنی پامالیوں اور مسلمانوں کی بہادریوں کے کارنامے سنا سنا کر مہم عظیم پر آمادہ کر دیا جب مسلمانوں کو معلوم ہوا۔ کہ ہمارے مقابلہ میں فوجوں کا ایک طوفان امڈ آیا ہے۔ تو حضرت ابو عبیدہ نے جو اسلام کے سپہ سالار تھے۔ اس خیال سے کہ مبادا حمص کے عیسائی ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر قیصر کے حوالے کر دیں یا بوجہ تعصب مار ڈالیں۔ اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا۔ کہ عیسائیوں کو شہر سے نکالدینا چاہیئے۔ شرجیل بن حسنہ نے کہا۔ ہر شخص کا حق ہے۔ کہ آزادی

ؔ حضرت عمر فاروق خلیفہ دوم کے حالات و واقعات شمس التواریخ مطبوعہ آگرہ جلد سوم "خلافت فاروق" اور "الفاروق" ولفہ مولانا شبلی اور شمشیر اسلام یعنی سوانحعمری خالد بن ولید اور متفرق کتب و رسایل سے لئے گئے ہیں۔

سے اپنا خیال ظاہر کرے۔ اس لئے میرے خیال میں آپ کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں ہے۔ کہ جن کے اطمینان وامن کا ہم نے ذمہ لیا ہے۔ ان سے نقض عہد کریں۔ حضرت ابو عبیدہ نے تمام مجلس میں نہ صرف اپنی غلطی کو تسلیم کیا۔ بلکہ جب مسلمان حمص سے روانہ ہونے لگے۔ تو آپ نے حبیب بن مسلمہ افسر خزانہ کو حکم دیا کہ ہم ان عیسائیوں سے جزیہ یا خراج اس وجہ سے لیتے تھے۔ کہ ہم ان کو دشمنوں سے بچا سکیں گے اور اس وقت چونکہ ہماری حالت ایسی نازک ہے۔ کہ ہم ان کی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے۔ ان کو واپس دیدو۔ اور کہدو کہ ہم چونکہ سردست تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔ اس لئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے۔ واپس کیا جاتا ہے۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور عیسائی اس واقعہ سے نہایت متاثر ہوئے۔ یہ واقعہ ۱۵ھ کا ہے۔

فوجی افسروں اور عام فوجی سپاہیوں کے ساتھ یکساں سلوک!

فتح بیت المقدس (۱۶ھ) کے بعد جب حضرت عمر مع افسران فوج و عمال شہر میں داخل ہوئے۔ اور کئی دن تک قیام کیا تو حضرت بلال (رسول اللہ کے موذن) نے یہ دیکھ کر افسر تو گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں اور عام سپاہیوں کو معمولی کھانا بھی نہیں نصیب ہوتا حضرت عمر سے شکایت کی۔ چونکہ افسران فوج سامنے موجود تھے۔ آپ نے نگاہ غضب سے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے عرض کیا جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے حضرت عمر نے اس معقول جواب پر زیادہ گفت و شنید مناسب نہ سمجھی لیکن یہ حکم دیدیا کہ ہر سپاہی کو علاوہ تنخواہ اور مال غنیمت کے کھانا بھی پکا پکایا ملا کرے۔

میں دن کو سوؤنگا تو خلافت کا بار کون اٹھائے گا؟

فتح اسکندریہ (۲۰ھ) کی خبر لیکر جب ایک قاصد مدینہ میں آیا۔ تو اس نے اس خیال سے کہ دوپہر کا وقت ہے۔ امیر المومنین آرام فرما رہے ہوں گے۔ ذرا دم لینے کے لئے بارگاہ خلافت کی بجائے مسجد نبوی کا رخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمر کی ایک لونڈی بھی وہاں آنکلی۔ باتوں باتوں میں جب معلوم ہوا کہ وہ اسکندریہ سے آیا ہے اس نے اسی وقت جاکے خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی۔ کہ چلو تم کو امیر المومنین بلاتے ہیں حضرت عمر نے فتح کا حال سنکر سجدہ شکر ادا کیا۔ اور جو حاضر تھا مہمان کے آگے رکھا۔ اور کہا تم سیدھے یہاں کیوں نہ چلے آئے۔ قاصد (معاویہ بن خدیج) نے کہا۔ میں نے خیال کیا یہ آرام کا وقت ہے شاید آپ سوتے ہوں۔ فرمایا۔ افسوس تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے۔ میں دن کو سوؤنگا۔ تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا۔

گورنر کوفہ کی معزولی حضرت عمرؓ کے حکم سے

سعد بن ابی وقاص بڑے رتبہ کے صحابی اور نوشیروانی پایہ تخت کے فاتح تھے حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر کر دیا تھا۔ لیکن جب لوگوں نے ان کی بعض بے اعتدالیوں کی شکایت کی تو بلا توقف معزول کر دیا۔ سعد بن ابی وقاص کے متعلق تاریخ ابن اثیر جلد ۲ میں ذکر ہے کہ جب خلیفہ ثانی ان کو جنگ ایران کا سپہ سالار بنا کر روانہ کرنے لگے۔ تو فرمایا اس خیال میں نہ رہنا کہ لوگ تمہیں رسول خدا (صلعم) کا ماموں اور صحابی کہتے ہیں۔ یاد رکھو خدا کے نزدیک تمام انسان برابر ہیں

حضرت عمرؓ کا فرمان کہ جب چاہو مجھ سے بیت المال کا حساب لے سکتے ہو

حضرت عمرؓ مسلمانوں کے بادشاہ تھے لیکن اپنے طریق عمل سے انہوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے اور ان کے کیا اختیارات ہیں۔ ایک موقعہ پر انہوں نے اپنی تعلقات پر ایک تقریر بھی کی جس کے بعض فقرے حسب ذیل ہیں:۔ "مجھکو تمہارے مال (یعنی بیت المال) میں اسیقدر تصرف ہے جس قدر یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں۔ اگر میں دولت مند ہوں۔ تو میں کچھ نہ لونگا اور اگر ضرورت پڑے تو دستور کے موافق کھانے کے لئے لونگا۔ تمہارا حق ہے کہ ان امور کا مجھ سے مواخذہ کرو۔ (۱) ملک کا خراج اور مال غنیمت بیجا طور پر جمع نہ کیا جائے (۲) اور بیجا طور پر صرف نہ ہونے پائے (۳) تمہارے روزینے بڑھاؤ (۴) سرحدوں کو محفوظ رکھو (۵) اور تمکو خطرہ میں نہ ڈالو"

بیت المقدس میں بادشاہ اسلام کا پاپیادہ داخلہ

فتح بیت المقدس کے بعد جب حضرت عمرؓ شہر کے قریب آئے اور جب حضرت ابوعبیدہ اور سرداران فوج استقبال کو نکلے اور دیکھا کہ مسلمانوں کا بادشاہ جس کے نام کے غلغلہ سے روم و شام کانپ رہے ہیں۔ بالکل معمولی لباس پہنے پاپیادہ آرہے ہیں۔ تو ان کو محض اس خیال سے شرم معلوم ہوئی۔ کہ ہمارے بادشاہ کو دیکھکر عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے۔ چنانچہ ایک اعلیٰ ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کی گئی۔ آپ نے فرمایا خدا نے ہمکو جو عزت دی ہے وہ صرف اسلام کی وجہ سے دی ہے اور وہی عزت ہمارے لئے کافی ہے

مولانا سید حسن مرتضےٰ صاحب شفق عمادپوری نے عہد خلافت راشدہ کے اس اسوۂ حسنہ کو ذیل کی نظم میں لکھا ہے۔

لہ اس کا ذکر طبقات ابن سعد جلد ۳ میں بھی ہے الفاظ ذیل ہے :۔ "اگر مجھے ضرورت نہ ہوئی۔ تو بیت المال سے نہ لونگا اگر ضرورت ہوئی تو مناسب اندازہ سے لونگا اور پھر ادا کر دونگا"۔ ابن سعد کی اسی جلد میں ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے خلیفہ ہو کر فرمایا عمرؓ کیلئے بیت المال سے صرف اتنا جائز ہے کہ دو کپڑے جاڑے گرمی کیلئے لیلے اور حج وغیرہ کیلئے سواری اور اپنے اہل و عیال کا خرچ قریش کے ایک اوسط درجہ کے آدمی کے خرچ کے برابر لیا کرے۔

عہد فاروق میں جب فتح ہوا شام کا ملک
عامل رایت نصرت ہوئی جانباز سپاہ
عہد تثلیث کا قبلہ تھا جو "بیت اقدس"
شرک کو آ کے وہاں بھی نہ ملی جائے پناہ
جھک پڑی ہیبت اسلام سے سجدے کو صلیب
ہوا توحید کا خود خانۂ قدوس گواہ
جلوۂ حق سے ہوئی ظلمت باطل کافور
چہرۂ ظلم ہوا عدل کی دہشت سے سیاہ
رعب سے دبکے ہوئے صلح کے خواہاں آخر
شیر کے حملوں کی جب تاب نہ لائے روباہ

دی خبر حضرت فاروق کو اصحاب نے یہ
لائیں تشریف یہاں آپ بصد عظمت و جاہ
اس طرح بے سر و سامان وہ چلے جانب شام
کہ کہاں جاتے ہیں یہ بھی نہ تھے اکثر آگاہ
چلتے چلتے جو قریب آ گیا بیت المقدس
اونٹ منزل کا تھکا ماندہ نہ چل سکتا تھا راہ
جسم اطہر میں ادھر ایک عبا پارینہ
اور ادھر ہوم تھی آتا ہے مسلمانوں کا شاہ
لوگ پوشاک نئی لائے بدلنے کے لئے
نہ جچی نظروں میں وہ فقر تھا منظور نگاہ

اب تو وہ ذوق خود آرائی و خود بینی ہے
لذت نفس کے پیچھے ہیں مسلمان تباہ
کھو گئے جتنے تھے اخلاق حمیدہ ہم میں
اب کہاں صدق کہاں عدل کہاں خوف اله
کون تھے آئے تھے کس کام کو کیا اس کی خبر؟
کیا تھے کیا ہو گئے؟ اس کو بھی نہیں جانتے آہ
خو کہاں کی کہ نہیں بو بھی شفق وہ باقی
اور اس پر بھی ابھی زندہ ہیں اناللہ

اعلیٰ عہدہ داروں کا تنخواہیں لینے سے انکار

اللہ اکبر کیسا زمانہ تھا کہ لوگ خصوصاً صاحب استطاعت کسی خدمت کے معاوضہ میں تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں اس خیال سے کہ یہ امر تمدن اور اصول انتظام کے خلاف ہے۔ ذمہ دار افسروں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں۔ تاکہ ان کو بددیانتی یا لوٹ مار کی گنجائش نہ رہے۔ تاہم کئی ایسے خدا کے بندے تھے۔ جنہوں نے محض خدا کی خاطر کسی قسم کا حق الخدمت لینے سے انکار کر دیا اور اخیر دم تک اپنا دامن آلودہ نہ ہونے دیا۔ حضرت ابوعبیدہ سپہ سالار نے حضرت عمر کے بار بار کے اصرار اور آخر میں ان کی ناراضگی کے خوف سے اپنی رضامندی ظاہر کی لیکن حکیم بن خرام نے حضرت عمر کے بار بار اصرار پر بھی کچھ لینا گوارا نہ کیا۔

حضرت عمرؓ کی ہدایات اپنے گورنروں کو

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا۔ اس کو ایک فرمان ملتا تھا جس میں اس کی تقرری و اختیارات کے علاوہ اس کے فرائض کا ذکر بھی ہوتا تھا۔ اور عامل کا فرض تھا کہ اپنے ہیڈ کوارٹر پر تمام لوگوں کو جمع کر کے فرمان سنائے۔ تاکہ لوگ اس کے فرائض سے بھی آگاہ ہو جائیں اور جب وہ اپنے اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھے۔ تو اس کو روک دیا جائے۔ ایک خطبہ میں حضرت عمرؓ نے عاملوں کو خطاب کر کے کہا۔ "میں نے تم لوگوں کو رعایا پر سخت گیر اور جابر حاکم بنا کر نہیں بھیجا بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے تاکہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ تم ان کے حقوق ادا کرو اور ان کو ذلیل نہ کرو۔ اور ان کی بیجا تعریف سے ان کو غلطی میں نہ ڈالو۔ ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ رکھو (حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ کوئی گورنر یا والی یا دوسرا حاکم اپنے دربان نہ رکھے) ورنہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں گے۔ اپنے آپ کو کسی بات میں ان سے ترجیح نہ دو۔ کہ یہ ان پر سراسر ظلم ہے"۔ ایک مرتبہ فرمایا جو لوگ ہمارے قریب ہیں ان کے معاملات تو ہم خود انجام دیں گے لیکن جو لوگ دور رہتے ہیں ان پر اہل قوت اور اہل امانت کو مقرر کر کے بھیجیں گے۔ جو اچھے طریقہ پر چلیگا۔ اس کے ساتھ ہم بھی اچھا سلوک کریں گے۔ اور جو بے انصافی کریگا۔ اسے ہم سزا دیں گے (طبقات ابن سعد جلد ۳)

امیر المومنین حضرت عمرؓ عدالت کے کمرہ میں!

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے۔ یعنی عدالت کے کمرہ میں امیر و غریب شاہ و گدا سب برابر ہونے چاہئیں۔ زید بن ثابت کی عدالت میں ایک شخص اُبی نے حضرت عمرؓ پر کوئی مقدمہ دائر کر دیا۔ آپ عدالت میں گئے، زید نے تعظیم دی۔ فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہکر جہاں اُبی تھا وہاں بیٹھ گئے۔ اُبی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ اور حضرت عمرؓ کو دعوے سے انکار تھا۔ اُبی نے قاعدہ کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید نے ان کے رتبہ کا پاس کر کے اُبی سے درخواست کی۔ کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو حضرت عمرؓ اس طرفداری پر ناراض ہوئے اور فرمایا جب تک تمہارے نزدیک آدمی اور عمرؓ دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔ اس مساوات فاروقی کا ذکر ذیل کی نظم میں ادا کیا گیا ہے ؎

امیر المومنین حضرت عمرؓ کے عہد میں اک دن
کیا دعوےٰ اُبی نے آپ پر دائر عدالت میں

قضا کے منصب عالی پہ مامور ابن ثابت تھے
انہوں نے حاضری کا حکم بھیجا انکی خدمت میں

ہوئے حاضر وہاں۔ تو زید نے تعظیم دی انکو
کہا حضرت عمرؓ نے یہ نہیں جائز شریعت میں

خطا پہلے تمہاری تو یہی ہے ابن ثابت ہے
کہ غفلت عدل کی آگئے رعب خلافت میں

یہ فرما کر اُبی کے پاس ہی وہ خود بھی جا بیٹھے
تھا دعوےٰ بے دلیل ان کا نہیں انکار دعوے سے
ادب ملحوظ امیر المومنین کا تھا جو قاضی کو
جبین عدل فاروقی پہ بل پڑنے لگے فوراً
قسم دیتے نہیں منکر کو اس کا تم کو کیا حق ہے؟
تمہاری ہے یہی حالت اگر بے جا حمایت کی
یہی وہ اسوۂ فاروق اعظم ہے کہ اک عالم
نظر ڈالو تعمق سے ذرا تاریخ عالم پر

کر دخل نہیں مساوات آپ کی عادت میں طینت میں
قسم دیں ان کو یہ سوچا اُبی نے ایسی صورت میں
کہا ایسی نہ گستاخی کرو حضرت کی خدمت میں
کہا اے زید تم حق پر نہیں ہو اس رعایت میں
خطا یہ دوسری سرزد ہوئی تم سے عدالت میں
تو اس منصب کے تم قابل نہیں ہو ایسی صورت میں
مثالیں اس کی سُن کر غرق ہو دریائے حیرت میں
نظیر اس کی نہیں ملتی مساوات و عدالت میں

حضرت عمرؓ کا ارشاد کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے

حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر تحریر و تقریر سے جتا دیا ہے کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اور ادنےٰ سے ادنےٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عمرو بن العاص گورنر مصر کے فرزند معزز نے ایک قبطی کو بے وجہ مارا۔ آپ نے اسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں اسے سزا دلوائی اور عمرو بن العاص اور اس کے بیٹے سے کہا "تم لوگوں نے آدمیوں کو غلام کب سے بنا لیا۔ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا"۔ ایک دفعہ آپ نے بر سر منبر کہا۔ کہ اگر میں دنیا کی طرف ذرا جھک جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا۔ اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا۔ تمہارا سر اڑا دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا۔ کچھ خبر ہے کس کی شان میں یہ الفاظ کہہ رہے ہو۔ اس نے کہا ہاں ہاں تمہاری شان میں۔ حضرت عمرؓ نے کہا الحمد للہ ایسے لوگ مسلمانوں میں موجود ہیں کہ میں ٹیڑھے راہ چلوں گا۔ تو وہ مجھکو سیدھا کر دیں گے۔ فتح عراق کے بعد اکثر مسلمانوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے حذیفہ بن الیمان کو لکھا۔ مجھے یہ امر ناپسند ہے انہوں نے جواب میں لکھا کہ یہ حکم آپ کا ذاتی ہے یا شرعی؟ آپ نے لکھا میری ذاتی رائے ہے جواب آیا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضرور نہیں ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے تمام عاملوں کا مال و اسباب نیلام کر کے آدھا بیت المال میں داخل کر دیا۔ ایک عامل (ابوبکرہ) نے جرأت کر کے لکھا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا۔ تو سارا ہی بیت المال میں داخل کرنا چاہئے تھا۔ اگر یہ مال ہمارا تھا۔ تو اسمیں سے تم کو لینے کا کیا حق تھا؟

ایک موقعہ پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا اے عمر خدا سے ڈر۔ ایک

شخص نے اس کو جھڑکا آپ نے فرمایا "کہنے دو" اگر یہ لوگ نہ کہیں تو بے مصرف ہیں اور اگر ہم لوگ نہ مانیں تو ہم
آپ کے طریق عمل نے لوگوں کو آزادی اور صاف گوئی پر دلیر کر دیا تھا۔ اور بعض تو حد ادب سے
بھی بڑھ جاتے تھے عمرو بن العاص گورنر مصر کو ایک مرتبہ خراج وقت پر نہ بھیجنے کی باز پرس کی۔
انہوں نے کہا خدا کی قدرت ہے۔ ایام جاہلیت میں جب میرا باپ کمخواب کی قبا زیب بدن کرتا تھا تو
عمر کے والد خطاب سر پر لکڑی کا گٹھ لادے پھرتے تھے۔ آج اسی خطاب کا بیٹا حکومت جگا رہا ہے
ایک مرتبہ شام کے سفر سے واپس آرہے تھے۔ راہ میں ایک خیمہ کے پاس ایک بڑھیا کو دیکھا۔ اسکے
پاس گئے۔ پوچھا عمر کا کچھ حال معلوم ہے۔ کہا ہاں شام سے روانہ ہو چکا۔ لیکن خدا اس کو غارت کرے
کبھی میرا حال نہ پوچھا۔ فرمایا اتنی دور کا حال عمر کو کس طرح معلوم ہو سکتا ہے۔ بولی رعایا کا حال
اس کو معلوم نہیں۔ تو خلافت کا بوجھ کیوں اٹھایا ہے۔ حضرت عمر کو یہ سُنکر سخت رقت ہوئی۔
دیر تک متاثر رہے اور اس کی ضروریات کے بہم پہنچانے کا انتظام فرمایا۔

چادروں کی تقسیم کا مشہور واقعہ ایک دفعہ حضرت فاروق ممبر پر کھڑے ہوئے اور کہا اے لوگو سنو! ابھی یہیں
تک کہنے پائے تھے کہ ایک شخص نے اٹھکر کہا ہم نہ سنیں گے نہ مانیں گے۔ سبب
پوچھا تو کہا۔ مال غنیمت میں جو چادریں آئی تھیں۔ وہ سب کو حصہ رسدی تقسیم ہو گئیں۔ لیکن آپ کے بدن
پر ایک کرتہ ہے ایک چادر ہے۔ اور کرتہ جو ہے وہ بھی چادر ہی کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے جب تک آپ یہ
نہ بتائیں کہ اس قدر کپڑا آپ نے کہاں سے لیا ہے۔ اور حصہ سے زیادہ کیوں لیا ہے۔ ہم نہ آپ کی بات
مانیں گے نہ سُنیں گے۔ آپ نے اپنے فرزند عبداللہ بن عمر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کھڑے ہوئے اور کہا۔
یہ صحیح ہے کہ سب کو ایک ہی چادر ملی ہے۔ امیر المومنین نے بھی ایک ہی چادر لی ہے۔ لیکن کرتہ جس
چادر کا بنا ہے۔ وہ میرے حصہ کی چادر ہے۔ معترض نے جب یہ سُنا۔ تو کہا ہاں فرمائیے۔ ہم سننے اور
سنکر عمل کرنے کو تیار ہیں[1]

مولانا شبلی مرحوم نے اسی واقعہ کو ذیل کی نظم میں کس خوبصورتی سے لکھا ہے۔

ایک دن حضرت فاروق نے ممبر پہ کہا — میں تمہیں حکم جو کچھ دوں تو کروگے منظور
ایک نے اٹھکے کہا یہ کہ نہ مانیں گے کبھی — کہ ترے عدل میں ہمکو نظر آتا ہے فتور
چادریں مال غنیمت میں جو اب کے آئیں — صحن مسجد میں وہ تقسیم ہوئیں سب کے حضور
اُن میں ہر اک کے حصہ میں فقط اک آئی — تھا تمہارا بھی وہی حق کہ یہی ہے دستور

---

[1] ریاض النظرۃ جلد ۲ میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں ایک کرتہ اور ایک چادر کی بجائے دو چادریں لکھا ہے۔ اور معترض کا نام حضرت سلمان لکھا درج ہے۔

اب جو یہ جسم پہ تیرے نظر آتا ہے لباس ۔۔۔ یہ اسی لوٹ کی چادر سے بنا ہوگا ضرور
مختصر تھی وہ ردا اور ترا قد ہے دراز ۔۔۔ ایک چادر میں ترا جسم نہ ہوگا مستور
اپنے حصہ سے زیادہ جو لیا تو نے اب ۔۔۔ تو خلافت کے نہ قابل ہے نہ ہم ہیں مامور

گرچہ وہ حد مناسب سے بڑھا جاتا تھا ۔۔۔ سب کے سب مہر بہ لب تھے چہ اناث وچہ ذکور
روک دے کوئی کسی کو یہ نہ رکھتا تھا مجال ۔۔۔ نشۂ عدل و مساوات سے سب تھے، مخمور
اپنے فرزند سے فاروق معظم نے کہا ۔۔۔ تم کو ہے حالت اصلی کی حقیقت پہ عبور
تمہیں دے سکتے ہو اس کا مری جانب سے جواب ۔۔۔ کہ نہ پکڑے مجھے محشر میں مرا رب غفور

بولے یہ ابن عمر سب سے مخاطب ہو کر ۔۔۔ اس میں کچھ والد ماجد کا نہیں جرم و قصور
ایک چادر میں جو پورا نہ ہوا ان کا لباس ۔۔۔ کرسکی اس کو گوارا نہ مری طبع غیور!
اپنے حصے کی بھی میں نے انہیں چادر دیدی ۔۔۔ واقعہ کی یہ حقیقت ہے کہ جو تھی مستور
نکتہ چین نے یہ کہا اٹھکے کہ ہاں اے فاروقؓ ۔۔۔ حکم دے ہمکو کہ اب ہم اسے مانیں گے ضرور

حضرت خالد کی گفتگو اپنی معزولی پر حضرت عمر سے

حضرت خالد سیف اللہ سپہ سالار اسلام ملک پر ملک فتح کرتے جاتے ہیں۔ اسلام بڑھتی دولت کی طرح ترقی کرتا جاتا ہے یہ ۱۳ھ کا زمانہ ہے۔ حضرت عمر فاروق عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی خالد کی معزولی کا حکم دیتے ہیں۔ اور یہ حکم خالد کو اس وقت پہنچا ہے جبکہ وہ جنگ میں مصروف ہیں حضرت خالد اتنا بڑا سپہ سالار کہ تمام بادشاہ اس کے نام سے کانپتے تھے بلا چون وچرا اس حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ حضرت خالد نے حمص میں پہنچکر ایک تقریر کے دوران میں کہا۔ امیر المومنین عمرؓ نے مجکو شام کا افسر مقرر کیا۔ اور جب میں نے سارے شام کو زیر کر لیا۔ تو مجھے معزول فرمادیا۔ یہ سنتے ہی ایک شخص نے مجلس میں سے اٹھکر کہا۔ اے سردار خاموش کہ ان باتوں کے اظہار سے فتنہ کا اندیشہ ہے۔ آپ نے کہا بیشک۔ لیکن اس فتنہ کو دبانے کے لئے امیر المومنین عمرؓ کافی ہیں۔ غرض جب خالد مدینہ آئے تو عرض کیا امیر المومنین! خدا کی قسم تم میرے معاملہ میں ناانصافی کرتے ہو (حضرت عمرؓ کو خالد سیف اللہ سے شکایت تھی۔ کہ وہ باوجود تاکید کے فوج کے مصارف کا حساب کتاب نہیں بھیجتے تھے) فرمایا۔ تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی۔ عرض کیا۔ مال غنیمت سے (حصہ رسدی) اب بھی ۶۰ ہزار روپیہ سے زیادہ جس قدر رقم نکلے بیت المال میں داخل کرلی جائے۔ چنانچہ ۲۰ ہزار زیادہ نکلے۔ جو داخل خزانہ بیت المال ہوگئے۔ پھر فرمایا خالد تم مجکو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں۔

یہ کہکر تمام عمال ملکی کو لکھ بھیجا۔ کہ خالدؓ کو کسی بدعنوانی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا گیا بلکہ محض اس وجہ سے کہ ان کی شاندار فتوحات سے لوگ ان کے زیادہ مفتون ہوتے چلتے تھے۔ اور میں نے یہ دکھانے کے لئے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے ان کو معزول کر دیا ہے اور ادھر یہ تابعداری کہ سپہ سالاری کے عہدہ سے معزول ہونے میں کوئی عذر نہیں۔ اور ادھر یہ صاف گوئی اور حریت کہ خلیفہ کے مونھ پر کہہ دیا کہ آپ میرے معاملہ میں ناانصافی کرتے ہیں اور اس کے اظہار میں شور و شر اور فتنہ و فساد کا نام نہیں بلکہ ایک شخص کو احتمال اندیشہ ہوتا ہے۔ تو آپ خلیفہ کے رعب داب اور جاہ و جلال کو فتنہ کے فرو کرنے کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ کیا اس پُر اخلاص۔ آزادانہ اور فرمان پذیر گفتگو کا زمانہ پھر کبھی نصیب نہ ہوگا۔

حضرت عمر کا اپنے بیٹے کو خلافت دینے سے انکار

عمر فاروق کا آخری وقت ہے صحابہ کرام جب ان کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ تو بعد مشورہ انتظام خلافت کے متعلق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور جو مطلب تھا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اسلام کے فواید پر نگاہ رکھکر جس پر اتفاق ہو اس کو خلیفہ کر لینا ایک شخص نے آپ کے فرزند عبداللہ بن عمر کا نام لیا۔ جو دیانت و تقوی اور اعمال صالحہ میں کامل دیکتا تھے۔ آپ یہ سُنکر ناراض ہوئے اور فرمایا قطع نظر اس کے کہ عبداللہ خلافت کا اہل ہے یا نہیں میں کہتا ہوں۔ کہ جس طرح مجھ سے ہوسکا میں نے خدمات خلافت انجام دیں۔ حاکم حقیقی نے اپنی رحمت کاملہ سے اگر میری خطاؤں کو معاف کر دیا۔ اور وہ خواہ مجھ سے راضی ہو گئے۔ تو اس کی عنایت اور رحمت ہے اور اگر میں پکڑا گیا اور مجھ سے پرسش ہوئی۔ تو خیر صرف میں ہی اپنے خاندان میں پکڑا جاؤں گا۔ میری اولاد اور میرے خاندان کے لوگ تو اس مواخذہ سے بری رہیں گے۔

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد اکثر لوگوں کا رجوع حضرت علی اور حضرت عثمان کے علاوہ عبدالرحمان بن عوف کی طرف بھی تھا۔ آخر سب نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ یا تو عبدالرحمان بن عوف خود خلیفہ بنکر سارا جھگڑا چکا دیں یا جس کو چاہیں خلیفہ کر دیں۔ آپ نے حضرت عثمان اور حضرت علی سے الگ الگ کتاب اللہ و سنت رسول کے اتباع و عمل کے عہد لئے اور جب دونوں نے عہد کر لیا تو آپ نے حضرت عثمان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ خداوندا گواہ رہنا۔ میری گردن پر جو بوجھ تھا۔ وہ میں نے عثمان کی گردن پر رکھ دیا ہے۔ اب میں بری الذمہ ہوں۔ یہ کہکر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور پھر جملہ صغیر و کبیر یہاں تک کہ حضرت علی نے بھی بیعت کر لی۔

حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عباس کی گفتگو

حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباس سے خلافت کے متعلق جو گفتگو کی ہے یقین کی طرف سے وہ نہایت آزادانہ طور پر ہوئی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں لوگ کس بیباتی اور دلیری سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے اور یہ زیادہ تر اس وجہ سے تھا کہ حضرت عمر خود آزادی اور حق گوئی کی تعلیم قوم میں پھیلانا چاہتے تھے۔ حضرت عمر امیر المومنین نے عبداللہ بن عباس سے کہا۔ کچھ معلوم ہے کہ علی ہمارے ساتھ کیوں شامل نہ ہوئے اور تمہاری قوم نے تمہاری طرفداری کیوں نہ کی۔ عبداللہ بن عباس نے جب کہا میں نہیں جانتا۔ تو آپ نے فرمایا لیکن میں جانتا ہوں اور وہ یہ کہ اس بات کو پسند نہیں کیا جاتا کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت آجائیں ایک اور مکالمہ حضرت عمر کا اور عبداللہ بن عباس کا ہے جس میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔ "تمہاری نسبت میں بعض باتیں سُنا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے ان کی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہوجائے۔ عبداللہ نے وہ باتیں پوچھیں تو فرمایا میں نے سُنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت حسداً اور ظلماً چھین لی ہے۔ عبداللہ ظلماً کی نسبت تو میں کچھ نہیں کہتا۔ کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں لیکن حسداً تو اس کا تعجب ہی کیا ہے۔ ابلیس نے آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں۔ پھر حاسد ہوں تو کیا تعجب۔ حضرت عمرؓ۔ افسوس بنی ہاشم کے دل سے پرانے رنج اور کینے نہ گئے۔ عبداللہ ایسی بات نہ کہیے۔ آنحضرت بھی ہاشمی تھے۔

ایک معصوم لڑکی کی دیانت وحق گوئی

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق اپنے غلام اسلم کے ہمراہ مدینہ منورہ میں شب کو گشت کر رہے تھے کہ ایک مکان سے یہ آواز سُنی۔ کہ ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی ہے۔ دودھ میں تھوڑا سا پانی ملادے۔ لڑکی نے کہا۔ امیر المومنین نے ابھی تو تھوڑے ہی دن ہوئے منادی کرائی ہے کہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت نہ کرو عورت نے کہا۔ اب یہاں نہ امیر المومنین ہیں نہ منادی کرنیوالا۔ لڑکی نے کہا۔ دیانت کے یہ خلاف ہے۔ کہ روبرو تو اطاعت کی جائے اور غائبانہ خیانت۔ یہ گفتگو سُنکر حضرت عمر بہت محظوظ ہوئے۔ لڑکی کی دیانت اور اس کی حق گوئی پر خوش ہوکر (جو درحقیقت انہی کے حق پرست عہد حکومت کا نتیجہ تھا) اپنے بیٹے عاصم کی اس سے شادی کردی۔ اس لڑکی کے بطن سے ام عاصم پیدا ہوئیں۔ جو عمر بن عبدالعزیز جیسے نیک بخت اور زاہد وعابد خلیفہ کی والدہ تھیں۔

تکبر اور غرور سے حضرت عمرؓ کو بہت نفرت تھی

یہی غلام اسلم ایک مرتبہ سفر شام میں آپ کے ہمراہ تھا۔

آپ قضائے حاجت کیلئے سواری سے اُترے فارغ ہوکر آئے۔ تو اسلم کے اونٹ ہی پر سوار ہو گئے ما وہر اہل شام آپکے استقبال کو آرہے تھے۔ جو آتا تھا۔ پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ آپ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ لوگ تعجب کرتے۔ اور حیرت سے آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے۔ واقعی تعجب کی بات بھی تھی۔ آپنے فرمایا ان کی نگاہیں شان و شوکت ڈھونڈھ رہی ہیں۔ وہ یہاں کہاں؟ (از رسالہ واعظ حیدرآباد دکن بابت ہفتہ چہارم ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ بحوالہ موطا امام محمد)

تکبر اور غرور کے آپ سخت مخالف تھے۔ اس بد اخلاقی کو دور کرنے کے لئے آپنے آقا اور نوکر کی تمیز بالکل اٹھا دی تھی۔ آپ جب خلیفہ منتخب ہوئے۔ تو اپنے غلاموں تک کو یا سیدنا دلے ہمارے سردار کہکر پکارا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپنے فرمایا کہ ہمارے سردار بلالؓ حبشی غلام کو ہمارے سردار ابوبکر صدیقؓ نے آزاد کیا۔ آپ خلیفہ وقت ہونے کی حیثیت سے جب بیت المقدس میں داخل ہوئے تو آپکے اونٹ پر غلام سوار تھا۔ اور اس کی مہار آپکے ہاتھ میں تھی۔

بیت المال سے کوئی چیز خلیفہ وقت بلا اجازت نہیں لے سکتا

حضرت عمرؓ نبی کریم صلعم کے اخلاق کاملہ کا عملی نمونہ تھے ایک دفعہ آپ بیمار ہوئے۔ علاج کے لئے شہد کی ضرورت تھی۔ شہد بیت المال میں موجود تھا۔ مگر بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے مجمع عام میں فرمایا۔ اگر تم لوگوں کی اجازت ہو۔ تو بیت المال میں سے کچھ شہد لے لوں۔ لوگوں نے اجازت دیدی۔ اس واقعہ کا ذکر طبقات ابن سعد جلد ۳ میں ہے۔ ابن اثیر جلد ۲ میں اسی واقعہ کے متعلق لکھا ہے طلب اجازت کے سوا اس کارروائی سے یہ بھی ظاہر کرنا تھا کہ خزانۂ عامرہ پر خلیفۂ وقت کو ذرا بھی اختیار نہیں ہے۔ نیز بیت المال سے جو وظائف مسلمانوں کے لئے مقرر فرمائے۔ اسمیں قوی و ضعیف عرب و عجم کا کچھ امتیاز ملحوظ نہ رکھا۔

حضرت عمر کا اپنے فرزندوں کو سزائیں دینا اور دلوانا

آپکے عدل و انصاف کا یہ حال تھا۔ کہ کسی کی رو رعایت نہیں کرتے تھے جب کسی بات سے لوگوں کو منع کرتے۔ تو پہلے اپنے گھر کے لوگوں کو روکتے اور فرماتے دیکھو۔ اگر تم میں سے کسی نے ایسا کیا۔ تو اُسے بھی سزا دوں گا۔ چنانچہ اپنے زمانہ خلافت میں ایک جرم کی وجہ سے اپنے بیٹے عبداللہ کو پوری سزا دی۔ یہانتک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ (رسالہ واعظ بحوالہ ابن اثیر جلد ۲) انہی باتوں کا یہ نتیجہ تھا کہ ماتحت عمال بھی سزا دیتے اور جرم کی تحقیقات کرتے وقت خلیفہ اسلام کے بیٹے تک کا لحاظ نہ کرتے تھے۔ آپکے فرزند عبدالرحمن نے مصر میں کوئی جرم کیا۔ عمرو بن العاص گورنر مصر نے سزا دی۔ مگر سزا بہت سخت نہیں

تھی۔ آپ کو اطلاع ہوئی۔ آپ نے عمرو بن العاص پر پاسداری اور رعایت کرنے پر ناراضگی ظاہر کی۔ اور لکھا اگر یہ حال رہا۔ تو میں تم کو معزول کر دوں گا۔ عمرو بن العاص نے جواب دیا میں نے جرم کی اہمیت کے مطابق پوری سزا دی ہے (رسالہ واعظ بحوالہ الریاض النضرۃ جلد ۲)

اسلام نے پست و بلند سب کو ایک کر دیا

جبلہ بن الایہم غسانی شام کا مشہور رئیس مسلمان ہو گیا تھا کعبہ مکرمہ کے طواف کے وقت اس کی چادر کا ایک گوشہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ غصہ سے بیتاب ہو کر آپ کے پاس آیا۔ آپ نے شکایت سننے کے بعد فرمایا۔ تم نے جو کیا۔ اسکی سزا پالی۔ اس کو سخت حیرت ہوئی اور کہا "ہم اس رتبہ کے شخص ہیں کہ ہم سے جو گستاخی کرے۔ اسکی سزا قتل ہے۔" فرمایا جاہلیت میں ایسا ہی تھا۔ لیکن اسلام نے پست و بلند ایک کر دیا ہے (الفاروق شبلی)

حضرت عمر امرا کے مقابلہ میں غربا کو ملاقات کا موقعہ پہلے دیتے تھے

سرداران قریش ایک مرتبہ آپ کی ملاقات کو آئے۔ حضرت صہیبؓ بلالؓ عمارؓ وغیرہ آزاد شدہ غلام بھی موجود تھے۔ اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ آپ نے اول انہی لوگوں کو بلایا (کیونکہ وہ پہلے آئے ہوئے تھے) ابوسفیان کو جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے۔ یہ امر سخت ناگوار گذرا۔ ساتھیوں سے کہا۔ کیا خدا کی قدرت ہے کہ غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں۔ سرداران قریش میں کچھ حق شناس بھی تھے۔ ایک نے کہا اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا۔ جو پیچھے آئے وہ آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔

حضرت عمر کا فرمان کہ جبتک خود تکلیف نہ اٹھاؤں لوگوں کی تکالیف کس طرح معلوم کر سکتا ہوں

جب کسی ملک میں قحط پڑتا ہے تو غربا اور متوسط الحال لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ کئی کئی دن فاقہ سے گذر جاتے ہیں۔ مگر امرا اور اعلیٰ احکام پر قحط کا بہت کم اثر پڑتا ہے۔ ان کے تکلفات میں مطلق کمی نہیں ہوتی۔ انکی ضروریات جس آسانی سے ایام قحط سے پہلے مہیا ہوتی تھیں۔ اسی آسانی سے دوران قحط میں بھی پوری ہوتی رہتی ہیں۔ بلکہ باوجود ملک میں قحط ہونے کے جب ان کا دورہ ہوتا ہے۔ تو دودھ۔ گھی۔ مرغ اور ہر قسم کی آسائشیں ان کے کیمپ میں پہلے ہی سے موجود ہو جاتی ہیں۔ لیکن اسلام نے اس ناانصافی و سنگدلی کی تعلیم نہیں دی۔ چنانچہ جب حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ایک مرتبہ قحط پڑ گیا تو آپ نے عہد کیا۔ کہ جب تک عام طور پر بازاروں میں دودھ اور گھی نہ ملنے لگے۔ میں بھی اس کو ترک کرتا ہوں۔ اتفاقاً ایکدن بازار میں گھی اور دودھ آیا۔ آپ کے ایک غلام نے سب خرید لیا

اور باقی لوگ منہ دیکھتے رہ گئے۔ آپ کو خبر ہوئی۔ غلام کو بلوایا اور ڈانٹا تم نے سب خرید کر لوگوں کو تکلیف پہنچائی ہے جاؤ سب کو تقسیم کر دو میں ہرگز نہیں لوں گا جب تک خود تکلیف نہ اٹھاؤں لوگوں کی تکلیف کا اندازہ کس طرح کر سکتا ہوں۔ (ابن اثیر جلد ۲)

ایام قحط میں حضرت عمرؓ کی بیقراری

سنہ ۱۸ھ میں قحط نے لوگوں کو پریشان کر دیا حضرت عمرؓ بادشاہ وقت تھے۔ بلکہ شہنشاہ عرب و عجم تھے۔ ان کو کس بات کی کمی تھی لیکن رعایا کی بیحالی سے خود بھی بیحال تھے۔ انسداد قحط کی تدابیر میں رات دن بیقرار رہتے تھے۔ آخر جب ظاہری تدبیروں سے کام نہ چلا۔ تو حضرت عباس عم رسول اللہ کی خدمت میں گئے اور کہا قحط کی وجہ سے مخلوق خدا پریشان ہے۔ آپ ہمارے ساتھ چلیئے۔ کہ ہم آپ کے وسیلہ سے پانی کی دعا مانگیں حضرت عباس ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ نماز کی جگہ پر حضرت عمرؓ اور حضرت عباس نے بھی گڑگڑا کر خدا کی جناب میں مخلوقات عالم کو بلائے قحط سے نجات دلانے کی دعا مانگی حضرت عباس جو بہت مسن ہو گئے تھے۔ روتے جاتے تھے۔ اور آپ کی ریش مبارک پر آنسو بہ رہے تھے اللہ تعالیٰ نے رحمدل بادشاہ اور بزرگ ترین انسان کی دعاؤں میں تاثیر بخشی۔ آسمان پر یکبارگی ابر پیدا ہوئے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنی شروع ہوئیں اور اس قدر پانی برسا کہ جل تھل ایک ہو گئے۔

(سیرۃ العباس حصہ اول صفحہ ۱۴۳ و ۱۴۴)

آج کتنے لوگ ہیں جو قحط سالی کو دور کرنے کے لئے ظاہری و باطنی تدابیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ بلکہ یہ وہ زمانہ ہے کہ غربا بھوک اور پیاس سے مر رہے ہیں۔ تو بھی طبقہ امرا کو قحط و گرانی کا احساس نہیں ہوتا ہم نے خود دیکھا ہے کہ اول تو اس چودھویں صدی میں نماز استسقا کے لوگ قائل ہی نہیں رہے ہیں۔ اور اگر کچھ لوگ دعائے باران کیلئے اکٹھے بھی ہوتے ہیں۔ تو ان میں صرف غریب غربا ہی نظر آتے ہیں۔

حضرت عمر خلیفۃ المسلمین کا مسجد نبوی کے لئے مالک مکان کی رضامندی کے بغیر اس کا مکان لینا اور اس کا انکار کر دینا

فتح مکہ کے بعد حضرت عباس حضور سرور عالم کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔ مسجد نبوی کے پاس حضرت عباس کا گھر بنایا گیا۔ پرنالہ حضرت عباس کے مکان کا مسجد نبوی کے صحن کی طرف تھا جس کو خود حضور نے نصب کرایا تھا جب حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ارادہ کیا کہ جو جگہ مسجد کے متصل حضرت عباس کی تھی۔ اس کو بھی مسجد نبوی میں داخل کیا جائے۔ تو حضرت عمر کو روکا۔ چونکہ حضرت عباس کی دیوار کا پرنالہ مسجد میں گرتا تھا۔ اس کو حضرت عمر نے حضرت

عباس کی اجازت کے بغیر نکال ڈالا حضرت عباس کو اس سے رنج پہنچا۔ باہمی نزاع کے فیصلہ کے لئے حضرت ابی بن کعب پنچ مقرر ہوئے۔ ابی بن کعب نے دونوں کو اپنے مکان پر بلوایا۔ حضرت عباس نے کہا۔ حضور سرور عالم نے میرے لئے ایک خط کھینچا تھا وہیں میں نے اپنا مکان بنایا۔ اور یہ پرنالہ جس کو حضرت عمرؓ نے توڑ ڈالا ہے۔ وہ پرنالہ ہے جس کو میں نے بحکم حضور سرور عالم آپکے دوش مبارک پر کھڑے ہو کر قائم کیا تھا۔ اب حضرت عمرؓ نے اس کو گرادیا ہے۔ اور میرے مکان کو داخل مسجد کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب نے کہا۔ مجکو بھی اسی طرح کا ایک واقعہ معلوم ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام نے جب بیت المقدس بنانے کا ارادہ کیا۔ تو اس جگہ دو یتیموں کا ایک گھر تھا۔ داؤد نے وہ گھر خریدنا چاہا۔ مگر دونوں نے بیچنے سے انکار کیا۔ آخران پر دباؤ بھی ڈالا گیا۔ اور زیادہ قیمت کا لالچ بھی دیا گیا۔ لڑکے راضی ہو گئے۔ مگر قیمت اس قدر زیادہ مانگتے تھے۔ کہ حضرت داؤد گراں تر سمجھکر کوئی فیصلہ نکر سکتے تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ جو قیمت تم ان کو دیتے ہو اگر وہ ایسی چیز ہے کہ تم اس کا مالک اپنے آپ کو سمجھتے ہو۔ تو خیر تمہاری مرضی۔ اور اگر وہ قیمت اور وہ چیز اور وہ شے ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے ہے۔ تو ان کو اس قدر دو کہ وہ راضی ہو جائیں۔ تاکہ ہمارے نام کا جو گھر بنے وہ ہر قسم کے ظلم و تشدد اور جبر و ناانصافی سے بالاتر ہو۔ حضرت عمر نے ابی بن کعب کی یہ تقریر سنکر کہا۔ کوئی اور بھی ہے؟ جو یہ کہدے کہ رسول صلعم نے ایسا ہی ارشاد فرمایا ہے۔ جیسا کہ آپنے کہا ہے۔ ابی بن کعب نے انصار کی ایک جماعت کو بلوایا جب انہوں نے تصدیق کی۔ تو حضرت عمر نے حضرت عباس سے کہا واللہ تمہارا پرنالہ جس مقام سے کہ میں نے گرایا تھا۔ اسی جگہ قائم کروں گا۔ اس طرح کہ تمہارے دونوں قدم میرے کندھوں پر ہوں چنانچہ حضرت عباس نے حضرت عمر کے کندھوں پر چڑھکے اُس پرنالہ کو بدستور اپنی جگہ قائم کیا۔

پرنالہ جب بدستور قائم ہوگیا۔ تو حضرت عباس نے فرمایا چونکہ ثابت ہوچکا ہے کہ پرنالہ میرا ہی ہے اس لئے اب میں اپنی خوشی سے نہ صرف پرنالہ دوبارہ گرادیتا ہوں بلکہ سارا مکان بھی راہ خدا میں صدقہ کرتا ہوں۔ اس اجازت کے بعد حضرت عمر نے اس مکان کو مسجد نبوی میں داخل کرلیا۔[۱] سبحان اللہ اب ایسے لوگ کہاں ملیں گے۔

دو عورتوں کے مقدمات پر حضرت عمرؓ اور حضرت علی کی گفتگو!

امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا۔ میری شادی کو آج چھٹا مہینہ ہے لیکن اسی مہینے میری عورت کے

---

[۱] سیرۃ العباس حصہ اول صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰ و ۱۲۱۔

ان بچہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس بارہ میں کیا حکم ہے؟ فرمایا عورت کو سنگسار کر دو۔ حضرت علی بھی اس مجلس میں موجود تھے کہا۔ یہ فیصلہ ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ حملہ وفصالہ ثلثون شہرا بچے کا حمل اور اس کے دودھ پینے کا زمانہ تیس مہینے ہوتا ہے۔ ممکن ہے دو سال دودھ پینے کا زمانہ ہو۔ اور چھ مہینے حمل کا۔ امیر المومنین عمرؓ نے یہ سنکر اپنا حکم واپس لے لیا اور فرمایا "لولا علی لھلک عمر" یعنی اگر علیؓ یہاں موجود نہ ہوتے۔ تو عمر ہلاک ہو چکا تھا[1]

اسیطرح ایک عورت حاضر ہوئی جس کے پیٹ میں حرام کا بچہ تھا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے عورت کی سنگساری کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ چپ نہ رہ سکے فرمایا۔ اگر گناہ کیا ہے۔ تو اس عورت نے اس بچہ نے کیا قصور کیا ہے۔ جو ابھی پیٹ ہی میں ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ سزا وضع حمل تک ملتوی رکھو۔ اس موقعہ پر بھی حضرت عمرؓ نے فرمایا "لولا علی لھلک عمر" اگر علی نہ ہوتا۔ تو عمر ہلاک ہو چکا تھا[2]

اسلام نے دہوکہ کرنے اور عہد کو توڑنے کی تعلیم نہیں دی

حضرت عمر کا ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوگا۔ کہ اس وقت کے مسلمان اپنی زبان کے کس قدر پابند تھے۔ وعدہ مکرنے کے لئے اور عہد توڑنے کے لئے نہیں کرتے تھے۔ بلکہ زبان سے جو لفظ نکلتے تھے اس کو پتھر کی لکیر سمجھتے تھے۔ ہرمزان ایرانیوں کے ایک لشکر کا سردار تھا۔ ایک مرتبہ مغلوب ہو کر اس نے جزیہ دینا بھی قبول کیا۔ مگر بغاوت اختیار کر لی آخر پھر شکست کھائی اور گرفتار ہو کر اس حالت میں کہ تاج مرصع سر پر تھا۔ دیبا کی قبا زیب بدن کمر سے مرصع تلوار آویزاں بیش بہا زیورات سے آراستہ حضرت عمر کی عدالت میں پہنچا۔ آپ اس وقت مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا تم نے مکرر سکرر بدعہدی کی۔ اب اگر اس کا بدلہ تم سے لیا جائے۔ تو تم کو کیا عذر ہے۔ ہرمزان نے کہا مجھے خوف ہے کہ شاید میرا عذر سننے سے پیشتر ہی مجھے قتل نہ کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ تم کوئی خوف نہ کرو۔ ہرمزان نے کہا۔ مجھکو پہلے پانی پلادو۔ حضرت عمرؓ نے پانی کا حکم دیا۔ ہرمزان نے ہاتھ میں پانی کا پیالہ لیکر کہا۔ مجھے خطرہ ہے کہ میں پانی پینے کی حالت ہی میں قتل نہ کر دیا جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جب تک تم پانی نہ پی لو اور اپنا عذر نہ بیان کر لو۔ تم اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرہ سے محفوظ سمجھو۔ ہرمزان نے پانی کا پیالہ اپنے ہاتھ سے نیچے رکھدیا اور کہا میں پانی نہیں پینا چاہتا۔ اور آپ نے مجکو امان بخشی ہے۔ اس لئے آپ مجکو قتل بھی نہیں کر سکتے۔ عمر فاروق کو ہرمزان کی اس چالاکی اور دہوکہ دہی پر بہت غصہ آیا۔ لیکن حضرت انس درمیان میں بول اٹھے اور کہا امیر المومنین یہ سچ کہتا ہے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ جب تک پورا

[1] از اردو ترجمہ فوائد الفواید یعنی ملفوظات حضرت محبوب الٰہیؒ
[2] " " " " " "

حال نہ کہہ لو کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ اور جب تک پانی نہ پی لو کسی قسم کے خطرہ میں نہ ڈالے جاؤ گے۔ حضرت انس کے کلام کی اور لوگوں نے بھی تائید کی حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ہرمزان تو نے مجھے دھوکہ دیا ہے لیکن میں تجھے دھوکہ نہ دوں گا۔ اسلام نے اس کی تعلیم نہیں دی۔ ایفائے عہد اور حسن سلوک کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ امیر المومنین نے دو ہزار سالانہ اس کی تنخواہ مقرر کر دی۔

حضرت عمر کو اپنے قرضہ کی ادائیگی کا فکر

سنہ ۲۳ھ ذوالحجہ کے مہینے میں آپ کی شہادت ہوئی۔ عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا۔ مجھ پر کس قدر قرض ہے معلوم ہوا چھیاسی ہزار درہم۔ فرمایا میرے متروکہ سے ادا ہو سکے تو بہتر۔ ورنہ خاندان عدی یا کل قریش سے ادائیگی قرضہ کی درخواست کرنا۔ آخر ان کا مسکونہ مکان امیر معاویہ نے خرید لیا۔ اور ان کا قرض ادا کر دیا گیا۔

اغیار کے مذہبی جذبات کی عزت اور ان کے معبد کی حفاظت

سنہ ۱۶ھ میں عمر فاروق اعظمؓ بطریق "سفرونیس" کے ہمراہ بیت المقدس میں داخل ہوئے کل زاد راہ ایک سرخ اونٹ تھا جس پر ایک تھیلی میں بھنے ہوئے جو اور دوسری میں کھجوریں ایک پانی کا مشکیزہ اور ایک لکڑی کا برتن تھا۔ ایک غلام مدینہ سے آیا تھا۔ یروشلیم تک خلیفہ اور غلام اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس ساز و سامان کو تمدن وحشت سے تعبیر کرتا ہے۔ فاروق اعظم اور بطریق (پادری) بیت المقدس میں تھے کہ مؤذن نے اذان دی۔ پادری نے اصرار کیا کہ نماز یہیں ادا کر لیں۔ لیکن خلیفہ نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ مبادا آئندہ مسلمان میری تقلید کریں۔ اور رفتہ رفتہ اس پر اپنا قبضہ جما لیں۔ مدعا یہ تھا کہ اغیار کے مذہبی جذبات اور ان کے معبد کی حفاظت کی جائے۔ اس لئے خلیفہ اسلام نے گرجا کے باہر نماز پڑھی۔[۱]

فصل سوم

حضرت عثمان غنی

جمہور کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کر دو!

حضرت طلحہؓ عشرہ مبشرہ کے بزرگوں میں تھے۔ اور ان چھ اصحاب میں تھے جن کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا۔ کہ باہمی مشورہ کے ساتھ ان میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔ بیعت عامہ کے بعد حضرت طلحہؓ بھی مدینہ میں آ گئے

[۱] مشاہیر اسلام مصنفہ خواجہ محمد عباد اللہ بی اے اختر صفحہ ۵۔

معلوم ہوا کہ حضرت عثمان کی سب نے بیعت کر لی ہے حضرت طلحہ آنحضرت سے صحبت یافتہ تھے اور اس حریت و مساوات اور ادب و اخلاق کا ایک نمونہ تھے۔ جو آنحضرت صلعم کی طفیل آپ کو حاصل ہوا تھا۔ اس لئے بجائے اس کے کہ آپ بر سر پرخاش ہوتے۔ بغاوت کرتے یا ساتھ لوگوں کو فتنہ و فساد پر آمادہ کرتے آپ نہایت آزادی و جرات کے ساتھ سیدھے حضرت عثمان کی خدمت میں گئے۔ اور کہا کیا سب لوگ آپ سے بیعت کر چکے۔ آپ نے اثبات میں جواب دیا اور فرمایا۔ اگر تم میری بیعت سے انکار کرو گے۔ تو میں بیعت واپس دینے کو تیار ہوں طلحہؓ نے کہا جس امر پر تمام لوگوں نے اجتماع کر لیا ہے۔ میں اس سے اختلاف نہیں کرنا چاہتا۔ یہ کہکر آپ نے حضرت عثمان کی بیعت کر لی۔

خلیفہ اسلام کا عجز و انکسار

حضرت عثمان غنیؓ اپنی تجارت کی وجہ سے نہایت غنی تھے۔ انہوں نے خدمت اسلام کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔ ان کی سخاوت دور و نزدیک مشہور تھی، باوجود دولت و خلافت کے مزاج میں اتنی انکساری تھی کہ کبھی کبھی مسجد کے فرش پر ہی سو جاتے تھے۔ اٹھتے تو بدن پر کنکریوں کے داغ ہوتے اور لوگ کہتے یہ امیر المومنین ہیں۔ الریاض النضرۃ جلد ۲ میں خواجہ حسن بصریؒ کا قول نقل ہے کہ میں نے حضرت عثمان کو دیکھا کہ چادر سر کے نیچے رکھکر مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ لوگ آتے ہیں اور ادھر ادھر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بھی انہیں عوام میں سے ہیں۔

آپ کا ایک غلام تھا جس سے آپ نے فرمایا میں نے تمہارے کان کھینچے تھے تم اس کا بدلہ مجھ سے لو۔ قیامت میں بدلہ دینے سے یہاں بدلہ دینا نہایت آسان ہے۔

ابن کثیر میں لکھا ہے ایک مرتبہ حضرت سیدنا عثمان غنی نے کسی کام کے متعلق لوگوں کو جمع کر کے فرمایا۔ یہ کام جو میں نے کیا ہے اگر تم اسے غلط سمجھو۔ تو فوراً رد کر دو میں تم لوگوں کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہتا۔

طبقات ابن سعد کا مصنف جلد ۲ میں لکھتا ہے آپ نے ایک دفعہ فرمایا اگر کتاب اللہ (قرآن مجید) کا حکم ہو کہ مجھے پا بزنجیر کرو۔ تو فوراً اس پر عمل کرو۔

مسلمانوں کو مسلمانوں کے مقابلہ پر لڑائی کی اجازت نہ دینا

جب ۳۵ھ میں ظالم مصریوں نے آپ کو شہید کرنے کے ارادہ سے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا حضرت زید بن ثابت اور دیگر صحابہ نے عرض کیا۔ انصار حاضر ہیں لڑائی کی اجازت دیجئے۔ فرمایا میں جنگ و جدل کی

اجازت نہیں دیتا۔ بلکہ مجھے زیادہ نفع پہنچانے والا وہ شخص ہے۔ جو اپنے ہتھیار اور ہاتھ دونوں کو روک لے میں وہ پہلا شخص ہرگز نہیں ہونا چاہتا۔ جو مسلمانوں میں آپس میں خونریزی کرائے۔ اگر میری جان لینے سے مسلمان باہمی فتنہ وفساد اور قتل کی مصیبت عظمیٰ سے بچ سکتے ہیں۔ تو مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ آپ خون میں تڑپتے تھے اور فرماتے تھے: "اے خدا امت محمدؐ کو متفق ومتحد کر دے۔"

حضرت ابوذر غفاری کی حریت وحق گوئی

حضرت ابوذر غفاری نے تین خلافتوں کا زمانہ دیکھا۔ زمین بدل گئی۔ آسمان بدل گیا۔ فتوحات فاروقی وعثمانی نے مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے جھونپڑے رشک الیوان کسریٰ اور غیرت کا شانہ فغفور بنا دیئے۔ لیکن ابوذر غفاری اس زمانہ میں بھی سونے اور چاندی کا ایک ٹکڑا اپنے گھر رکھنا حرام سمجھتے تھے۔ بعہد حضرت عثمان وہ سرزمین شام میں تھے۔ جہاں رومیوں کے اثر سے مسلمان امراء اسلام کی سادگی کو چھوڑ کر دولت اور تنعم کے خوگر ہو چلے تھے۔ امیر معاویہ کا دربار قیصر وکسریٰ کی بارگاہ بن رہا تھا۔ ان کے جاہ وجلال کے رعب وداب نے بڑے بڑوں کی زبانیں گنگ کر دی تھیں۔ لیکن جرات اور آزادی کی وہ بے نیام تلوار جو ابوذر غفاری کے کام ودہن میں تھی۔ ایک لمحہ کے لئے نہ جھجکی اور ہمیشہ برسر دربار اعلان حق کیلئے چمکتی رہی آخر اُن کو آستانہ خلافت سے ان کے بلوا لینے کی درخواست کرنی پڑی چنانچہ یہ مدینہ بلوائے گئے اور یہاں سے ربذہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں ان کی اقامت تجویز ہوئی۔ یا بہ الفاظ دیگر ان کی نظر بندی عمل میں آئی حضرت عثمان نے بیت المال سے ان کے اسباب راحت کا سامان کرنا چاہا لیکن آپ نے قبول نہ کیا۔ نظر بندی ہی کے زمانہ میں ایک شخص نے آپ سے فتوے پوچھا انہوں نے جواب دیا ایک قریشی نے ٹوکا تم نظر بند ہو فتوے دینے کے مجاز نہیں ہو۔ آپ نے گرم ہو کر فرمایا: "خدا کی قسم اگر تم میری اس گردن پر تلوار بھی رکھدو اور میں اس لمحہ میں سمجھوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا ایک لفظ بھی ادا کر سکتا ہوں۔ تو ادا کر دوں گا!"

شکایات پہنچنے پر والئے بصرہ کی معزولی

حضرت عثمان کی خلافت کے چوتھے سال کی ابتدا ہے بعض اقوام خلیفہ وقت کی اطاعت سے منحرف ہو جاتی ہیں۔ ابوموسیٰ اشعری والئے بصرہ کو ان اقوام کی گوشمالی واصلاح کا کام سپرد ہوتا ہے جہاد کی فضیلت والی کے حکم سے تمام ملک میں مشتہر کی جاتی ہے جب لشکر اہل اسلام تیار ہوا۔ تو ابوموسیٰ نے سامان سفر اپنے محل سے نکالکر چالیس خچروں پر لادا اور خود بھی گھوڑے پر سوار ہوئے۔ پیدل لشکریوں نے جب دیکھا تو ابوموسیٰ کے گھوڑے

کی باگ تھام لی اور کہا ہم کو سواریاں عنایت ہوں۔ یا آپ بھی پیدل چلئے۔ جیسا کہ ہم لوگوں کو پیدل جہاد کی رغبت دلائی ہے۔ ابوموسیٰ نے ان کی چشم نمائی کی ۔ اور ایک دو کوڑے بھی جما دئیے لوگ حضرت عثمان کے پاس فریاد لیکر پہنچے۔ اور کہا آپ اپنے لوگوں کی پرورش کا خیال رکھتے ہیں۔ ادنیٰ شخص کو ذی مرتبہ کر دیتے ہیں۔ جو ملک کو لوٹتا ہے اور اپنی زبان اور اپنے قول کا پابند نہیں حضرت عثمان نے بعد تحقیق کامل جب ابوموسیٰ کو قصوروار پایا۔ تو اسے معزول کر دیا۔

حضرت عثمان پر عوام کی نکتہ چینی

سنہ ۲۹ھ کا واقعہ ہے حضرت عثمان حج کو تشریف لیگئے منا اور عرفات میں آپنے پوری نماز پڑھی۔ سفر میں قصر کرنا جیسا کہ حکم ہے نہیں کیا۔ اصحابہ نے آپکے اس فعل پر جرح قدح کی۔ حضرت علی نے سرگوشیاں چھوڑ کر بذاتہ آپ سے شکایت کی۔ اور کہا کہ آنحضرت صلعم اور ان کے بعد ابوبکر صدیق اور ان کے بعد عمر فاروق نے یہاں دو دو رکعتیں ہی پڑھی ہیں۔ آپنے یہ بالکل نئی بات کی۔ جو پہلے کبھی نہیں ہوئی حضرت عبدالرحمان ابن عوف بھی آئے اور کہا جب آپ حضور فخر دو عالم۔ ابوبکر صدیق اور جناب عمر فاروق کے زمانہ میں ان کے ساتھ انہی مقامات میں دو دو رکعتیں پڑھتے رہے ہیں۔ تو اب سنت رسول کو ترک کرنے کی کیا وجہ ہے۔ قصہ بہت طویل ہے۔ مختصر یہ کہ حضرت عثمان نے جو جواب دیا۔ اس کو کسی نے قبول نہیں کیا۔ اور عوام باوجود ان کے امیرالمومنین اور بادشاہ وقت ہونے کے اظہار حق میں اور اس حریت و آزادی سے جو اسلام نے ان کو عطا کی تھی۔ ان سے نہیں دبے۔ اور علانیہ اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے رہے۔

شراب خوری کے جرم پر گورنر کوفہ کو درّے

ولید بن عقبہ کوفہ کا گورنر تھا۔ ملک میں اس کی شراب خوری اور اس کے راگ سننے کا عام چرچا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے خود امامت کی۔ صبح کی نماز تھی۔ دو کی جگہ چار رکعتیں پڑھا دیں۔ اور بعد ختم کہا کیا تم چاہتے ہو کہ اور بھی پڑھاؤں۔ لوگ سمجھ گئے تھے۔ کہ اس کو رات کے خمار سے ابھی ہوش نہیں آیا۔ کہنے لگے افسوس ہے ان پر جنہوں نے تم کو ہمارا حاکم بنا کر بھیجا۔ اس واقعہ کے بعد ولید ایک دن خطبہ جمعہ کے لئے ممبر پر کھڑا ہوا۔ لوگوں نے اس پر سنگریزوں کی اس قدر بارش کی۔ کہ مسجد چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور محل میں جا گھسا۔ ابوزینب اور ابومورع دو بزرگ تھے۔ وہ حاکم وقت کی یہ بے عنوانیاں اور اسلام کی یہ بےحرمتی دیکھکر مدینہ آئے اور حضرت عثمان سے شکایت کی۔ جب حضرت عثمان کے روبرو جوابدہی کے لئے ولید حاضر ہوا اور شراب کے متعلق اپنی صفائی اور برأت

کا کوئی ثبوت نہ دے سکا۔ تو اس کو بحکم خلافت چالیس دُرّے لگا کر حد شرعی پوری کی گئی۔ یہ وہ انصاف و عدل تھا جس کا نمونہ اسلام نے پیش کیا ہے۔ کیا اور کسی مذہب و ملک میں بھی ایسے بڑے ذمہ دار حاکم کو اس کے جرائم کی علانیہ سزا دی گئی ہے۔ بلکہ جہاں تک ہو سکتا ہے۔ داب حکومت اور رعب سلطنت کے قائم رکھنے کے بہانہ سے ایسے جابر و ظالم حاکموں کی حمایت کی جاتی ہے۔ اور ملک کی پُر درد و پُر شور آواز پر کوئی توجہ نہیں کی جاتی۔

تلاوت قرآن کے دوران میں حاکم وقت کی پرواہ نہیں کی

بصرہ میں بزمانہ خلافت حضرت عثمان ایک بزرگ عامر بن عبد قیس نام بڑے عابد اور تارک الدنیا تھے۔ عبداللہ بن عامر امیر بصرہ معہ رفقا کے ان کی زیارت کو چلے حمران ایک شخص پہلے روانہ ہوا۔ تا کہ عامر بن عبد قیس کو ان کے آنے کی پیشتر سے اطلاع دیدے۔ جب حمران آپ کے حجرہ میں داخل ہوا۔ آپ تلاوت قران مجید میں مصروف تھے۔ حمران نے کہا امیر بصرہ آپ کی ملاقات کو آرہے ہیں۔ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور تلاوت میں مصروف رہے۔ حمران نے بُرا مانا اور عبداللہ بن عامر سے محض جھوٹ کہا کہ وہ آپ لوگوں کی کچھ عزت نہیں سمجھتے۔ ابن عامر بھی معہ رفقا اسی اثناء میں آپہنچے۔ جب وہ حجرہ عبادت خانہ میں داخل ہوئے۔ تو آپ تلاوت ختم کر چکے تھے۔ اور باتیں کرنے میں کسی قسم کی آپ کو رکاوٹ نہ تھی۔ لیکن حمران کی عداوت بڑھتی گئی۔ اس نے آپ پر کئی الزام لگائے۔ جن میں ایک یہ بھی تھا۔ کہ وہ جمعہ کی نماز نہیں پڑھتے۔ معاملہ حضرت عثمان تک پہنچا۔ حضرت عثمان نے آپ کو بصرہ سے شام میں امیر معاویہ کے پاس بھجوا دیا۔ کہ وہ ان الزامات کی ان سے بازپرس کریں۔ معاویہ نے نماز جمعہ کے متعلق پوچھا۔ آپ نے کہا یہ محض افترا پردازی ہے۔ میں جمعہ کی نماز کو بلا ناغہ جاتا ہوں۔ ہاں سب کے بعد جاتا ہوں۔ اور اخیر صف میں شریک ہو کر سب سے پہلے واپس آجاتا ہوں۔

فصل چہارم

حضرت علی کرم اللہ وجہ

حضرت علی کی جرأت و آزادی

حضرت عثمان میں رحم و حلم بہت تھا۔ گورنروں اور دیگر عاملان ملک کے نقائص و عیوب پر عموماً چشم پوشی سے کام لیتے تھے۔ رفع فساد کے لئے جب اصحاب کبار

کا مشورہ لیا۔ تو حضرت علی نے نہایت آزادانہ گفتگو کی اور کہا حضرت عمرؓ اپنے عاملوں اور مقرر کردہ افسروں کی گوشمالی بھی کرتے تھے۔ مگر آپ بالکل طرح دے جاتے ہیں۔ معاویہ جو آج آپ کے مشورہ اور اجازت کے بغیر آپ کے نام کے احکام اپنی رائے اور اپنے حکم سے جاری کرتے ہیں۔ اور آپ کچھ خیال نہیں کرتے۔ حضرت عمرؓ کے خوف سے ہر وقت ترساں و لرزاں رہتے تھے۔ اور ان کی مجال نہ تھی۔ کہ ان کے زمانہ میں خود رائی سے کام لے سکیں۔

معاویہ کو معزول کرنے پر ابن عباس کا حضرت علی خلیفہ وقت سے اختلاف

حضرت علی جب خلیفہ ہوئے۔ تو آپ نے معاویہ کو امارت شام سے معزول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مغیرہ بن شعبہ۔ حضرت عبداللہ بن حضرت عباس (عم رسول صلعم) اور بعض روائتوں میں ہے کہ حضرت امام حسن نے بھی منع کیا اور نشیب و فراز سمجھائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے طویل مکالمہ ہوا۔

ابن عباس۔ آپ شجاع اور دلیر ضرور ہیں۔ مگر صائب الرائے نہیں ہیں۔ جلدی اچھی نہیں ہے ایسی تجویز سوچیئے۔ کہ آپ کا کچھ نقصان بھی نہ ہو۔ اور کام بھی خاطر خواہ ہو جائے۔ جو چالیں معاویہ سوچتا ہے۔ وہی کچھ آپ کو بھی کرنا چاہیئے۔

حضرت علی۔ کیا کروں؟ نہ مجھ میں عبداللہ کی سی عادتیں ہیں نہ معاویہ کی سی خصلتیں۔

ابن عباس۔ بہتر یہی ہے کہ آپ امیر معاویہ کو معزول نہ فرمائیں۔ جبتک کہ جناب کی خلافت مستقل نہ ہو جائے۔

حضرت علی۔ آپ نے اپنی طرف سے نیک صلاح دی ہے مگر میں اس پر عمل نہیں کر سکتا۔

ابن عباس۔ محض شجاعت سے کام چلنا دشوار ہے۔ میری رائے پر عمل فرمایئے۔ اگر آپ کچھ اور نہیں مانتے۔ تو اتنا ہی کیجیئے۔ کہ معہ اہل و عیال اور مال و اسباب ینبع تشریف لیجایئے۔ اور کسی کو اپنے پاس نہ آنے دیجیئے۔ عرب خود سرگرداں ہو کر آپ کے پاس آئیں گے ورنہ اگر آپ ان لوگوں کے ساتھ عزم فرمائیں گے۔ تو یاد رکھئے۔ کہ لوگ آپ پر خون عثمان کا الزام لگائیں گے۔

حضرت علی۔ میں جو کہوں اس پر عمل کرو۔

ابن عباس۔ بہت مناسب آپ بادشاہ وقت ہیں آپ کی اطاعت میرا فرض ہے۔

حضرت علی۔ سامان سفر درست کرو میں نے آپ کو شام کا والی (گورنر) مقرر کیا۔

ابن عباس۔ میں حکم عدولی نہیں کرتا لیکن معاویہ حضرت عثمان کا بھائی ہے اور ان کی

ؓ ہجرت نبوی سے تین سال پہلے پیدا ہوئے انہی کی اولاد سے خلفائے عباسیہ کا سلسلہ چلا۔ ۷۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ عبداللہ آپ کا نام آنحضرت نے رکھا تھا۔

طرف سے عامل شام ہے آپ سنئے میرے چچیرے بھائی وہ بعوض خون عثمانؓ مجھے قتل کر ڈالیگا یا قید کردے گا بہتر یہ ہے کہ اول معاویہ سے بیعت لے لی جائے۔

جب امیر علیہ السلام نے اس سے بھی انکار کیا۔ تو ابن عباس خاموش ہو گئے[1] اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ وقت تھے حضرت ابن عباس ان سے کیسی حقیقی آزادی دلی خلوص سے باتیں کرتے تھے ہر ہر لفظ سے شان حریت اور شاہانہ ادب و اطاعت کی جھلک نظر آتی ہے۔

حضرت علی حقوق الناس کا کسقدر لحاظ کرتے تھے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں یمن سے شہد کی بھری ہوئی مشکیں آئیں ابھی اثنا میں امام حسن کے پاس چند مہمان آئے۔ روٹیاں تو نانبائی سے منگوائیں اور سالن کیلئے حضرت علی کے غلام قنبر سے کہا۔ ایک مشک کھولدو اس نے تعمیل کی آپنے ایک رطل شہد لیکر اپنے مہمانوں کے پاس بھیجدیا جب امیر علیہ السلام نے شہد کو تقسیم کرنے کے لئے مشکیں منگوائیں۔ تو ایک مشک کی نسبت فرمایا۔ اسمیں فتور معلوم ہوتا ہے۔ قنبر نے امام حسن کے شہد لینے کا ذکر کیا۔ آپ غصہ ہوکر فرمایا حسن کو میرے پاس بلاؤ۔ جناب حسن حاضر ہوئے۔ آپنے بہت ناراضگی ظاہر فرمائی۔ بلکہ مارنے کا ارادہ کیا اور کہا تم کو کس بات نے جرأت دلائی کہ تقسیم سے پہلے تم نے شہد لیلیا۔ امام حسن نے کہا کہ اس بات نے جرأت دلائی کہ جب ہمارا حق ملیگا۔ تو ہم اسقدر شہد واپس دیدیں گے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ بیشک شہد کی تقسیم میں تمہارا بھی حق ہے۔ لیکن تمہیں یہ حق کہاں سے حاصل ہو گیا۔ کہ تم اور لوگوں کے حق سے پہلے اس حق سے فایدہ اٹھاؤ[2]

ایک مرتبہ عقیلؓ کی امداد طلبی پر حضرت علی نے فرمایا آپ چند صبر کریں میں مسلمانوں کے حصوں کے ساتھ تمہارا حصہ بھی نکال دوں گا جب عقیل نے تعجیل سے کام لینا چاہا۔ تو آپ نے ایک آدمی سے فرمایا۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر بازار میں لیجا اور کہدے کہ دوکانوں کے قفل توڑ کر جو کچھ ان کے اندر ہو لیلے۔ جناب عقیل نے عرض کیا۔ آپ مجھ سے چوری کرانا چاہتے ہیں آپنے فرمایا کیا تم ہی مجھ سے چوری کرانا چاہتے ہو۔ کہ میں مسلمانوں کا مال تم کو دیدوں عقیل نے کہا میں معاویہ کے پاس چلا جاؤں گا۔ آپنے فرمایا تمہارا اختیار ہے۔[3]

امیر المومنین حضرت علی قاضی کی کچہری میں

جب آپ جنگ صفین میں شامل ہونے کے لئے تیار

---

[1] یہ واقعہ شمس التواریخ حصہ چہارم مطبوعہ آگرہ میں بالاختصار اور سیرۃ العباس حصہ اول میں ۱۸۷ و ۱۸۸ صفحہ پر بالتفصیل درج ہے

[2] سوانح عمری حضرت علی صفحہ ۱۸۵۔ (بحوالہ مطالب السئول)

[3] ،، ،، ۱۸۶ (بحوالہ اخرجہ ابن حجر فی الصواعق)

ہوئے ۔ تو زرہ باوجود تلاش کرنے کے نہ ملی ۔ آخر جب جنگ سے واپس آئے ۔ تو وہ زرہ ایک یہودی کے پاس نکلی ۔ آپ نے اس سے فرمایا ۔ نہ میں نے زرہ کسی کو دی نہ کسی کے ہاتھ بیچی ۔ پھر تیرے پاس کس طرح آگئی ۔ اس نے کہا یہ زرہ میری ہے ۔ اس لئے کہ میرے قبضہ میں ہے ۔ مقدمہ قاضی تک پہنچا ۔ نام اس کا شریح تھا ۔ قاضی نے آپ کا دعوےٰ اور یہودی کا جواب سنکر آپ سے کہا گواہ پیش کیجئے ۔ آپ نے فرمایا میرا بیٹا حسن اور میرا غلام قنبر موجود ہیں ۔ قاضی نے کہا بیٹے کی باپ کے لئے ۔ اور غلام کی آقا کے لئے شہادت قبول نہیں ہو سکتی ۔ فرمایا تعجب ہے کہ تم اہل جنت کی شہادت قبول نہیں کرتے ۔ کیا آنحضرت صلعم نے نہیں فرمایا حسن اور حسین جوانان جنت کے سردار ہیں ۔ یہ سُنکر یہودی یکایک چلا اٹھا ۔ آپ خواہ مخواہ مجھے قاضی کے پاس کھینچ لائے ۔ حالانکہ آپ امیرالمومنین ہیں ۔ اور قاضی آپ سے عام آدمیوں کی طرح جرح قدح کر رہا ہے ۔ بیشک یہ دین سچا ہے اور بیشک یہ زرہ آپ ہی کی ہے اور مسلمان ہو گیا [1] ۔ [1] تاریخ الخلفائے جلال الدین سیوطی (ترجمہ اردو) صفحہ ۹۹

حضرت علی کی خود ضبطی اور ایثارِ نفسی کی بےنظیر مثال

آنحضرت صلعم کے زمانہ میں حضرت علی ایک جنگ میں شامل تھے ۔ ایک کافر مدمقابل تھا ۔ جب اس کو گرا کر اس کے سینے پر چڑھے ۔ اور اس کے قتل کا ارادہ کیا ۔ تو اس نے آپکے منہ پر تھوک دیا ۔ یہ واقعہ حضرت مولانا روم نے بھی اپنی مثنوی میں لکھا ہے ۔ فرماتے ہیں ؎

اُو خدُو انداخت بر روئے علی ۔
افتخار ہر نبی و ہر ولی !

یہ دیکھکر آپ اس کے سینہ سے ہٹ گئے ۔ کافر نے کہا اے علی ! میرے تھوکنے سے تو تم کو اور زیادہ غصہ آنا چاہیئے تھا ۔ یہ کیا ؟ کہ مجھے سرے سے چھوڑ ہی دیا ۔ آپ نے فرمایا پہلی دشمنی تم سے خدا کے لئے تھی ۔ اب تو نے مجھ پر تھوکا ہے ۔ اس سے میرے نفس کو جوش اور غصہ تو ضرور آگیا ہے ۔ مگر اس حالت میں اگر قتل کر دوں تو یہ میرے نفس کی غیرت کا اظہار ہوگا ۔ اس کو غیرت الٰہی اور للہیت سے کوئی تعلق نہ ہوگا ۔ کافر پر اس ایثار نفسی کا ایسا اثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا [2] ۔ [2] شمس التواریخ جلد چہارم مطبوعہ آگرہ

اللہ اکبر ! ایک وہ زمانہ تھا ۔ کہ ایک دشمن وہ بھی تمام مسلمانوں کا دشمن باوجود مغلوب ہونے کے اپنی نامناسب حرکت سے اپنی انتہائی نفرت کا اظہار کرتا اور غصہ کو بھڑکانا چاہتا ہے ۔ مگر دوسری طرف مسلمانوں کے ضبط و تحمل ۔ ایثار نفس اور حسن اخلاق کا یہ عالم ہے ۔ کہ باوجود

اس کے واجب القتل ہونے کے اس خیال سے اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اس فعل ناشنولکے لعبد اگر اُس کو قتل کیا گیا۔ تو وہ ذاتی غم وغصہ کا نتیجہ سمجھا جائیگا۔ اور اس ایثار کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ا۔ دشمن۔ دوست بلکہ تابعدار اور جان نثار ہوجاتا ہے۔ اور آجکل یہ حال ہے کہ ذاتی عداوت اور کاوشوں کی وجہ سے تمام کام تباہ کئے جارہے ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس تباہی کو قومی خدمت بلکہ جانبازی وجان نثاری کا پروانہ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی کام کسی پہلو ٹھیک نہیں ہوتا۔

حضرت علی کی اپنے قاتل سے ہمدردی

چالیسویں ہجری اور رمضان کے مہینہ کی ۱۷ ویں تاریخ تھی۔ کہ حضرت علیؑ کو ابن ملجم شقی انقلب نے تلوار کے وار سے زخمی کیا۔ قاتل اسی وقت پکڑا گیا۔ آپ نے حسنین علیہما السلام سے فرمایا۔ تم نے اس آدمی کو قید تو کر لیا ہے۔ لیکن اس کا قتل اس وقت تک ملتوی رکھو۔ جبتک کہ میں نہ مرجاؤں (اخرجہ الفضائلی) اخرجہ احمد فی المناقب میں لکھا ہے حضرت امیر نے فرمایا۔ اگر میں مرجاؤں تو اس کو قتل کر دینا۔ اور اگر میں زندہ رہوں۔ تو صرف زخم کا بدلہ لیا جائیگا محب الطبری فی الریاض النضرۃ میں لکھا ہے۔ جان کا بدلہ جان ہے۔ اگر میں مرگیا۔ تو اس کو مار ڈالنا۔ اگر میں زندہ رہا۔ تو اس کی نسبت میں خود فیصلہ کروں گا۔ اے بنی مطلب میں مسلمانوں کا خون نہیں کرانا چاہتا۔ خبردار بجز میرے قاتل کے اور کسی کو نہ مارنا۔ اے حسن آگاہ رہو۔ کہ میرے قاتل کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا۔ رسول کریم صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے بچو۔ اگرچہ وہ کھٹکنا کتا ہی کیوں نہ ہو۔ اخرجہ ابو عمر میں لکھا ہے اگر میں زندہ رہا۔ تو مجھے اس کے بخشنے اور بدلہ لینے کا اختیار ہے۔ اگر میں مرگیا۔ تو اس کو ایک ہی ضرب سے مار ڈالنا ٹکڑے ٹکڑے نہ کرنا۔

اللہ اللہ کیا حلم تھا۔ قاتل سے (جس نے زہر میں بجھی ہوئی تلوار کا وار کیا ہو) اس قسم کی ہمدردی بھی کبھی سُنی ہے۔ آج یہ نوبت ہے کہ کسی سے ذرا سا اختلاف رائے بھی ہوجائے۔ تو رفتہ رفتہ وہ اختلاف عداوت و دشمنی تک جا پہنچتا ہے۔ اور اگر بس میں ہو تو اس کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا یہی وجہ ہے کہ بیگانے تو بیگانے ہی ہیں۔ اپنے بھی بیگانے ہورہے ہیں۔

حضرت علی کے زمانہ خلافت میں ایثار و خدا ترسی کا ایک واقعہ

حضرت علی کے زمانہ خلافت میں کوفہ میں کسی شخص کا ایک باغ تھا۔ ایک روز وہاں ایک رئیس ابو احمد تفریح کے طور پر وہاں گئے دیکھا تو وہ غلام جو باغ کی حفاظت پر نوکر تھا روٹی کھا رہا ہے اور اس کے سامنے ایک کتا بیٹھا ہے ایک لقمہ

وہ کتّے کو کھلاتا ہے اور ایک خود کھاتا ہے اور اس بات کا بڑا لحاظ رکھتا ہے کہ لقمے چھوٹے بڑے نہ ہوں جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو ابو احمد اس کے نزدیک گئے۔ اور اس غلام سے پوچھا۔ کہ کیا تم نے اس کتّے کو پال رکھا ہے۔ اس نے کہا نہیں یہ اجنبی کتا ہے بھوک کے مارے میرے سامنے بیٹھ کر ہانپنے لگا۔ میں کھانا کھا رہا تھا میں نے مروّت کے خلاف سمجھا کہ خدا کی ایک مخلوق میرے سامنے بھوکی بیٹھی رہے۔ اور میں شکم سیر ہو کر کھاؤں۔ اس لئے اس کو بھی کھلا دیا۔ ابو احمد نے کہا کہ کھلانے میں مضائقہ نہیں لیکن تم لقمے میں جانچ کیوں کرتے تھے۔ اور خوب برابر کر کے کیوں کھلاتے تھے۔ اس نے کہا میں نے نیت کر لی تھی۔ کہ اپنی روٹی میں سے آدھی خود کھاؤں گا۔ اور آدھی کتے کو کھلاؤں گا۔ اس لئے میں بہت خیال رکھتا تھا کہ لقمے چھوٹے بڑے نہ ہو جائیں جو میری نیت کے خلاف پڑیں اور اللہ تعالےٰ مجھے پکڑے۔ ابو احمد اس بات کو سُنکر بہت ہی خوش ہوئے۔ اور اس غلام کی بے انتہا عزت ان کے دل میں قائم ہو گئی۔ وہ اسی وقت اس باغ اور غلام کے مالک کے پاس گئے۔ اور دونوں کو خرید کر اس کی قیمت دیدی۔ اس کے بعد غلام کے پاس آئے اور کہا کہ تمہاری نیک نیتی اور ایثار سے میرا دل بہت خوش ہوا ہے۔ اس کے صلہ میں میں نے تم کو اور اس باغ کو خرید لیا۔ اب میں تم کو آزاد کرتا ہوں۔ اور یہ باغ دیتا ہوں۔ غلام نے بہت شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس احسان کے بدلے جو آپ نے آزاد کر کے مجھ پر کیا ہے۔ میں یہ باغ بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ یہ کہکر باغ کو چھوڑ کر وہ رخصت ہو گیا۔

یہ واقعہ ابراہیم حربی شاگرد امام احمد بن حنبل نے اسمعیل نام ایک بقال کو اس کے مجبور کرنے پر سنایا تھا۔ کہ ایثار و نیکی اور احسان کا بدلہ بسا اوقات دنیا میں بھی مل جاتا ہے۔ ابراہیم بن حربی نے طویل عمر پائی ہے مامون کے عہد میں جوان تھے معتضد کے عہد میں انتقال کیا۔ عمر قریبًا ۸۰ سال تھی۔

باب سوم

خلفائے بنی اُمیہ

فصل اوّل

امیر معاویہ و یزید بن معاویہ

امام حسن کے انتقال پر امیر معاویہ کی خوشی اور ابن عباس کی سرزنش

وقت آیا کہ حضرت علی کی خلافت و شہادت کے بعد خلافت کا تاج امام حسن کے فرقِ مبارک پر رکھا گیا۔ لیکن حالات اس قدر تغیر پذیر ہو چکے تھے۔ اور معاویہ[1] کی طاقت اس قدر زبردست ہو چکی تھی۔ کہ امام حسن چین سے نہ بیٹھ سکے۔ آخر ۶ ماہ کے بعد ہی انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ معاویہ کو ان کی گوشہ نشینی بھی دوبھر تھی۔ اس نے بستانِ مصطفوی کے اس سہانے اور نازک پھول کو دامن خاک کرنے کے لئے یہ تدبیر سوچی کہ سیدنا امام حسن کی زوجہ جعدہ کو بہکایا۔ کہ اگر تو امام کا کام تمام کر دے گی۔ تو میں اپنے بیٹے یزید سے تیرا نکاح کر دوں گا۔ وہ شقیہ "بادشاہ بیگم" بننے کے لئے شاہان جنت کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئی چنانچہ زہر کے لئے امام حسن کی شہادت کا ہولناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت امام حسین اس وقت اپنے پیارے بھائی کے پاس موجود تھے۔ عرض کیا کس پر شبہ ہے؟ فرمایا۔ اگر وہ ہے جو میرے خیال میں ہے۔ تو اللہ بڑا بدلہ لینے والا ہے۔ اور اگر وہ نہیں۔ تو میں بیگناہ سے عوض نہیں لینا چاہتا ؏

[1] ۷۷ سال کی عمر پائی ۶۰ھ سال وفات ہے بلکہ ۴۱ھ میں خلافت پر قبضہ کیا۔ خلافت سے پیشتر ۲۰ برس شام کے امیر رہے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق نے آپ کو شام کا گورنر بنایا۔

واہ کیا حلم ہے اپنا تو جگر ٹکڑے ہوا
پھر بھی ایذائے ستمگر کے روادار نہیں

شہادت امام حسن کی خبر امیر معاویہ کو بھی پہنچی۔ اپنی خوشی کو چھپا نہ سکا۔ اسی دن حضرت عبداللہ ابن عباس ملنے آئے۔ کہا معلوم ہے حسن کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا نہیں۔ امیر معاویہ نے کہا ہمارے پاس خبر آگئی ہے۔ آپ نے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا۔ اور کہا اے معاویہ حسن کی موت سے تمہاری عمر میں افزونی نہیں ہو سکتی۔ نہ ان کے اعمال تمہاری قبر میں جائیں گے۔ ہم تو اس سے بڑی مصیبت ان کے نانا کی رحلت کی جھیل چکے ہیں۔ یہ کہکر اٹھ کھڑے ہوئے۔ امیر معاویہ نے کہا بیٹھئے۔ فرمایا آج بیٹھنے کا دن نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کے دوسرے بھائی حضرت قثم ابن عباس نے امیر معاویہ کو ایک سرزنش نامہ لکھکر بھیجا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

فاتق اللہ واحدث توبۃ　　ان ما کان کشئی لم یکن

یعنی اے معاویہ تم نے امام حسن کے انتقال پر خوشی ظاہر کی۔ افسوس ہے۔ تم اللہ سے ڈرو اور توبہ کرو۔ کیونکہ جو چیزیں دنیا میں ہیں ایکدن فناہ ہو جائیں گی۔ بقول شاعر ؎

اے دست بر جنازۂ دشمن چو بگذری
خنداں مشو کہ بر تو ہمیں ماجرا رود

مسئلہ خلافت مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر طے نہیں ہو سکتا

معاویہ بن سفیان مسلمانوں میں پہلا شخص تھا جس نے اپنی حین حیات اپنے بیٹے یزید کیلئے بیعت لی۔ ابن عمر۔ ابن ابوبکر اور ابن زبیر یہ وہ لوگ تھے جن سے بیعت لینے کے لئے معاویہ نے مقدور بھر کوشش کی۔ لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی جب مروان نے خطبہ میں کہا کہ میں سنت ابوبکر و عمر پر معاویہ کے بیٹے یزید کی بیعت لیتا ہوں۔ تو حضرت عبدالرحمان بن ابوبکر نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ بالکل غلط کہتے ہو۔ یوں کہو کہ سنت کسریٰ و قیصر پر۔ کیونکہ حضرت ابوبکر یا عمر نے باوجود اپنے بیٹوں کی موجودگی کے کسی کی بیعت نہیں لی تھی۔ ۵۱ھ میں امیر معاویہ نے بعد از حج ابن عمر کو بلایا اور کہا میں نے سنا ہے تم میرے بیٹے کی خلافت کے مخالف ہو۔ ابن عمر نے کہا بیشک۔ کیونکہ تم سے پہلے جو خلفا گذرے ہیں۔ ان کے بھی بیٹے تھے تمہارا بیٹا ان کے بیٹوں سے بہتر نہیں ہے لیکن انہوں نے خلافت کو مسلمانوں کے مشورہ پر چھوڑ دیا اپنی وراثت نہیں بنا لی۔ امر خلافت مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر طے نہیں ہو سکتا۔ جس کو وہ

چاہیں۔ انتخاب کریں میں بھی انہیں میں شامل ہوں۔ معاویہ نے ان کے بعد ابن ابوبکر (حضرت عبدالرحمان) کو بلایا۔ اور ان سے بھی وہی کہا۔ جو ابن عمر سے کہا تھا۔ لیکن آپ نے بھی یہی کہا کہ اس معاملہ میں عام مسلمانوں کا مشورہ نہایت ضروری ہے۔ پھر ابن زبیر کو بلا کر کہا۔ تم نے ان دونوں آدمیوں ابن عمر اور ابن ابوبکر کے کانوں میں کچھ پھونک دیا ہے۔ ابن زبیر نے کہا۔ اگر تم ایسے ہی خلافت سے بیزار ہو گئے ہو۔ تو تخت چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ اپنے بیٹے کو لے آؤ۔ ہم بیعت کر لیں گے۔ مگر یہ تو بتاؤ تمہاری اور اس کی بیعت کے ہوتے ہوئے ہم کس کی اطاعت کریں۔ دو بادشاہوں کی بیعت ایک وقت نہیں ہو سکتی۔

امیر معاویہ کے دربار میں اس کے خلاف حق گو عورتوں کے بیانات

سلیم التواریخ[1] میں بحوالہ عقد الفرید[2] ان چند عورتوں کے حالات درج ہیں جو جنگ صفین[3] میں بنی ہاشم کی طرفدار تھیں اور عین جنگ کے موقع پر اہل شام کے خلاف نہایت جوش و خروش کے ساتھ حضرت علیؓ کے لشکر کو ابھارنے کے لئے خطبے اور اشعار پڑھتی تھیں۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد جب امیر معاویہ نے جواب طلبی کے لئے ان کو بلوایا تو انہوں نے نہایت آزادی۔ دلیری۔ اور اخلاقی جرأت کے ساتھ اپنے دلی خیالات ظاہر کئے اور جس بات کو وہ اپنے نزدیک حق جانتی تھیں۔ اس کے اظہار میں امیر شام کا رعب وداب بھی اُن پر غالب نہ آسکا۔

قرون اولیٰ کی مسلمان عورتوں کی بےغرضی راست بازی اور حق گوئی واحسرتا کہ آج چودھویں صدی کے مسلمان مردوں میں بھی نظر نہیں آتی۔ اظہار حق کے لئے جو بےباکی و آزادی سلف صالحین میں تھی اور شاہان سلف باوجود اقتدار اور اختیارات کے تلخ و ناگوار مگر سچی اور بےلوث باتیں سننے میں جس تحمل و فراخ حوصلگی کا ثبوت دیتے اور اعیان دربار کے سامنے رعیت کے ضعیف ترین فرقہ (اناث) کو اپنے اور اپنے ظالم حکام کے اوپر اعتراض اور خوردہ گیری کرنے کا جو موقع دیتے تھے۔ آج یہ سب باتیں خواب و خیال ثابت ہو رہی ہیں ٭

[1] سلیم التواریخ (مصنفہ مولوی محمد اکبر علی صاحب صوفی محقق جالندہری) قریباً ۸۰۰ صفحہ کی یہ ضخیم و جسیم تاریخ ہے۔ جو کہنے کو تو راعین قوم کی تاریخ ہے۔ مگر اسی ذیل میں عربوں کی فتوحات اور اسلام کی مجمل تاریخ کا بھی ذکر ہے [2] عقد الفرید۔ یہ کتاب میری نظر سے نہیں گذری۔ اس کتاب کی چند حکایتوں کا ترجمہ اردو میں شمس العلما مولانا حالی مرحوم نے عرصہ ہوا کیا تھا۔ جو انجمن حمایت اسلام لاہور کے رسالہ ماہ دسمبر ۱۹۰۵ء میں بھی چھپ چکا ہے۔ اور وہاں سے صاحب مصنف سلیم التواریخ نے اپنی کتاب میں اقتباس کیا ہے [3] صفین دریائے فرات کے کنارے ایک گاؤں ہے۔ جہاں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ اور امیر معاویہ کے درمیان لڑائی ہوئی تھی۔ یہ لڑائی غرہ صفر میں ہوئی تھی۔

وہ صورتیں الہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

عورتوں کی حق گوئی اور امیر معاویہ کے حلم و بردباری کی کچھ کیفیت واقعات ذیل سے بخوبی معلوم ہوسکیگی۔

بنی ہلال کے قبیلہ کی ایک عورت بکارہ نام امیر معاویہ کے دربار میں حاضر ہوئی۔ عمر رسیدہ تھی بینائی میں بھی فرق تھا۔ اور بدن میں رعشہ تھا۔ معاویہ نے سلام کا جواب دیا اور کہا افسوس زمانہ نے تمہارا حال دگرگوں کر دیا۔ بکارہ بولی بیشک اس کی گردشیں ایسی ہی ہیں۔ مروان نے کہا امیر المومنین نے اس کا کلام بھی سُنا ہے۔ وہ کہتی ہے۔

نرلی ابن الھند للخلافة مالکاً ھیھات ذاك وان اراد بعید
منتك نفسك فی الخلاء ضلالة اغراك عمرو الشقا وسعید

یعنی کیا ہم ابن ہند (معاویہ) کو خلافت کا مالک سمجھیں۔ یہ دور از قیاس ہے۔ اور اگر وہ ایسا چاہے تو اس کے مرتبہ سے بالاتر ہے۔ اے معاویہ تیرے نفس نے گمراہی سے یہ آرزو تیرے دل میں ڈالی ہے اور عمرو بن العاص اور سعید بن العاص نے تجھ کو بدبختی کے لئے ورغلایا ہے۔

مروان کے بعد سعید ابن العاص نے یہ تین شعر بکارہ کے معاویہ کو سنائے

قد کنت اطمع ان اموت ولا اریٰ فوق المنابر من امیة خاطبا
فالله اخر مدتی فتطاولت حتی رائیت من الزمان عجائبا
فی کل یوم الزمان خطیبھم بین الجمیع لآل احمد عائبا

یعنی میری آرزو تھی کہ میں مرجاؤں اور بنی امیہ میں سے کسی کو ممبر پر خطبہ پڑھتے نہ دیکھوں۔ مگر خدا نے میری رسی دراز کر دی۔ یہانتک کہ زمانے کے عجیب عجیب کرشمے میری نظر سے گذرے۔ اور میں برابر ان کے خطیبوں سے علی الاعلان آل احمد کی برائیاں سنتی رہی۔
بکارہ نے کہا۔ اے معاویہ انکرنے سے کچھ حاصل نہیں جھوٹ سے کچھ فایدہ نہیں۔ اور جھوٹی خوشامد کی عادت نہیں اس لئے ان دونوں صاحبوں نے جو کچھ پڑھا ہے وہ میرا ہی کلام ہے۔ لیکن جو کلام ان کو معلوم نہیں ہے اور انہوں نے نہیں پڑھا۔ وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ معاویہ نے ہنسکر کہا ہوگا۔ لیکن یہ امر تمہاری حاجت براری کرنے سے مجھکو مانع نہیں آسکتا تم اپنی حاجت بیان کرو میں فراخ دلی کے ساتھ اسے پورا کردوں گا غیرت مند عورت نے

جواب دیا۔ اس بے لطفی کے بعد اظہار حاجت نامناسب ہے۔ یہ کہا اور اٹھکر چلی گئی
معاویہ کے پاس عمرو سعید عتبہ اور ولید موجود تھے۔ عدی ابن قیس ہمدانی کی بیٹی زرقا کا ذکر
چلا جو اپنی قوم کے ساتھ جنگ صفین میں شریک تھی۔ سب نے اس کے اشعار سنائے جن سے اس کی قوم
اشتعال میں آکر معاویہ کی فوجوں پر حملے کرتی تھی۔ امیر نے کہا بتاؤ اس کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے
مصاحبوں نے یہ دیکھکر کہ امیر غصہ میں ہے۔ اور اس کا منشا اس کو سزا دینے کا ہے۔ کہا اس کا قتل واجب
ہے۔ امیر معاویہ نے ترشرو ہو کر فرمایا بہت برا مشورہ ہے۔ جو تم نے دیا ہے۔ کیا مجکو ایک ایسی عورت
کا قاتل مشہور کر کے دنیا میں بدنام کرنا چاہتے ہو۔ جو اس وقت میرے ملک میں اور میرے قابو
میں ہے۔ زرقا اس وقت کوفہ میں تھی۔ معاویہ نے عامل کوفہ کو خط لکھا۔ زرقا کو عزت و احترام کیساتھ
چند معتمد محرموں اور قبیلہ کے سرداروں کے ہمراہ اس طرف روانہ کرو۔ عامل نے زرقا کو طلب
کیا۔ اور امیر کا پیغام سنایا۔ زرقا نے کہا اگر امیر نے میرا دہاں جانا میری مرضی پر رکھا ہے۔ تو مجھے
جانے میں عذر و انکار ہے۔ اور اگر حتمی حکم ہے۔ تو بہر حال جانا پڑے گا۔ غرض عامل نے اس کو
تزک و احتشام کے ساتھ روانہ کر دیا جب معاویہ کے پاس پہنچی۔ تو پوچھا سفر کس طرح طے ہوا؟
کہا جس طرح لڑکی ماں کی گود میں پرورش پاتی ہے۔ یا بچہ گہوارہ میں سوتا ہے۔ کہا ہم نے اسی طرح
عامل دگور نر کو ہدایت کی تھی۔ پھر کہا تم کو معلوم ہے کہ تم کیوں بلائی گئی ہو۔ کہا جو راز مجبہ سے
پوشیدہ ہے میں کیونکر اس سے آگاہ ہو سکتی ہوں۔

امیر معاویہ۔ اے زرقا کیا تو جنگ صفین میں سرخ اونٹ پر سوار موجود نہیں تھی۔ اور کیا تو اپنے
خطبوں کی تیز و تند ہوا سے آتش حرب کو بھڑکا نہیں رہی تھی۔ اور لوگوں کو قتل و خون میں لتھڑنے کے
لئے جوش نہیں دلا رہی تھی۔ آخر اس کا سبب ؟

زرقا۔ امیر المومنین زمانہ انقلاب انگیز ہے ۵ یہ یک لحظہ بیک ساعت بیک دم۔ دگرگوں
ہشو د احوال عالم۔ حوادث و واقعات کا سلسلہ برابر جاری ہے

امیر۔ زرقا تجھکو اپنا اس دن والا خطبہ یاد ہے۔

زرقا۔ واللہ مجکو یاد نہیں

امیر۔ مجکو تو یاد ہے سنو! تم اپنی فوج اور اپنے قبیلہ کے جوانوں کو خطاب کر کے کہہ رہی
تھیں۔ تم اس فتنے سے بچو۔ جو ظلمت کے پردے ڈال رہا۔ اور لوگوں کو راہ راست سے بہکا
رہا ہے۔ یہ کیسا اندھا بہرا اور گونگا فتنہ ہے۔ کہ نہ ہانکنے والوں کی ہانک سنتا ہے۔ اور

نہ کھینچنے والے کی مرضی پر چلتا ہے۔ دیکھو چراغ آفتاب کے سامنے روشن نہیں ہوتا (یعنی علیؓ کی موجودگی میں معاویہ کی کوئی ضرورت نہیں) ستارے چاند کے سامنے ماند رہتے ہیں پس اے مہاجرین یاد رکھو عورتوں کی آرائش مہندی سے ہے اور مردوں کی خون سے!

ان الفاظ کے سنانے کے بعد امیر نے کہا۔ اے زرقا جو خون علی نے بہائے۔ ان میں تو بھی شریک تھی؟

زرقا۔ امیر المومنین خدا آپ کا بھلا کرے۔ گذشتہ واقعات سنا کر آپنے میرے دل کو پُر جوش بنا دیا۔ اور میری مردہ روح کو پھر زندہ کر دیا۔

امیر۔ کیا اس بات سے کہ سفک دما میں تم علی کے ساتھ شریک تھیں تم کو خوشی ہے۔

زرقا۔ نہ صرف خوشی بلکہ فخر۔ امیر المومنین کو میرے خیالات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا۔

امیر معاویہ۔ علیؓ کے ساتھ تیری وفاداری اس کی وفات کے بعد زیادہ قابل عزت ہے۔ بہ نسبت اس محبت وعقیدت کے جو اس کی زندگی میں تم اس کے ساتھ رکھتی تھیں۔ اے زرقا! جس چیز کی تجھے خواہش ہو مجھ سے مانگ۔ تجھ جیسی قابل۔ وفادار اور حق گو عورت کی ضروریات کا پورا کرنا میرا فرض ہے۔

زرقا۔ جس کے برخلاف میں ہمیشہ اپنے خیالات ظاہر کرتی رہی۔ لڑائیوں میں فوجوں کو بھڑکاتی رہی۔ اب اس سے کس منہ سے سوال کروں۔ بغیر سوال اور خواہش کے جو کچھ عنایت ہوگا۔ اس کو بسروچشم قبول کروں گی۔[1]

[1] سیم التواریخ صفحہ ۲۱۴۔

ام سنان کی آزادانہ گفتگو امیر معاویہ سے

امیر معاویہ نے زرقا اور اس کے ہمراہیوں کو انعام واکرام اور خلعت دیکر رخصت کیا اور درباریوں سے اس کی آزادانہ روش کی تعریف کی۔ معاویہ کیطرف سے مروان گورنر مدینہ تھا۔ اکثر لوگ اس کی خودرائیوں اور سختیوں کے شاکی تھے۔ مگر دربار معاویہ میں کسی کو شکایت کی جرأت نہ تھی۔ ایک لڑکے کو اس نے کسی قصور پر یا کسی بہانے سے قید کر دیا اس کی دادی اُم سنان بنت خیثمہ مروان کے پاس پہنچی۔ اور اس کی بیگناہی اور اپنی ضعیفی کا اظہار کیا۔ مگر مروان نے ایک نہ سُنی۔ آخر وہ تنگ آکر معاویہ کے دربار میں گئی۔ اپنا حسب نسب بیان کیا۔ امیر معاویہ نے پہچانکر کہا۔ تو وہی تو نہیں جو ہم پر تبرّا کرتی تھی۔ اور ہمارے دشمنوں کو ہمارے مقابلہ پر برانگیختہ کرتی تھی۔

اُمّ سنان۔ اے معاویہ عبد مناف کی اولاد کو اخلاق پاکیزہ اور علم وسیع دیا گیا ہے

وہ واقف ہوکر انجان نہیں بنتے اور حلم کے بعد سفاہت اختیار نہیں کرتے اور عفو کے بعد انتقام نہیں لیتے۔

امیر معاویہ۔ بیشک ہم ایسے ہی ہیں۔ مگر کیا تم وہی تو نہیں ہو! جس نے اپنے اشعار میں علی مرتضیٰ کی مدح و ثنا اور انکے مخالفین کی تضحیک کی تھی۔ اور کچھ اشعار بھی ساتھ پڑھے۔

اُم سنان۔ بیشک یہ اشعار میرے ہی ہیں۔ لیکن میں امید کرتی ہوں۔ کہ آپ ہمارے لئے (علی کے بعد) بہتر خلیفہ ثابت ہوں گے۔

امیر کے ایک درباری نے جو پاس ہی بیٹھا تھا اُم سنان کے کچھ اور اشعار پڑھے جو بہت زیادہ سخت الفاظ میں تھے۔ امیر کا دل اور مکدّر ہو گیا۔ یہ حالت دیکھکر اُم سنان نے کہا۔

"اے امیر المومنین تیرے ایسے ہی مصاحبوں نے مسلمانوں کو تجھ سے ناراض کر رکھا ہے۔ ان کی باتوں کو جو خود غرضی اور جھوٹی خوشامد پر محمول ہوتی ہیں۔ حقیر جان اور ان کو اپنا مقرب نہ بنا۔ اگر تو ایسے مصاحبوں سے بچتا رہے گا۔ تو خدا کا قرب نصیب ہونے کے علاوہ مومنوں کے دلوں میں تیری جگہ ہوگی۔ تو ہمارے دلی خیالات سے واقف ہے ہم ان لوگوں میں نہیں ہیں۔ جو منہ پر تعریف کریں اور پیٹھ پیچھے بُرا بھلا کہیں جو چیز ہمارے دلوں میں جاگزین تھی۔ ہم اس کو تجھ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ لیکن اب جبکہ وہ نہیں ہے ہم علی کے بعد تجکو ہی اور لوگوں کی نسبت زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔

امیر معاویہ۔ اور لوگوں سے تمہارا کیا مطلب ہے؟

اُم سنان۔ مروان ابن الحکم اور سعید بن العاص (جو تجھے اور تیری حکومت کو بدنام کر رہے ہیں)

معاویہ۔ میرے ساتھ محبت و عقیدت کی کیا وجہ ہے؟

اُم سنان۔ تمہارے حلم کی وسعت اور تمہارے عفو و درگذر کے سبب سے!

معاویہ۔ یہاں کیونکر آنا ہوا؟

اُم سنان۔ مروان حاکم مدینہ کی شکایت لیکر آئی ہوں۔ نہ وہ انصاف کے ساتھ حکومت کرتا ہے۔ نہ شریعت کے موافق فیصلے۔ خلق خدا اس سے تنگ ہے۔ میرا پوتا بھی اس نے جیل میں ڈالدیا ہے۔ میں اس کے پاس داد خواہی کے لئے گئی تھی۔ مگر وہ پتھر سے بھی زیادہ

کرخت اور حنظل سے بھی زیادہ کڑوا نکلا۔ اب میں مجبور ہو کر اُس دربار میں آئی ہوں۔ جہاں مروان کی نسبت زیادہ عفو اور درگذر کی امید ہے۔

امیر معاویہ نے کاتب (میر منشی) کو اشارہ کیا۔ کہ رہائی کا حکم لکھکر ام سنان کے حوالے کر دو اور اس کی صاف گوئی۔ اور اظہار حق وصداقت میں بے خوفی و بے جگری کی وجہ سے پانچہزار درہم زاد راہ کے لئے اور ایک اونٹ سواری کے لئے دیکر اسکو رخصت کیا۔ (سلیم التواریخ باب ۱۳ ص ۴۱)

معاویہ سے بغض کیوں ہے؟ اور علی سے محبت کیوں تھی؟

امیر معاویہ نے ایک مرتبہ موسم حج میں بنی کنانہ کی ایک عورت کو جو مدینہ میں قیام کرنے کی وجہ سے دارمہ حجونیہ کے نام سے مشہور تھی۔ بلوایا اور پوچھا۔ دارمہ! جانتی ہے کہ تجکو کیوں بلایا گیا ہے؟

دارمیہ۔ غیب کا علم خدا ہی کو ہے۔

معاویہ۔ کیا یہ صحیح ہے کہ تو علیؓ کے ساتھ محبت رکھتی تھی۔ اور اسمیں تو نے مجھ سے کیا بڑائی دیکھی؟

دارمیہ۔ علیؓ سے مجھے اس لئے محبت تھی۔ کہ وہ رعیت کے ساتھ انصاف کرتا تھا۔ سب کو استحقاق کے موافق حقوق دیتا تھا۔ مسکینوں سے محبت رکھتا اور دینداروں کی تعظیم کرتا تھا اور تجھ سے بغض کی یہ وجہ تھی۔ کہ تو اپنے سے افضل کے ساتھ لڑا۔ اور جس کا تو مستحق نہ تھا اس حق کا طالب ہوا۔ تو نے خونریزی کرائی۔ فیصلوں میں ناانصافی اور ہوائے نفس کے موافق حکومت کی۔ اس کو تیری طرح حکومت نے فتنہ میں نہیں ڈالا اور دولت نے تیری طرح اسکو غافل نکیا۔

امیر۔ تو نے اس کا کلام بھی سُنا؟

دارمیہ۔ کیوں نہیں خود اس کی زبان سے۔ اس کا کلام تاریکی سے دلوں کو اس طرح جلا کرتا تھا۔ جیسے تیل برتن کا زنگ چھڑا دیتا ہے۔

امیر۔ اگر کوئی ضرورت ہے تو بیان کر میں تیری کھری کھری باتوں سے بہت خوش ہوا۔

دارمیہ۔ مجھے سو اونٹنیاں سُرخ رنگ کی درکار ہیں۔ جن کے ساتھ انکے دربان بھی ہوں

امیر۔ اگر میں سو اونٹنیاں تجکو دیدوں۔ تو پھر تیرے دل میں علی کے برابر میری جگہ ہوگی یا نہیں۔

دارمیہ۔ سبحان اللہ۔ یہ آرزو!

امیر نے جواب میں دو شعر پڑھے ؎

اذا لم اعد ابالحلم منی علیکم　　　فمن ذا الذی بعدی یومل للحلم

خذ بہا ھنیئاً واذکری فعل ماجدٍ — جزاک علی حرب العداوۃ بالسّلم

یعنی میں اگر تمہارے ساتھ فراخ حوصلگی سے پیش نہ آؤں۔ تو پھر کون ہے میرے بعد۔ جس سے اس کی امید کی جائے۔ یہ اونٹنیاں تجکو مبارک ہوں اور یاد رکھ اس شخص کو جس نے تیرے ساتھ عداوت کی جگہ صلح کا سلوک کیا ہے۔

اس کے بعد امیر نے کہا۔ واللہ اگر علی زندہ ہوتا۔ تو ان حالات میں ایک اونٹنی بھی تجکو نہ دیتا۔ دارمیہ نے کہا واللہ یہ سچ ہے اونٹنی تو اونٹنی وہ بلی کا ایک بچہ تک بھی مسلمانوں کے مال میں سے دینے والا نہ تھا۔ ؎ سلیم التواریخ باب ۱۳ صفحہ ۳۱۸

ام الخیر کا بیباکانہ کلام امیر معاویہ سے

امیر معاویہ نے ایک مرتبہ کوفہ کے والی کو لکھا کہ ام الخیر بنت حریش ابن سراقہ کو بہ عزت واحترام ہمارے پاس روانہ کردو۔ ام الخیر بڑی آزاد خیال اور بیباک عورت تھی۔ وہ اہل شام سے لڑنے اور حضرت علی کا ساتھ دینے کے لئے اپنے فصیح وبلیغ اور پُر زور اشعار لوگوں کو سنایا کرتی تھی۔ جب وہ دربار میں آئی۔ تو اس نے اسلام علیک یا امیرالمومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کے الفاظ سے امیر کو سلام کیا۔ امیر نے جواب مسنون دے کر شکریہ ادا کیا۔ کہ تم نے مجھے امیرالمومنین کے لقب سے یاد کیا ہے۔

ام الخیر۔ لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ یعنی ہر چیز کی مدت معین ہے

امیر نے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد پوچھا۔ عمار یاسرؓ کے قتل کے وقت تم نے کیا خطبہ پڑھا تھا؟

ام الخیر۔ اگر پہلے سے تیار کیا ہوتا۔ تو یاد بھی رہتا۔ چند جملے تھے جو صدمہ کے سبب ٹپک پڑے تھے۔ اس موقعہ کے بعد کبھی خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ کہ کیا کہا اور کب کہا۔ اس کے سوا اگر کوئی اور کلام آپ سننا چاہتے ہیں تو حاضر ہوں۔

امیر اپنے مصاحبوں کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کسی کو اس کا کلام یاد ہے۔ ایک نے جس کو کچھ یاد تھا۔ ام الخیر کے اس بلیغ خطبے کے چند فقرے امیر کے سامنے پڑھے۔ جن میں علی مرتضےٰ کے فضایل ومناقب کا ذکر تھا۔ اور اہل شام سے لڑنے کی تحریک کی گئی تھی امیر نے یہ کلام سنکر کہا۔ ظاہر ہے کہ اس کلام سے تیرا مطلب میرے قتل کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اگر میں تجھے قتل کرا دوں۔ تو اسمیں کوئی قباحت اور ہرج نہیں ہے

ام الخیر۔ واللہ مجکو ہرگز شاق نہیں۔ کیونکہ آپ کی شقاوت سے مجھے سعادت بلکہ

شہادت نصیب ہوگی۔

امیر۔ عثمانؓ بن عفان کے باب میں تو کیا کہتی ہے۔

ام الخیر۔ جب وہ خلیفہ ہوئے۔ تو لوگ اس سے راضی تھے۔ اور جب ان کی شہادت کا واقعہ ظہور میں آیا۔ تو ناراض تھے۔

امیر۔ یہ ایسی ہی (گول مول) ہوتی ہے

ام الخیر۔ خدا گواہ ہے۔ اس سے کوئی اور مطلب نہیں۔ وہ بالیقین اولین میں سے تھے۔ اور بیشک آخرت میں ان کا درجہ بلند ہوگا۔

امیر۔ زبیر کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

ام الخیر۔ جن کے جنتی ہونے کی شہادت رسول مقبولؐ خود دے چکے ہوں۔ اور جو رسول اللہ کی پھوپھی کے بیٹے اور ان کی ہر مصیبت کے ساتھی ہوں۔ ان کے حق میں میری رائے کیا وزن رکھتی ہے؟

اس کے بعد ام الخیر نے کہا اے معاویہ تو قریش میں احلم الناس مشہور ہے۔ ان سوالوں سے مجھے معذور رکھ۔ ان کے سوا اور جو تیرا جی چاہے۔ مجھ سے پوچھ لے۔ امیر نے سوالات موقوف کئے۔ اور معقول رخصتانہ دیکر اسے رخصت کیا[1] [1] سلیم التواریخ باب ۱۲ ب صفحہ ۳۱۹

حضرت امام حسین کی بیتابی شہادت حق وصداقت کیلئے کچھ لوگ تو معاویہ کی زندگی ہی میں اس کے بیٹے یزید کی بیعت کے لئے تلوار کے زور اور جان کے خوف سے اس کی ولیعہدی کو تسلیم کر چکے تھے۔ مگر ابھی کئی لوگ ایسے موجود تھے۔ جنہوں نے ایک بدچلن۔ شرابی اور بدکار کی بادشاہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اسلام نے مسلمانوں کو اپنا خلیفہ اجتماع اور مشورہ کے ساتھ مقرر کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ تلوار کا رعب دکھا کر۔ یزید[1] جب تخت پر بیٹھا۔ تو اس نے ولید بن عقبہ حاکم مدینہ کو خط لکھا کہ جس طرح ہو۔ امام حسین۔ عبداللہ بن عمر فاروق۔ عبدالرحمان بن ابوبکر صدیق اور عبداللہ بن زبیر کو میری بیعت پر آمادہ کرو۔ چونکہ امام حسین کا اثر سب سے زیادہ تھا۔ ولید بن عقبہ نے ان کو بلایا اور یزید کا منشا ظاہر کیا آپ نے فرمایا کیسی طرح ممکن نہیں۔ کہ ایک فاسق۔ فاجر۔ بدکار۔ زانی اور اخبث ترین شخص کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔ سید الشہدا اور ان کی جماعت کے اس انکار سے اسلام کی کمال حرمت ٹپکتی ہے۔ اگر آپ دنیاوی وجاہت

---

[1] النبی والاسلام وتاریخ الخلفا مصنفہ علامہ جلال الدین سیوطی ۲۲ھ یا ۲۵ھ میں پیدا ہوا ۶۰ھ میں تخت پر بیٹھا۔ ۶۴ھ میں وفات پائی۔

یا ذاتی اغراض کے دلدادہ ہوتے یا صداقت سے جان چھپاتے۔ تو یزید کی بیعت سے کبھی انکار نہ فرماتے کیونکہ وہ آپ کو اپنی بیعت کے صلہ میں ہر نعمت دینے کو تیار تھا۔ لیکن یہ کس طرح ممکن تھا کہ آپ اپنی جان کے خوف سے اپنی خاندانی صداقت و حق پژوہی اور اس جرأت و حریت کو خیرباد کہہ دیتے جو اسلام نے آپ کو سکھائی تھی۔ اور جس کی تعلیم آپ نے اپنے نانا رسول کریم صلعم اور اپنے باپ حضرت علی مرتضیٰ کی آغوش میں حاصل کی تھی اہل کوفہ کے دعوت دینے پر آپ کوفہ کو روانہ ہو گئے۔ مگر جس طرح اہل کوفہ نے حضرت علی آپ کے باپ اور حضرت امام حسن آپ کے بھائی کے ساتھ دغا کیا تھا۔ وہی فریب آپ کے ساتھ بھی کیا۔ اور صلح کر لینے اور یزید کی پناہ میں آجانے کا مشورہ دیا مگر آپ نے یہ مشورہ منظور نہ فرمایا۔ آخر آپ ۱۰ محرم کو شہید ہو گئے۔ آپ کے اہل بیت میں سے بھی سولہ آدمی شہید ہوئے۔ یہ واقعہ کربلا میں ہوا اس کا قصہ بڑا طویل ہے۔ اور کوئی قلب اس کے سننے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

یہ ہولناک واقعہ ہم کو ایثار۔ قربانی۔ حق گوئی صبر اور استقلال کا سبق سکھاتا ہے۔ امام حسین اور ان کی جماعت کی کثیر تعداد نے شہید ہو جانا منظور کیا۔ اپنی آنکھوں کے سامنے جوان بیٹے قتل کرائے اپنی گودیوں میں معصوم بچوں پر تیر چلوائے۔ خود جان بحق ہو گئے۔ مگر ایک فاسق۔ فاجر اور بدکار بادشاہ کے ہاتھ پر جو صرف اپنی طاقت اور تلوار کے زور سے اپنی حکومت کا سکہ بٹھانا چاہتا تھا بیعت نہ کی ان کی شہادت ہمارے لئے ایک نمونہ تھی ایک سبق تھی لیکن کتنے لوگ ہیں جو اس پر عمل کر رہے ہیں۔

جو حق کے دشمن تھے۔ جو آزادی و حریت کو کچلنا چاہتے تھے۔ جو اپنی حکومت و سلطنت کے رعب میں حقانیت پر پردہ ڈالنا چاہتے تھے جنہوں نے ذاتی اغراض نام و نمود اور حصول اعزاز کے لئے فدایان حق کا ساتھ چھوڑا۔ ان کی گردنیں کٹوائیں۔ وہ آج کہاں ہیں۔ بارہ سو برس سے ان پر متواتر تمام دنیا کی لعنت برس رہی ہے۔ کوئی ان کا نام لیوا بھی نہیں۔ لیکن جن خدا کے بندوں نے سچائی کے اظہار کلمات حق اور احیائے سنت کے لئے اپنی گردنیں کٹوا دیں۔ بارہ سو سال سے چالیس کروڑ انسان ان کے خون ناحق کا ماتم کرتے ہیں۔ ان کے نام کا ادب و احترام کرتے ہیں اور جن کو خدا نے توفیق عمل دی ہے۔ وہ امام حسین کی اس شہادت و ایثار نفسی سے فایدہ بھی اٹھاتے ہیں۔

فصل دوم

خلیفہ عبدالملک و ولید و سلیمان وغیرہ

حضرت عبداللہ بن زبیر کو ان کی والدہ کی نصیحت

عبدالملک بن مروان (خلافت ٦٣ھ بقول بعض ٦٥ھ تا ٨٦ھ) بڑا عالم اور پُر ہیبت بادشاہ گذرا ہے۔ حجاج بن یوسف جس نے اپنی شقاوت قلبی سے ہزارہا مسلمانوں کا خون کیا ہے۔ پہلے اسی کا وزیر تھا عبدالملک کے بیٹے ولید نے اسے وزارت سے ہٹا کر عراق و فارس کا گورنر بنا دیا تھا۔ ٩٥ھ میں انتقال کر گیا۔

عبدالملک کی خلافت اور حجاج کی گورنری کے زمانہ میں عبداللہ بن زبیر نے (اہل حجاز و عراق نے جن کی بیعت کر لی تھی) مکہ میں پناہ لی۔ حجاج نے محاصرہ کر لیا۔ اور کعبۃ اللہ پر گولے چلائے عبداللہ بن زبیر کے جب اکثر ساتھی اس کو چھوڑ گئے۔ تو وہ اپنی والدہ کے پاس آئے اور اپنی مجبوریوں کا اظہار کیا۔ کہ میں اس وقت بالکل بے یار و مددگار ہوں چند آدمی ابھی تک ہمراہ ہیں مگر وہ بھی زیادہ عرصہ تک تکالیف کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

ماں بڑی ثابت قدم تھی۔ وہ مجبوریوں اور مصلحتوں کو ایمان و اسلام اور حق و صداقت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ سمجھتی تھی۔ اس نے جواب دیا۔ اگر تو اپنے آپ کو حق پر جانتا ہے۔ تو اظہار حق میں جو مصائب بھی آئیں انہیں مردانہ وار برداشت کر۔ اور باطل کا مقابلہ کر یہانتک کہ تو اور تیرے ہمراہی اظہار حق کے لئے قربان ہو جائیں۔ اور اگر تجھے صرف حب جاہ اور دنیاوی جاہ و جلال سے غرض ہے۔ تو جس قدر جلد تیری ہستی مٹ جائے بہتر ہے۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا۔ مجھے اظہار حق میں کوئی خوف نہیں ہے صرف اندیشہ یہ ہے کہ میرے قتل کے بعد میری لاش کی بے حرمتی نہ کریں۔ ماں نے جواب دیا اے فرزند عزیز۔ بکری جب ذبح ہو جاتی ہے۔ تو اس کو لٹکانا اور اس کا چمڑہ وغیرہ اتارنا اس کو کوئی تکلیف نہیں دیتا۔ آخر عبداللہ بن زبیر نے جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑائی کی۔ چونکہ ہمراہیوں کی بہت قلیل تعداد تھی اسلئے قتل ہو گئے۔ یہ واقعہ ٧٣ھ کا ہے۔ (ترجمہ بی اے عربی کورس صفحہ ٢٣ ذکر کتاب الفخری)

طارق بن زیاد کی گفتگو اپنے افسر کیساتھ

خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں مسلمانوں کی حکومت ہسپانیہ تک جا پہنچی تھی ہسپانیہ کی فتح کے ابتدائی ایام میں طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر

امیران اسپین تھے اور انہی کی کوششوں سے ہسپانیہ فتح بھی ہوا تھا۔ طارق نے جو مال غنیمت حاصل کیا تھا اسمیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کی ایک زمرد کی میز بھی تھی جو سونے اور موتیوں سے آراستہ تھی۔ اور جس کے تین سو ساٹھ پائے خالص سونے کے تھے۔ طارق نے یہ میز خلیفہ کے لئے حاصل کی۔ لیکن موسیٰ بن نصیر کو جو رتبہ میں طارق سے بلند درجہ پر تھا۔ یہ برا معلوم ہوا۔ اس نے طارق سے تمام مال کسی نہ کسی بہانہ سے لیلیا۔ اور اس پر نافرمانی کا الزام لگاکر خلیفہ کے نام سے اس کو معزول اور قید کر دیا۔ یہ ناانصافی دیکھکر تمام سردار خاموش تھے۔ طارق نے اپنی جان سے ہاتھ دھوکر خود ہی جرأت کی اور کہا اے سردار! مجھے یقین ہے کہ میں بےگناہ ہوں اور صرف حسد کا شکار ہو رہا ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا ہے۔ خدا اور مسلمانوں کے خلیفہ کے لئے کیا ہے۔ مجھے بھروسہ ہے کہ خلیفہ ہی مجکو بے قصور قرار دیگا موسیٰ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس نے خفیہ طور پر اس کے مار ڈلنے کا ارادہ کیا لیکن طارق کسی نہ کسی طرح خلیفہ تک پہنچگیا۔ اور اس نے اصل حالات سنکر طارق کو بحال کر دیا۔[۱]

خلیفہ کے روبرو بیگناہ مقتول کے باپ کا کلام

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو موسیٰ سپہ سالار کے خاندان سے عداوت ہوگئی۔ اس نے موسیٰ کے بیٹے عبدالعزیز کو جو بہت بہادر تھا اور جس نے ایک عیسائی شاہزادی سے نکاح کر لیا تھا کسی ترکیب سے عین نماز کے وقت قتل کرا دیا۔ اور قاتلوں نے اس کا سر خلیفہ کے پاس بھیجدیا۔

عبدالعزیز کا باپ موسیٰ بھی دربار میں موجود تھا۔ خلیفہ سلیمان نے مرحوم کے بدنصیب باپ کو سر دکھایا اور پوچھا۔ پہچانتے ہو یہ کس کا سر ہے؟ موسیٰ نے نہایت نفرت کے ساتھ منہ ایک طرف پھیرلیا۔ اور کہا میں بخوبی پہچانتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اس شخص پر کوئی بلائے آسمانی نازل ہو جس نے اپنے سے بہتر اور مخلوق کے خیرخواہ کو محض اپنی ذاتی عداوت کی وجہ سے قتل کرا دیا ہے۔ یہ کہکر دربار سے باہر نکل گیا۔ اور مکہ میں جاکر بیٹے کے غم میں شکستہ دل ہوکر انتقال کر گیا (تاریخ اسپین)

حضرت سعید بن مسیب کی صاف بیانیاں

سنہ ۹۱ھ میں خلیفہ ولید حج سے ہوکر مدینہ گئے۔ اس زمانہ میں عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے گورنر تھے خلیفہ نے مسجد میں جانے کا ارادہ کیا حکم ہوا سب لوگ مسجد سے باہر نکال دیئے جائیں لیکن سعید بن مسیب ایک بزرگ باوجود اصرار کے بیٹھے رہے اور کہنے لگے۔ یہ عجب خلیفہ آیا ہے جو خانہ خدا میں بھی لوگوں کو نہیں بیٹھنے دیتا جب خلیفہ مسجد کے دروازے پر آگیا۔ تو پہرہ دار نے کہا خلیفہ آتے ہیں سلام کو اٹھئے۔ کہا۔ خدا کے گھر میں وہ کا سلام نہیں ہوسکتا اور نہ مسجد میں اس امتیاز کی ضرورت ہے مسجد میں بادشاہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے آنا چاہئے خلیفہ کی نظر جب سعید

---

[۱] تاریخ اسپین اردو ترجمہ سید محمد احمد صاحب مرحوم برادر زادہ سرسید احمد خان مرحوم بانی علیگڈھ کالج۔

پر پڑی۔ تو پوچھا کون ہے؟ عمر بن عبدالعزیز کو سعید کا ادب ملحوظ تھا۔ اور ان کے زہد و ورع کے قائل تھے۔ کہا سعید ہیں بصارت میں فرق آگیا ہے۔ حضور کو دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے اور سلام کرتے۔ خلیفہ نے کہا میں خود ان کے پاس جاؤنگا چنانچہ خلیفہ نے ان کا مزاج پوچھا تو کہا الحمد للہ خیریت ہے۔

حضرت سعید بن مسیب جو تابعین میں سب سے بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔ ان کے واقعات حریت طلب دُنیا کے لئے نمونہ ہیں انہوں نے کبھی کسی بادشاہ یا امیر کے عطیہ کو قبول کرنا گوارا نہ کیا اور نہ کبھی سلطنت کا وظیفہ خوار بننا پسند کیا اس لئے ان کی زبان اظہار حق میں ہمیشہ بیباک رہی۔ ایک دن خلیفہ شام کا قاصد ان کے سامنے سے گذرا۔ بلاکر پوچھا "بنی مروان کو تم کس حال میں چھوڑ کر آئے۔ بولا "بخیریت" فرمایا تم نے اس حال میں چھوڑا ہے کہ "وہ انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں اور کتوں کو کھلاتے ہیں"۔ قاصد کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ لیکن انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی۔ دوستوں نے عرض کی۔ اپنی جان کے درپے کیوں ہو۔ جواب دیا جبتک میں حق پر ہوں خدا مجکو بے یار و مددگار نہ چھوڑ دے گا۔

آخر ان آزادگویوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کڑاکے کی سردی میں ان کے بدن پر ٹھنڈا پانی ڈال کر ان کو کوڑے لگائے گئے۔ قید کیا گیا۔ ان کے قتل کا سامان ہوا۔ اور آخر میں یہ فرمان جاری ہوا کہ نہ ان کے پاس کوئی بیٹھے اور نہ کوئی ان سے بات چیت کرے۔ لیکن اس حالت میں بھی ان کی سیف زبانی کم نہ ہوئی۔ ایک قاصد شقہ شاہی لیکر ان کے پاس آیا۔ شقہ کو بکری کے منہ میں دیدیا۔ وہ چبا گئی۔ فرمایا اس کا یہی جواب ہے۔

اعمش کوفی کا دندان شکن جواب خلیفہ ہشام کو!

خلیفہ ہشام[1] بن عبدالملک نے ایک مرتبہ اعمش[2] کوفی کو ایک خط لکھا کہ عثمان بن عفان کے مطالب اور علی بن ابی طالب کے مثالب جمع کر کے میرے پاس بھیج دو۔ اعمش نے پہلے تو کوئی جواب نہ دیا لیکن جب سختی سے دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے مجبور ہو کر لکھا سلامے ہشام اگر عثمان میں دنیا بھر کی بھلائیاں موجود ہیں۔ تو تیری ذات کو اس سے کوئی فایدہ نہیں اور اگر علی میں زمانہ بھر کی برائیاں ہوں تو تیری ذات کو اس سے کچھ نقصان نہیں[3]

---

[1] اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کے بعد ۱۰۵ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اور ربیع الآخر ۱۲۵ھ میں انتقال کر گیا۔

[2] اعمش کوفی علمائے تابعین میں بڑے ذی رتبہ اور متبحر عالم تھے۔ ان کا نام سلیمان بن مہران ہے حضرت انس بن مالک اور ابو بکر ثقفی کے دیکھنے والوں میں تھے۔ بڑی عمر پائی۔ ستر برس تک جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھی کہ کبھی تکبیر اولی فوت نہیں ہوئی تاریخ وفات میں اختلاف ہے ۱۴۷ھ ۱۴۸ھ ۱۴۹ھ بتائی جاتی ہے۔

[3] لطائف تاریخی و علمی صفحہ ۶۲ مصنفہ مولانا احمد مکرم عباسی چریا کوٹی۔

محلات سے بھی باہر نہ نکلا۔ اراکین سلطنت خالد بن صفوان پر بہت ناراض ہوئے کہ تم امیر المومنین کے عیش و آرام میں خلل انداز ہوتے ہو۔ انہوں نے کہا صرف اس لئے کہ خلق خدا کو ان سے آرام پہنچے۔ مجھے معذور رکھو میں نے عہد کیا ہوا ہے۔ کہ جب کبھی کسی بادشاہ کے پاس جاؤں گا تو اس کو یاد خدا اور خوف خدا اور حقوق عباد اللہ سے غافل نہ ہونے دوں گا۔

ہشام پر انہی باتوں کا اثر تھا کہ وہ بیت المال میں روپیہ بہت کم جمع ہونے دیتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ روپیہ جمع کرنے کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ حقداروں کو سب سے پہلے ان کے حقوق پہنچانے چاہئیں۔ یہ ہمیشہ خونریزی کو مکروہ سمجھتا رہا۔

ہشام اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کے بعد ۱۰۵ھ میں بادشاہ ہوا۔ ربیع الآخر ۱۲۵ھ میں انتقال کر گیا۔ ۷۰ھ و ۷۲ھ کے درمیان اس کی پیدائش کا کوئی سنہ بتایا جاتا ہے۔

ولی عہدی کے متعلق پرائیویٹ سیکرٹری کا مخلصانہ مشورہ

خلیفہ سلیمان[۱] بن عبدالملک کو جب اپنی زندگی سے مایوسی ہوگئی۔ تو اس نے رجاء بن حیوۃ (اپنے کاتب یا سیکرٹری) سے کہا۔ میں لڑکے کو ولیعہد کرنا چاہتا ہوں۔ رجاء نے کہا۔ وہ یہاں موجود نہیں ہے۔ سلیمان نے دوسرے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے کہا۔ وہ ابھی نابالغ ہے۔ بلکہ یہانتک بھی کہہ دیا۔ اگر حضور کو قبر میں اپنی حفاظت منظور ہے۔ تو کسی متقی و صالح کو ولیعہد کیجئے۔ خلیفہ نے کہا۔ پھر تمہاری رائے میں کون جانشین ہونا چاہئے۔ رجاء نے کہا۔ آپکے چچا زاد بھائی عمر بن عبدالعزیز اس قابل ہیں جو خلافت کا کام عمدہ طور سے انجام دے سکیں۔ چنانچہ خلیفہ نے منظور کر لیا۔ بعد میں سلیمان نے ایک خلافت نامہ اس مضمون کا لکھا کہ میرے بعد عمر بن عبدالعزیز اور اس کے بعد یزید بن عبدالملک ولیعہد ہو۔ خلافت نامہ پر اپنی مہر لگا دی اور بند کر کے رجاء بن حیوۃ کے حوالہ کیا کہ بغیر اس کے کھولنے اور نام ظاہر کرنے کے اس خلافت نامہ کی بیعت کرائی جائے کہ جس کا نام اسمیں درج ہو گا۔ اس کی بیعت کی جائے گی۔ لیکن سب لوگوں نے اس قسم کی بیعت سے انکار کر دیا۔ سلیمان نے حکم دیا۔ کہ اب جو انکار کرے۔ اس کو فوراً قتل کر دو۔ یہ بڑا سخت حکم تھا۔ اس حکم نے لوگوں کی آزاد خیالی۔ حق گوئی اور حریت کا خاتمہ کر دیا۔ کسی کو دم مارنے کی مجال نہ رہی۔ آخر ایک شخص نے جی کڑا کر کے یہ عذر پیش کیا کہ ہم امیر المومنین

---

[۱] ۶۰ھ میں پیدا ہوا ۹۶ھ میں اپنے بھائی ولید کے بعد تخت پر بیٹھا۔ صفر ۹۹ھ کو وفات پائی۔ بنی امیہ کے بہترین بادشاہوں میں تھا۔ تاریخ الخلفا

کو سلام کرنا اور آپ بالمواجہ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ جب وہ شخص وفد دربار میں آیا حکم ہوا کہ رجاء بن حیوۃ کے ہاتھ میں جو خلافت نامہ ہے۔ اس کو بخوشی قبول کر لو۔ اور اسمیں جس کا نام درج ہے۔ اس پر بیعت کرو اس میں تمہارے لئے ہر قسم کا فایدہ ہے۔ جو خلیفہ مقرر ہوگا۔ وہ تمہاری فلاح وبہبود کا حامی ہے۔ لیکن ابھی اس کے نام کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ سب نے بیعت کرلی۔

گورنر مدینہ کا اعلان اظہار حق وصداقت کیلئے

عمر بن عبد العزیز نے ۸۶ھ میں مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں فقہا اور علماء کو بلایا اور کہا امور شرعی میں میرا فیصلہ آپ لوگوں کی رائے سے ہوگا۔ آپ لوگ تکلیف کرکے حق کے اظہار میں مجھے مدد دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا۔ اگر میرے کسی عامل کو آپ ظلم کرتے دیکھیں۔ یا ان کے جور وتعدی کی خبر آپ تک پہنچے۔ تو آپ لوگوں کا فرض ہے کہ مجھے خبر کریں۔ اس کے علاوہ اس قسم کے مضمون کا ایک عام اعلان بھی کردیا۔

سعید بن جبیر کی شہادت صاف گوئی کے جرم میں

عبد الملک[1] اور اس کے بیٹے خلیفہ ولید اول کے زمانہ میں حجاج بن یوسف کوفہ اور عراق کا ایک نہایت ظالم گورنر تھا۔ سعید بن جبیر جو اعلیٰ درجہ کے مفسر اور محدث تھے۔ اسی ظالم کے ہاتھوں شہید ہوئے ان کی شہادت کا واقعہ بڑا طویل ہے۔ اور چونکہ اس کے لفظ لفظ سے راستی۔ صبر۔ استقلال۔ حق گوئی اور حریت کا اظہار ہوتا ہے اس لئے اس کا کچھ تھوڑا بہت خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

حجاج۔ تم محمد رسول اللہ صلعم کے بارہ میں کیا کہتے ہو۔

سعید۔ وہ رحمۃ للعالمین امام الہدیٰ ہیں۔

حجاج۔ حضرت علی جنت میں ہیں۔ یا دوزخ میں۔

سعید۔ جبتک جنت میں جاکر تمام لوگوں کی شناخت نہ کرلوں۔ اس کا جواب کس طرح دے سکتا ہوں۔

حجاج۔ تمہارے علم میں سابقہ خلفا میں کون اچھا تھا۔ اور موجودہ خلیفہ کیسا ہے۔

سعید۔ وہی اچھا ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کو خوش رکھا۔

حجاج۔ تمہارے علم میں کس نے اللہ اور اس کے رسول کو خوش رکھا۔

سعید۔ اس کا علم اللہ ہی کو ہے اور وہی غیب دان ہے۔

---

[1] عبد الملک بن مروان ۲۳ھ میں پیدا ہوا۔ ۷۳ھ اور بقول بعض ۶۵ھ سے اس کی خلافت شروع ہوتی ہے۔ ۸۶ھ میں انتقال کیا۔

حجاج (جواہرات منگا کر) دیکھتے ہو۔ یہ جواہرات ہیں۔
سعید۔ ہاں جواہرات ہیں۔ اگر یہ قیامت کے عذاب سے بچنے کے لئے جمع کئے گئے ہیں۔ تو خیر۔ ورنہ اس دن کی گھبراہٹ اور مصیبت سے بچو۔ جب عورت اپنے بچے کو جسے وہ گود میں لیکر دودھ پلاتی ہوگی۔ فراموش کردے گی۔
حجاج بتاؤ میں کس طریق سے تم کو قتل کردوں۔
سعید۔ جو حیثیت تم اپنے لئے پسند کرو۔ کیونکہ جس حیثیت سے تم مجھے قتل کروگے۔ اسی حیثیت سے خود بھی قتل کئے جاؤگے۔
حجاج۔ کیا تم معافی کی درخواست کرنا چاہتے ہو؟
سعید۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ معافی اللہ تعالیٰ کی ہی طرف سے ہے۔
حجاج نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ سعید مجلس سے ہنستے ہوئے نکلے۔ حجاج نے پھر بلایا اور کہا یہ وقت رونے کا ہے یا ہنسنے کا اور ہنسنے کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا۔ مجھے تیرے تکبر اور اللہ تعالیٰ کے تحمل اور اس کی بے نیازی پر تعجب آیا۔ آخر اس ظالم نے آپ کو شہید کرادیا۔

حق گو علما کی تکلیفیں اظہار صداقت کے لئے

ابراہیم تیمی کوفہ کے ایک حق گو عالم تھے۔ حجاج کے قید خانہ میں انہوں نے عمر بسر کردی۔ یحییٰ بن عامر کہتے ہیں۔ کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن میں نقطے لگائے۔ حجاج نے ان کو عراق سے جلاوطن کردیا۔ آوارہ گرد خراسان پہنچے۔ وہاں کے گورنر نے ان کی بڑی تعظیم کی اور قضا کا منصب پیش کیا۔ لیکن کچھ دن بھی گذرنے نہ پائے تھے کہ یہاں سے بھی الگ ہونا پڑا۔
امام منصور بن معتمر نے محبس جانا اس لئے پسند کیا کہ وہ ایک جابر حکومت کی طرف سے عہدہ قضا قبول کرنا نہیں چاہتے تھے۔
امام شعبی کی جلالت شان سے کون واقف نہیں۔ کوفہ وطن تھا۔ مختار کے زمانہ حکومت میں کوفہ سے بھاگ کر ان کو مدینہ آنا پڑا۔ حجاج کے زمانہ میں وہ کوفہ آکر دارالامارۃ میں عزت و تکریم کے ساتھ رہنے لگے۔ لیکن جب علمائے کوفہ نے حجاج کے مقابلہ میں فوج کشی کی تو امام شعبی نے دونوں فوجوں کے بیچ میں کھڑے ہوکر حجاج کے مظالم بیان کئے۔ اتفاق سے علما کی فوج کو شکست ہوئی۔ امام شعبی نے گھر پہنچکر کواڑ بند کرلئے۔ اور نو مہینے اسی حالت میں بسر کئے۔ پھر ایک دن موقع پایا۔ تو فوج میں بھرتی ہوکر خراسان چل دیئے۔ وہاں

ان کو ایک عمدہ جگہ مل گئی۔ ابھی پورا اطمینان بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ حجاج کے مخبروں نے جاسوسی کی۔ اور والی خراسان کے نام حکم آیا۔ کہ شعبی کو فوراً پکڑ لو۔ اگر وہ بچکر نکل گیا۔ تو تمہیں سزا دی جائے گی۔ والی جو امام موصوف کی شان جلالت سے واقف تھا۔ اس نے ہر چند چاہا۔ کہ وہ کہیں نکل جائیں۔ لیکن انہوں نے کہا کہ اب بچنا مشکل ہے۔ آخر پا بزنجیر دارالامارہ کو روانہ کئے گئے۔ حجاج نے پھر ان کو رہا کر دیا۔

یمنی حق گو کی آزادانہ گفتگو حجاج بن یوسف اور طاؤس الحرمین سے

طاؤس الحرمین (اصل نام ذکوان بن کیسان) علمائے تابعین میں رئیس العلماء کے لقب سے مشہور رہے ہیں۔ پچاس صحابہ کو انہوں نے دیکھا تھا۔ ۳۲ ہجری میں پیدا ہوئے اپنی عمر میں چالیس حج کئے۔ مستجاب الدعوات بےمثل فقیہہ و عالم اور پرہیزگار تھے ۱۰۶ھ میں بعمر ۷۴ سال مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا۔ حجاج بن یوسف ثقفی اس زمانہ میں مکہ کا گورنر تھا۔ اس نے بلوا بھیجا۔ آپ ڈرتے ڈرتے گئے۔ حجاج نے خلاف امید اپنی داہنی جانب مسند کے پاس جگہ دی۔ کچھ باتیں ہو رہی تھیں کہ یمن سے ایک شخص آیا۔ حجاج نے اپنے بھائی محمد بن یوسف حاکم یمن کی بابت سوال کیا۔ کہ وہ کس حال میں تھا۔ یمنی نے کہا جب میں نے اس کو چھوڑا ہے۔ وہ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ حجاج نے کہا میرا مطلب اس کے عادات و اطوار سے ہے۔ یمنی نے کہا وہ ظالم ستمگر بدکار۔ اور خالق کا گنہ گار ہے۔ حجاج نے آنکھیں بدل کر کہا تم کو معلوم ہے۔ کہ وہ میرا حقیقی بھائی ہے۔ اور میرے نزدیک اس کا کیسا مرتبہ ہے۔ یمنی نے جواب دیا میں سب کچھ جانتا ہوں۔ مگر زیادہ زبان کھلوانے کی کیا ضرورت ہے۔ حجاج تو خاموش ہو گیا۔ اور زاہد یمنی بلا اجازت واپس چلا آیا۔ طاؤس الحرمین بھی کوئی بہانہ بنا کر یمنی کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔ دربار سے باہر آ کر اس سے کہا آپ کی صحبت سے مستفید ہونا چاہتا ہوں۔ یمنی نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ بادشاہوں اور حاکموں کے ساتھ مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہوں ان کو بوریا نشینوں کی صحبت سے کیا حاصل؟ حالانکہ تم جانتے ہو۔ کہ تم سے لوگ شرعی مسائل میں رجوع کرتے ہیں اور استفتا پوچھتے ہیں۔ طاؤس الحرمین نے کہا سچ ہے لیکن حجاج جیسا ہے ہمارا امیر ہے وہ ہم پر حکمران بنایا گیا ہے۔ آپ بھی تو اس کے طلب کرنے پر فوراً چلے آئے۔ یمنی زاہد نے کہا جب تم کو حاکم وقت تک رسائی ہے۔ تو رعایا کی ترجمانی کیوں نہیں کرتے اور کیوں عوام کے حالات سے اس کو آگاہ نہیں کرتے۔ کیوں نہیں حق کی رغبت اور عدل و داد کی طرف اس کی توجہ منعطف کرتے۔ کیا خدا کی نسبت خدا کے بندہ کا خوف تم پر زیادہ غالب ہے۔ طاؤس الحرمین نے کہا اب توبہ کرتا اور خدا سے بخشش کی دعا مانگتا ہوں اور التجا کرتا ہوں کہ اب اپنی صحبت سے مستفید ہونے کی اجازت دیجئے۔ یمنی نے کہا خدا تعالیٰ تم کو حسن عمل کی توفیق دے۔ میرا ایک رفیق

بہت غیور اور صاف گو ہے۔ لگی لپٹی نہیں رکھتا۔ وہ علم پر عمل کو ترجیح دیتا ہے۔ ڈرتا ہوں کہ تم آگئے تو وہ چلا جائیگا۔ یہ کہکر وہ یمنی زاہد جہاں سے آیا وہیں چلا گیا۔ لطائف تاریخی وعلمی صفحہ ۹۲ و ۹۳

فصل سوم

حضرت عمر بن عبد العزیز

حضرت عمر بن عبد العزیز اپنی صاف بیانی کی وجہ سے معزول و مقید

خلیفہ ولید اول نے قصد کیا۔ کہ اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے معزول کرکے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنادے۔ لوگوں نے طوعاً و کرہاً مان لیا۔ لیکن عمر بن عبد العزیز نے (جو اس زمانہ میں گورنر تھے) نہ مانا۔ کیونکہ سلیمان میں وہ خلافت کے آثار پاتے تھے اور ولی عہد بھی تھے۔ ولید صرف محبت پدری کی غرض سے اپنے بیٹے کو ولیعہد بنانا چاہتا تھا۔ حالانکہ اس میں کوئی وصف نہ تھا۔ ولید نے عمر بن عبد العزیز کو قید کردیا۔ لیکن انہوں نے اپنی حریت و آزادی اور حق گوئی اور صاف بیانی کے مقابلہ میں عہدہ اور قید کی کچھ پرواہ نہ کی۔ تین برس کے بعد آخر کسی نے ولید سے سفارش کرکے رہا کرا دیا۔ لیکن اپنی بات پر جس کو وہ ملک اور مسلمانوں کے لئے بہتر سمجھتے تھے۔ برابر اڑے رہے۔ آخر سلیمان بادشاہ ہوئے۔ تو اس نے اپنے بعد عمر بن عبد العزیز کی ولیعہدی کی وصیت کردی۔

بادشاہ خزانہ کا مالک نہیں بلکہ امین ہے

حضرت عمر بن عبد العزیز کی زوجہ محترمہ کو ان کے والد خلیفہ عبد الملک بن مروان نے ایک بیش قیمت گوہر دیا تھا۔ عمر بن عبد العزیز جب امیر المومنین ہوئے تو انہوں نے فرمایا اپنا تمام زیور بیت المال میں داخل کردو۔ ورنہ میں تم سے الگ ہو جاؤں گا۔ کیونکہ مجھے گوارا نہیں کہ تم اور تمہارے زیور (جو رعایا کے روپیہ سے بنے ہیں) اور میں ایک گھر میں رہ سکیں۔ وہ بھی نیک بخت بی بی تھی۔ اس نے سارا زیور بیت المال میں داخل کردیا۔ عمر بن عبد العزیز کے بعد جب یزید بن عبد الملک بادشاہ ہوا۔ تو اس نے اپنی بہن یعنی آپ کی زوجہ محترمہ سے کہا۔ آپ چاہیں تو اپنا زیور واپس لے سکتی ہیں۔ انہوں نے فرمایا جو چیز اپنی خوشی سے میں ان کی حیات میں داخل خزانہ کرچکی ہوں۔ اب ان کے بعد واپس لیکے کیا کروں گی؟

عمر بن عبد العزیز کے صاحبزادے کہتے ہیں۔ کہ مجھ سے ابوجعفر منصور (خلیفہ دوم عباسیہ)

نے پوچھا تمہارے والد کی کیا آمدنی تھی۔ کہا کل چار سو دینار۔ یہ آمدنی رفتہ رفتہ کم ہو رہی تھی۔ اگر وہ اور زندہ رہتے تو اور بھی کم ہو جاتی۔ عمر بن مہاجر (جن کو آپ نے کوتوال شہر مقرر کیا تھا) کہتے ہیں۔ آپ کی تنخواہ دو درہم روزانہ مقرر تھی۔ آپ کا چراغ ان تین لکڑیوں کو کھڑا کرکے اس پر مٹی رکھکے بنایا جاتا تھا جب ارکین سلطنت آپکے پاس رات کو جمع ہوتے۔ اور معاملات سلطنت میں گفتگو کرتے۔ تو آپ بیت المال کا چراغ جلائے رکھتے۔ جب دربار برخاست ہو جاتا۔ تو اس کو گل کرکے اپنا چراغ جلا لیتے

جب آپ خلیفہ ہوئے تو آپ نے گھر کے اخراجات کم کر دیئے۔ گھر سے شکایت ہوئی۔ آپ نے فرمایا میری تنخواہ میں اس قدر وسعت نہیں ہے کہ تمہارا سابقہ خرچ جاری رکھوں۔ باقی رہا بیت المال۔ اس میں تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا اور مسلمانوں کا۔

ایک دن بنو مروان یعنی شاہی خاندان کے لوگ آپکے رشتہ برادری والے آپکے مکان پر آئے۔ آپ کے بیٹے سے ملے کہا خلیفہ سے جا کے کہو آپ سے پہلے جس قدر خلفا ہوئے ہیں۔ سب ہمارے لئے عطایات اور جاگیریں مخصوص کرتے رہے ہیں۔ آپ نے ہم پر تمام چیزیں حرام کر دیں کیا بوجہ قربت حق بھی ہمیں کچھ نہیں پہونچتا۔ آپنے جواب دیا۔ جاگیریں اس لئے بند ہیں اور عطایات اس لئے موقوف ہیں۔ کہ بیت المال میں غریبوں اور امیروں سب کا روپیہ جمع ہے۔ تمہیں جاگیریں دیدوں اور روپیہ تمہارے عیش و عشرت کے لئے وظیفوں کی صورت میں بانٹ دوں تو یتیموں بیواؤں مسکینوں اور حق داروں کو کیا دوں اور خدا کی نافرمانی کرکے قیامت کے عذاب سے کس طرح نجات حاصل کروں۔ باقی رہا حق قرابت۔ میرے نزدیک اس معاملہ میں تم اور ایک ادنےٰ مسلمان (جس کو تم ادنےٰ سمجھتے ہو) برابر ہو۔

جریر بن خطفی نے ایک مرتبہ آپ کی شان میں قصیدہ پڑھا جس سے حسن طلب کی جھلک بھی آ رہی تھی۔ آپنے اشعار سننے کے بعد فرمایا مشکل یہ ہے کہ قرآن شریف کے رو سے تمہارا کوئی حق بیت المال پر ثابت نہیں ہوتا۔ جریر نے عرض کیا۔ امیر المومنین میں بہ حیثیت مسافر حقدار ہوں۔ یہ سُنکر آپ نے اپنی جیب خاص سے اس کو پچاس دینار عطا فرمائے۔

بنی مروان چونکہ آپ سے ناراض رہتے تھے۔ اس لئے کہ آپ نے وہ تمام روپیہ جو سالانہ وظیفوں اور مختلف بے محل عطایات میں انہیں ملتا تھا موقوف کر دیا۔ آپ ان کو کہتے تھے۔ کہ بیت المال پر میرا کوئی حق قبضہ اور دخل نہیں ہے۔ میں اس کا نگران محافظ اور امین ہوں۔ یہ غریبوں اور یتیموں کا مال ہے۔ یہ عطایات کی صورت میں تقسیم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بنی امیہ

نے جو مال غصب کیا ہوا تھا۔ وہ بھی آپ نے واپس لیکر بیت المال میں داخل کرا یا۔ بنی امیہ خطبوں میں حضرت علی کی شان میں بے ادبی کرتے تھے۔ آپ نے سختی کے ساتھ اس کی ممانعت کر دی۔ بنو امیہ اس بات سے بُرا مناتے تھے آخر انہوں نے اس نیک نہاد خلیفہ کے (جس کے عہد خلافت کو خلافت راشدہ میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ اور جس کے انتقال پر حضرت خواجہ حسن بصری نے فرمایا تھا۔ آج دنیا کا سب سے بہتر آدمی اُٹھ گیا) قتل کی سازش کی۔ اور ایک غلام کو زہر خورانی پر آمادہ کیا۔ ۲ ماہ رجب ۱۰۱ھ کو بعمر ۳۹ سال چھ ماہ حمص کے متصل انتقال کیا۔ مدت خلافت دو سال پانچ ماہ سے زیادہ نہ تھی۔ انتقال سے پیشتر آپ نے اس غلام کو اپنے پاس بلایا جس نے آپ کو بنی امیہ کی تحریک سے زہر دیا تھا۔ فرمایا تو نے مجھے زہر دیدیا؟ آخر کس طمع نے تجھے اس فعل پر برانگیختہ کیا۔ اس نے کہا آپکے بہائی بندوں نے ایک ہزار دینار دیا ہے اور آزاد کرنیکا وعدہ بھی کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہزار دینار کہاں ہیں۔ کہا گھر میں ہیں۔ ارشاد ہوا جلد لاؤ۔ وہ غلام جب دینار لے آیا تو آپ نے اس تمام روپیہ کو بیت المال میں داخل کر دیا۔ کہ یہ سب غریبوں کا چھینا ہوا روپیہ ہے۔ یہ غریبوں ہی کے خزانہ میں جانا چاہئے۔ پھر غلام سے کہا۔ اب یہاں سے بھاگ جاؤ۔ اس طرح کہ کسی کو نظر نہ آسکو (از تاریخ الخلفا صفحہ ۲۴۲ تا ۲۴۳)

آج کتنے بادشاہ۔ رئیس اور امرا ہیں جن کو خدا نے حکومت و استطاعت عطا کی ہے اور وہ اپنے مالوں کے صحیح مصرف کا جائزہ لیتے ہیں۔ کتنے بادشاہ ہیں۔ جو حضرت عمر بن عبد العزیز کی طرح مخلوق خدا کی گاڑہی کمائی کا روپیہ مخلوق خدا کی فلاح و بہبود ہی میں صرف کرتے ہیں اور آپ صرف "گذارہ" ہی لیتے ہیں۔ کتنے ہیں جو ایک ایک خال کے بدلے سمرقند و بخارا کے پروانے لکھ رہے ہیں۔ اور کتنے ہیں جن کی غلط بخشیوں نے مسلمانوں کو اپاہج عیش پرست اور خدا جانے کیا کیا کچھ بنا دیا ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کے ارشادات اپنے گورنروں کو

عمرو بن قیس الکوفی کو آپ نے صالقہ کا جب حاکم بنایا تو ارشاد فرمایا نیک لوگوں اور حقیقی خیر خواہوں سے ملا رکھنا اور بدوں اور بدخواہوں (جھوٹے خوشامدیوں) سے پرہیز کرنا ایسا کام نہ کرنا کہ آخر میں بدنامی و رسوائی ہو۔ قتل سے اجتناب کرنا اپنی حالت ایسی بنانا کہ لوگ تمہارا مرتبہ بھی نہ بھول جائیں اور تم سے الگ الگ بھی نہ رہیں جراح بن عباد اللہ خراسان کے حاکم تھے۔ انہوں نے لکھا اہل خراسان بغیر تلوار کے سیدھے نہ ہوں گے۔ جو رائے ہو اس سے مطلع فرمایا جائے۔ آپ نے ان کو تحریر فرمایا۔ تم جھوٹ بکتے

ہو کہ اہل خراسان بغیر تلوار کے اصلاح پر نہ آئیں گے۔ عدل اور حق رسانی وہ چیزیں ہیں کہ اگر تم ان کو اختیار کرو گے۔ تو وہ خود بخود شورش چھوڑ کر درست ہو جائیں گے۔ جہاں تک ہو سکے ان دونوں باتوں کی اچھی طرح اشاعت کرو۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کی حالت تخت نشینی کے وقت

آج بھی بادشاہ اور والیان ریاست تخت و تاج کے مالک بننے کے وقت تقریریں کرتے تہنیت کے جلسے منعقد کرتے اور خوشیاں مناتے ہیں آؤ آپ کو دکھائیں کہ قرن اول میں ایک مسلمان بادشاہ کو جب تخت خلافت ملا۔ تو اس کی خوشی و مسرت کا اظہار کس طرح ہوا تھا۔ کتنے ناچ مجرے اور کتنے جلسے ہوئے تھے کتنی رنگ ریاں اور کتنی زر پاشیاں ہوئی تھیں اور اس کا جلوس کس شان و شوکت اور کس دھوم دھام سے نکلا تھا۔

جب خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کا وصیت نامہ کھول کر پڑھا گیا۔ تو اس میں لکھا تھا کہ میرے بعد عمر بن عبد العزیز اور ان کے بعد میرا بھائی یزید بن عبد الملک تخت پر بیٹھے۔ جلوس تیار ہونے لگا داروغہ اصطبل خاصے کا گھوڑا لیکر حاضر ہوا۔ آپ نے اس پر سوار ہونے سے انکار کیا اور فرمایا میرا اپنا خچر لے آؤ میرے لئے وہی کافی ہے۔ صرف چند آدمیوں کی ہمراہی میں آپ تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔

جب آپ خلیفہ سلیمان کے جنازہ سے واپس آئے۔ آپ کے غلام نے کہا۔ آپ غمگین کیوں ہیں فرمایا۔ مجھ سے بڑھکر آج دنیا میں غمگین کون ہے۔ مجھ پر یہ بار کیا کم ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ میرا نامۂ اعمال لکھا جائے۔ اور مجھ سے حساب طلب ہو۔ میں حقدار کا حق اس کو پہنچا دوں بیعت لینے کے بعد جب آپ ممبر پر تشریف لیگئے۔ تو خدا کی حمد و ثنا اور قرآن و رسولؐ کی شہادت کے بعد فرمایا میں کسی حال میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ البتہ میری ذمہ داریاں میری جواب دہی اور میرا بوجھ تم لوگوں سے زیادہ ہے۔ یاد رکھو خدا کے احکام کے خلاف جو حکم تمہیں ملے اس کی اطاعت تم پر واجب نہیں ہے۔ خواہ وہ حکم دینے والا کون ہو۔ سہل بن صدقہ کہتے ہیں کہ ایک روز آپ کے مکان سے رونے کی آواز آئی۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ تو معلوم ہوا۔ آپ نے اپنی لونڈیوں (باندیوں) سے فرمادیا ہے کہ میرے سر پر ایسا بار آپڑا ہے۔ کہ مجھے ہر وقت اسمیں مشغول رہنا پڑیگا۔ اس لئے تم میں سے جو آزاد ہونا چاہے۔ وہ آزاد ہو جائے۔ جو رہنا چاہے وہ رہے مجھے تم میں سے کسی کی حاجت نہیں ہے۔

آپ کی حرم محترم فرماتی ہیں بیعت لینے کے بعد جب آپ گھر آئے۔ تو آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی۔ میں نے گھبرا کر پوچھا۔ خیریت تو ہے۔ فرمایا خیریت کہاں میری گردن میں امت

محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ ننگے بھوکے بیمار مظلوم مسافر قیدی بچے بوڑھے۔ کم حیثیت عیالدار بے عیال۔ غرض دنیا بھر کا بوجھ میرے سر پر آپڑا ہے ڈرتا ہوں کہیں قیامت میں غفلت کی باز پرس نہ ہو اور عزت رہ جائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بیٹے کی اخلاقی و دینی جرأت

عمر بن عبدالعزیز جس دن مسند خلافت پر بیٹھے ہیں اس دن رات تک بیعت اور خلیفہ سلیمان کی تجہیز و تکفین میں مشغول رہے، رات کو سونے کا اتفاق نہ ہوا۔ دوسرے روز صبح کو قیلولہ کا ارادہ کیا۔ تو آپ کے فرزند عبدالملک نے کہا حقداروں کے حقوق دوسروں کے ہاتھ میں ہیں۔ اور آپ آرام کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا چند لحظہ قیلولہ کر لوں۔ بعد نماز ظہر کے اس طرف توجہ کروں گا۔ لڑکے نے عرض کیا۔ کیا آپ کو اپنی زندگی پر اس وقت تک باقی رہنے کا وثوق ہے یہ جواب سنکر لڑکے کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اس کی دینی و اخلاقی جرأت کی تعریف کی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اور قیلولہ سے ہاتھ اٹھا کر مقدمات کی طرف رجوع فرمایا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دربار میں ان کے ایک باغی سردار کے قائم مقاموں کی گفتگو

آپ کے عہد حکومت میں بطام خارجی دشوذب نے بعض اختلافات کی وجہ سے بغاوت کی۔ امیر المومنین نے اس کو اس مضمون کا ایک خط لکھا۔ ہم نے سنا ہے تمہاری بغاوت بغرض احیائے سنت اور تمہاری سرکشی بغرض حمایت اسلام ہے۔ ہمارا بھی یہی کام ہے کہ اسلام کی حمایت کریں۔ اور سنت کے خلاف کوئی عمل نہ ہونے دیں۔ لیکن کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس معاملہ میں ہم تم مباحثہ و مناظرہ کر لیں۔ اگر ہم حق بجانب ہوں۔ تو تم مع اپنے اتباع کے ہماری اطاعت کرو۔ اگر تم حق بجانب نکلے۔ تو ہم اس پر مناسب غور کریں گے۔ چنانچہ بطام نے اپنے دو قائم مقام بھیجے۔ امیر المومنین اور ان دونوں قائم مقاموں کے سوال و جواب نہایت دلچسپ۔ صاف گوئی اور بے لوث گفتگو اور آزادانہ بات چیت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اس لئے ان کا کچھ حصہ بطور خلاصہ لکھا جاتا ہے۔

امیر المومنین۔ تمہاری بغاوت کا کیا سبب ہے؟

قائم مقام۔ آپ نے اپنے خاندان والوں کے اعمال کی مخالفت کی ہے اور ان کا نام مظالم رکھا ہے اگر وہ ناحق پر ہیں تو کیا ان پر لعنت کرنا روا نہ ہوگا۔

امیر المومنین۔ تم جادۂ اعتدال اور راہ راست سے دور جا پڑے۔ جب میں نے اپنے خاندان

[1] مقام حلوان مضافات مصر میں ۶۱ھ یا ۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ۹۹ھ میں تخت پر بیٹھے۔ ماہ رجب ۱۰۱ھ میں دو برس پانچ ماہ کی خلافت کے بعد انتقال کیا۔ بڑے صالح اور عادل بادشاہ تھے۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز اور تاریخ الخلفا میں آپ کے حالات موجود ہیں۔

والوں کے اعمال کو ظلم قرار دیا۔ اور ناجائز ذرائع سے جمع کردہ مال ان سے چھین کر بیت المال میں داخل کر دیا ہے۔ تو اب لعنت اور تبرہ کی کیا ضرورت ہے اور اگر اہل معاصی پر لعنت فرض ہی ہے۔ تو بتاؤ فرعون جیسے بدترین خلائق پر قرآن شریف کی کون سی آیت اور حدیث شریف کی کونسی کتاب میں لعنت کا حکم ہے یا تم نے کبھی اس پر لعنت بھی کی ہے۔

قائم مقام۔ ہمکو یاد نہیں آتا۔ کہ ہم نے کبھی اس پر لعنت کی ہو۔ نہ اس پر لعنت کرنا فرض ہے

امیر المومنین۔ اب انصاف تمہارے ہی ہاتھ ہے جب تم ایک بدترین خلائق پر لعنت اور نفرین نہیں کرتے۔ جو مذہب حقہ کا دشمن بلکہ خدائی کا دعویدار تھا۔ تو میں ایسے لوگوں پر کیونکر لعنت کروں جو پابند صوم وصلوٰۃ ہیں۔ کیا ان کی سزا اور مذمت کے لئے یہ کافی نہیں ہے۔ کہ میں نے باوجود ان کے اپنے اہل بیت ہونے کے ان کا مال اسباب مسلمانوں کے عام خزانہ میں داخل کر دیا ہے اسلام نے مجرموں پر حد شرعی کا حکم دیا ہے۔ لعنت ملامت کے لئے نہیں فرمایا۔

قائم مقام۔ آپ نے جو کچھ فرمایا صحیح ہے آپ ان سے الگ ہو جائیں تو مناسب ہے۔

امیر المومنین۔ حضرت ابوبکر نے مرتدوں کو قتل کیا۔ ان کا مال مال غنیمت بنایا ان کے زن و مرد قید کئے لیکن جب حضرت عمر کا زمانہ آیا۔ تو انہوں نے ان قیدیوں میں سے اکثروں کو ندیہ لیکر چھوڑ دیا۔ کیا تم لوگ ان سے الگ ہو گئے۔

قائم مقام۔ نہیں۔

امیر المومنین۔ اچھا اہل نہروان پر جو تمہارے بزرگوں میں تھے اہل کوفہ نے خروج کیا اور اہل بصرہ نے خروج کے علاوہ قتل و غارت سے بھی کام لیا۔ کیا تم نے ان دونوں جماعتوں کو چھوڑ دیا

قائم مقام۔ نہیں۔

امیر المومنین۔ باوجود اختلاف اعمال وافعال کے تم نے کسی کو نہ چھوڑا۔ تو اب مجھے کیوں مجبور کرتے ہو۔ تم بڑے جاہل ہو۔ جو شخص اللہ کی واحدانیت اور اس کے نبی کی رسالت کی گواہی دیدے وہ تو اللہ اور رسول کے امن میں آجائے۔ لیکن تمہاری طرف سے اس کو امن نصیب نہ ہو۔ تم احیائے سنت کا ارادہ کر رہے ہو یا اس کو قتل کرینگا۔

قائم مقام (اس طرف سے ساکت ہوکر) اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے۔ جو جان بوجھکر ایسے شخص کو اپنے بعد جانشین مقرر کرے۔ جو ظالم ہو اور خلافت کے ناقابل۔

امیر المومنین۔ ایسا شخص میرے نزدیک خاطی ہے۔

قائم مقام - یزید بن عبدالملک ظالم فاسق اور بدکار ہے اور آپ اپنا ولی عہد کر کے دینی و دنیاوی کام ایسے فاجر کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔

امیرالمومنین - میں نے ان کو اپنا جانشین نہیں کیا - مجھ سے پہلے جو خلیفہ تھا۔ یہ اسی کا کام ہے اور تم بھی اچھی طرح جانتے ہو۔

قائم مقام - بیشک ہمکو معلوم ہے لیکن اب ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا آپ بھی اسکی جانشینی کو برحق سمجھتے ہیں۔

یہ سنکر امیرالمومنین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور وہ دیر تک ساکت رہے جس کا مطلب یہ تہا کہ وہ دل سے نہیں چاہتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کے خون خرابہ اور باہمی فتنہ و فساد کی وجہ سے اس کا علانیہ اظہار بھی مناسب نہ سمجھتے تھے۔ آخر قائم مقاموں نے یکزبان ہوکر فرمایا ہماری تسلی ہوگئی ہے کہ آپ خلیفہ برحق ہیں۔ اور آپکے افعال و اقوال کتاب و سنت کے موافق ہیں۔ ہم اپنی آزادگوئی کے لئے معافی کے خواستگار ہیں اور آپکے شکرگذار ہیں۔ کہ آپنے باوجود بادشاہ اور امیرالمومنین ہونے کے ہماری باتیں تحمل و بردباری سے سُنیں۔

امیرالمومنین کے فرزندوں کا حال عید کے دن	عمر بن عبدالعزیز کی بیوی نے ایک دن شکایت کی کہ عیدالفطر سر پر آرہی ہے سب لوگ نئے کپڑے پہنیں گے۔ ایک ہمارے لڑکے ہیں کہ خلیفہ

وقت کے فرزند ہونے کے باوجود پھٹے پرانے کپڑوں میں ہوں گے۔ امیرالمومنین نے بیت المال کے خزانچی کو رقعہ لکھا۔ کہ ہمارا حق خلافت ایک مہینہ کا پیشگی بھیجدیجئے۔ مہتمم بیت المال نے عرض کیا۔ بادشاہ کا حکم ہے مجھے کوئی عذر نہیں لیکن امیرالمومنین کو کیونکر یہ یقین ہے کہ وہ ایک مہینہ تک زندہ رہ سکتے ہیں اور اگر اس کا جواب نفی میں ہے۔ تو غریبوں کے مال کا حق کیوں پیشگی ہی اپنی گردن پر رکھتے ہیں۔ فرمایا۔ خزانچی کا خیال بہت صحیح ہے۔ اللہ اللہ کیا لوگ تھے۔ زبانیں حق کہنے کے لئے آزاد تھیں۔ اور کان حق سننے کے لئے کھلے تھے خلوص کے ساتھ جسارت و دلیری بھی اور فراخدلی کے ساتھ اس کی شنوائی

خلفائے بنی امیہ کے زمانہ کے کچھ اور واقعات	آج بھی سلاطین کے ہاں علماء و رؤسا کی آمد و رفت رہتی ہے۔ حکام ذوی الاقتدار کی چوکھٹ پر آج جبہ سائی ہوتی ہے۔ ہم آپ کو بتاتے

ہیں کہ ہمارے بزرگان سلف ہی اس قاعدہ سے مستثنےٰ نہ تھے۔ بادشاہوں کے بلانے بلکہ ان کے مجبور کرنے سے ان کو بھی درباروں میں جانا پڑتا تھا۔ بعض ایسے بھی تھے۔ جو

اپنی مرضی سے دربار میں جاتے تھے لیکن وہ لوگ ان کے بیجا رعب واقتدار سے دبتے نہیں تھے۔ اور چونکہ کوئی غرض لیکر نہ جاتے تھے۔ اس لئے آزادانہ گفتگو کرتے تھے۔ اور جن بادشاہوں یا حاکموں کو خداوند کریم نے اپنے مخالف و موافق باتیں سننے کی توفیق عطا کی تھی۔ وہ سنتے تھے۔ اور ان سے فایدہ حاصل کرتے تھے۔ زمانہ بنی امیہ کے ایسے ہی چند اور واقعات جو ہم کو باب سوم کی نظر ثانی کے بعد (الغزالی سے) ملے ہیں۔ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

ہشام بن عبدالملک حج کرنے لگا۔ تو طاؤس یمانی کو طلب کیا۔ انہوں نے دربار میں پہنچکر فرش کے کنارے جوتیاں اتاریں۔ پھر السلام علیک کہکر اس کے برابر بیٹھ گئے۔ اور کہا کیوں ہشام تیرا مزاج کیسا ہے؟ ہشام کو سخت غصہ آیا اور کہا۔ یہ کیا گستاخانہ حرکتیں ہیں۔ نہ مجکو امیر المومنین کہکر خطاب کیا۔ نہ کنیت کے ساتھ نام لیا۔ نہ میرے ہاتھ چومے۔ طاؤس نے کہا۔ ہاتھ تو میں نے اس لئے نہیں چومے کہ میں نے حضرت علی سے سنا ہے کہ صرف دو شخصوں کا ہاتھ چومنا جائز ہے بیوی کا یا بچہ کا۔ امیر المومنین کا لفظ اس لئے استعمال نہیں کیا۔ کہ تمام مسلمان تجکو امیر المومنین نہیں سمجھتے۔ اس لئے میں اگر یہ لقب استعمال کرتا۔ تو جھوٹا ہوتا۔ کنیت کی یہ کیفیت ہے کہ قرآن مجید میں خدا نے انبیا اور اولیا کے نام بغیر کنیت کے لئے ہیں۔ مثلاً داؤد و سلیمان عیسیٰ۔ موسیٰ۔ اور کافروں کو کنیت کے ساتھ خطاب کیا ہے۔ مثلاً ابولہب۔ ہشام متاثر ہوا اور کہا کوئی اور نصیحت بھی کرو۔ طاؤس نے کہا کہ میں نے حضرت علی سے سنا ہے کہ دوزخ میں بڑے بڑے سانپ اور بچھو ہوں گے جو ان سلاطین کو کاٹیں گے اور ڈنک ماریں گے۔ جو رعایا پر ظلم کرتے ہیں۔ یہ کہکر اٹھے اور چلے گئے۔

سلیمان بن عبدالملک مدینہ گیا تو ابوحازم کو بلا بھیجا اور کہا کیوں ابوحازم؟ ہم لوگ کیوں موت سے ڈرتے ہیں۔ ابوحازم نے کہا چونکہ تمہاری دنیا آباد اور آخرت برباد ہے۔ اس لئے تم کو آبادی سے ویرانے میں جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔

حجاج بن یوسف نے حطیط زیات کو اپنے دربار میں بلایا اور کہا تم مجکو کیسا سمجھتے ہو۔ حطیط نے کہا۔ تو خدا کا دشمن ہے۔ حجاج نے کہا اور امیر المومنین عبدالملک بن مروان؟ حطیط نے کہا اصل تو وہی ہے۔ تو اس کی فرع ہے۔ حجاج نے اس پر نہایت بیدردی اور بیرحمی سے طرح طرح کے عذاب دیکر ان کو قتل کرا دیا۔ لیکن انہوں نے اُف تک نہ کی۔

باب چہارم

خلفائے عباسیہ

فصل اوّل

خلیفہ ابوالعباس سفاحؒ و خلیفہ منصورؒ

جان دیدی مگر اظہار حق سے باز نہیں آئے

ابراہیم بن میمون صائغ مروزی دوسری صدی ہجری کے فقہا و علما میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ابومسلم خراسانی نے جب عروج و اقتدار حاصل کر کے خلفائے بنی امیہؒ اور ان کے طرفداروں کو تنگ بلکہ بیدریغ قتل کرنا شروع کیا۔ تو ابراہیم بن میمون اس جور و تشدد کے دیکھنے کی تاب نہ لاکر اس کے پاس گئے۔ اور خون ناحق سے باز رکھنا چاہا۔ ابومسلم خراسانی اپنے پورے زور پر تھا۔ وہ بنی امیہؒ کا نام و نشان مٹا کر بنی عباس کی سلطنت قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ابراہیم کی ایک نہ سنی۔ بلکہ انہیں قید کر دیا۔ تمام فقہا اور علما جمع ہوئے۔ ایک وفد کی صورت میں ابومسلم کے پاس گئے اور کہہ سنکر رہا کرا لائے۔

چونکہ ابومسلم بنوامیہؒ کے آدمیوں کو بے انتہا تکلیفیں دیتا اور ان کے بے تعداد آدمیوں کو قتل کرتا تھا اور کوئی اس کے آگے دم نہ مار سکتا تھا۔ اس لئے ابراہیم نے ابومسلم کو پھر سرزنش کی اور خون ناحق سے باز رکھنا چاہا۔ ابومسلم نے ان کو گرفتار کر کے بمقام مرو ۱۳۱ھ یا ۱۳۲ھ میں قتل کرا دیا۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ جب آپ کے شہید ہونے کی خبر

امام ابو حنیفہ کو پہنچی تو وہ زار زار روتے رہے [1] [2] حدائق الحنفیہ حدیقہ دوم صفحہ ۱۰۵

یہ زمانہ ابو العباس سفاح عبداللہ بن محمد کا تھا۔ جو بنی عباس کا سب سے پہلا بادشاہ تھا۔ سفاح نے ۲۷۔ ربیع الاول کو بیعت لی اور ۱۳۶ھ میں انتقال کیا۔ بنی امیہ کے ساتھ اس نے بڑے ظلم کئے ان کی قبریں تک اکھڑوا کر ہڈیاں بھی جلوا دیں خلیفہ منصور اس کا بھائی تھا۔

ایک چوکیدار نے شہزادہ کو بغیر محصول کے نہیں گذرنے دیا

ابو العباس سفاح کا ولی عہد اس کا بھائی المنصور ابو جعفر تھا [1]۔ جب وہ طلب علم کے لئے ادہر اُدہر پھرا کرتا تھا۔ ایکدن ایک منزل پر اترا جہاں ہر آدمی سے دو درہم محصول لیا جاتا تھا۔ چوکیدار نے کہا جب تک آپ محصول ادا نہ کریں گے یہاں قیام پذیر نہیں ہو سکتے۔ منصور نے کہا۔ میں بنی ہاشم ہوں اور ابو العباس کا بیٹا ہوں۔ محصول سے درگذر۔ اس نے کہا حکم حاکم سے مجبور ہوں۔ منصور نے کہا۔ میں رسول اللہ صلعم کے چچا کے بیٹوں میں سے ہوں۔ چوکیدار نے کہا۔ جو آئین ہے اس کے خلاف کس طرح عمل کر سکتا ہوں۔ منصور نے کہا قرآن شریف جانتا ہوں۔ عالم فقیہہ اور ماہر فرائض ہوں۔ دو درہم کیا ہیں۔ ہزار ہزار درہم کا ایک ایک نکتہ بیان کروں گا۔ چوکیدار نے کہا۔ یہ سب صحیح ہے۔ لیکن آئین سلطنت میں کسی کے ساتھ رواداری جائز نہیں ہے۔ مجھے اس معاملہ میں معذور سمجھو [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۲
دیکھتے ہو ایک ادنی چوکیدار اس شخص کا جو بنی ہاشم ہے عالم اور فقیہہ ہے اور تھوڑے ہی زمانہ کے بعد بادشاہ بننے والا ہے۔ فرائض کی بجا آوری میں کوئی لحاظ نہیں کرتا۔ کیا ہم بھی اپنے فرائض کی بجا آوری میں ایسی ہی مستعدی کا اظہار دکھاتے ہیں۔

انعام و اکرام کا طالب حق گوئی کی جرأت نہیں رکھتا

منصور کے پاس چند زاہد آئے ان میں سے ایک نے کہا خدا نے تمام دنیا تجھے عطا کر دی ہے۔ کچھ حصہ زمین کے بدلے تھوڑی سی آخرت کی آسائش بھی خرید لے۔ اس رات کو بھی کبھی کبھی یاد کیا کر۔ جب تو قبر میں سوئیگا اور اس دن کو بھی کبھی یاد کر لیا کر جس کے بعد کوئی رات نہ آئے گی۔ منصور یہ سنکر خاموش ہو گیا اور حکم دیا کہ ان کو کچھ انعام دیا جائے۔ اس نے کہا جس کو انعام لینے کی خواہش ہوتی ہے۔ اس کو بادشاہوں سے ایسا کلام کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

خلیفہ منصور کی خوشی اپنے ملک میں عدل و حریت کی اشاعت پر!

قاضی بصرہ (سوار بن عبداللہ) کے پاس ایک مقدمہ تھا جسمیں ایک فریق سائیس اور ایک سوداگر تھا۔ سوداگر کی رسائی بادشاہ تک تھی

[1] المنصور ابو جعفر عبداللہ عباسیوں کا دوسرا بادشاہ ۹۵ھ میں پیدا ہوا۔ حرص دبخل میں بہت مشہور تھا۔ ۱۳۶ھ میں تخت پر بیٹھا اور ۱۵۸ھ تک حکومت کرتا رہا۔ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۳

تھی۔ چنانچہ قاضی کے پاس خلیفہ منصور نے فرمائش بھیجی کہ فیصلہ بحق سوداگر کرنا ہوگا۔ قاضی نے لکھا جو شہادت میرے سامنے پیش ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصلہ بحق سائس ہوگا۔ اور میں شہادت کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتا۔ منصور نے تاکیدی حکم بھیجا۔ لیکن قاضی نے انکار کیا جب منصور کو دوبارہ انکاری جواب آیا۔ تو خوش ہوکر کہا الحمدللہ کہ عدل اور حریت میری تمام مملکت میں پھیل گئے ہیں۔ ایک مرتبہ یہی قاضی صاحب خلیفہ منصور کے پاس بیٹھے تھے خلیفہ کو چھینک آئی۔ قاضی سوار نے یرحمک اللہ نہ کہا۔ خلیفہ نے کہا یہ کیا حرکت ہے تم نے یرحمک اللہ کیوں نہیں کہا۔ قاضی نے کہا اس لئے کہ آپ نے الحمدللہ نہیں کہا۔ خلیفہ نے کہا میں نے دل میں کہہ لیا تھا۔ قاضی نے کہا کہ میں نے بھی دل میں یرحمک اللہ کہہ لیا تھا۔ خلیفہ نے یہ سنکر کہا آپ واقعی جب میری رعایت بھی نہیں کرتے تو اور کسی کی کیا کرتے ہوں گے۔

منصور ایک مرتبہ مدینہ میں تھا۔ چند شتربانوں نے کسی معاملہ میں اس پر نالش کردی قاضی مدینہ نے اسے باضابطہ طور پر بلوایا۔ اور جب وہ عدالت میں آیا۔ تو اس کی تعظیم کے لئے نہ اٹھا بلکہ جیسا تھا ویسا ہی بیٹھا رہا۔ اور مقدمہ میں شتربان چونکہ سچے تھے اور شہادتیں بھی ایسی ہی گذری تھیں۔ اس لئے فیصلہ منصور کے خلاف کردیا۔ خلیفہ نے کہا اس جرات و عدل کیلئے خدا تمکو جزائے خیر دے۔ تاریخ الخلفا میں لکھا ہے منصور نے قاضی کے پاس اس انصاف کے صلہ میں دس ہزار دینار بھی بھیجے تھے

منصور نے ایک مرتبہ عمرو بن عبید کو بلوا بھیجا۔ وہ آئے خلیفہ نے ان کو کچھ روپیہ دینے کا حکم دیا آپ نے انکار کیا۔ منصور نے کہا واللہ آپ کو لینا ہوگا انہوں نے کہا واللہ ہرگز نہ لوں گا۔ منصور کے بیٹے مہدی نے کہا کہ امیرالمومنین نے قسم کھائی ہے اب تو آپ ضرور لے لیجئے۔ عمرو بن عبید نے کہا بہت بہتر۔ لیکن آئندہ کے لئے طے ہوجانا چاہئے۔ کہ جب تک میں خود نہ آؤں آپ مجھے یہاں لانے کی تکلیف نہ دیں اور جبتک میری خواہش نہ ہو مجھے زربخشی سے معاف رکھیں۔[1]

[1] تاریخ الخلفا صفحہ ۱۲۵

رعایا کی جرات خلیفہ کے سامنے

تاریخ الخلفا میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں۔ خلیفہ منصور کو شام میں کوئی بدوی ملا۔ کہا شکر کرو۔ خدا نے طاعون کو تم پر سے محض اس وجہ سے رفع کیا ہے کہ تم ہماری زیر حکومت ہو۔ بدوی نے کہا ایمان کی پوچھتے ہو۔ تو تمہاری حکومت اور طاعون دونوں ہمارے لئے یکساں ہیں۔

سفاح کی حکومت فتنوں کو فرو کرنے میں بسر ہوئی۔ منصور کو بھی جابجا بغاوتیں فرو کرانے

میں ایک عرصہ لگ گیا۔ ان خونریزیوں کی وجہ سے ملک میں افسردگی سی تھی چنانچہ ایک موقع پر منصور
نے عبدالرحمان سے جو اس کا بچپن کا دوست تھا پوچھا ہماری سلطنت کو مروان کی سلطنت سے
کیا نسبت ہے منصور کو توقع تھی کہ وہ میری تعریف کریگا۔ لیکن اس نے کہا میرے نزدیک تو
کچھ فرق نہیں منصور نے کہا کیا کروں کام کے آدمی نہیں ملتے۔ عبدالرحمن نے کہا بازار میں جس جنس کی
زیادہ مانگ ہوتی ہے کثرت بھی اسی کی ہوتی ہے۔

امام ابوحنیفہ خلیفہ منصور کی قید میں

سادات کی خانہ بربادی کی وجہ سے ۱۴۵ھ میں انہی مظلوم سادات میں سے محمد نفس
ذکیہ اور اس کے بھائی ابراہیم نے یکے بعد دیگرے علم خلافت بلند کیا۔ بڑے بڑے
پیشوایان مذہب حتیٰ کہ امام مالک نے فتویٰ دیدیا کہ منصور نے جبراً بیعت لی خلافت نفس ذکیہ
کا حق ہے۔ نفس ذکیہ کے قتل کے بعد ابراہیم[1] خلافت کا مدعی ہوا منصور (اور ابومسلم خراسانی نے
ذکر ان ظلموں کا بانی تھا) بڑے بڑے لوگ قتل کرادیئے جب ابراہیم بھی مارا گیا۔ تو منصور ان لوگوں
کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا امام[2] ابوحنیفہ بھی انہی میں تھے جب ان کو
بلایا اور وہ دربار میں حاضر ہوئے۔ تو ان کے لئے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام ابوحنیفہ نے انکار کیا
اور کہا میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا منصور نے غصہ میں آکر کہا تم جھوٹے ہو۔ امام ابوحنیفہ نے کہا
اگر میں جھوٹا ہوں۔ تو یہ دعوٰی ضرور سچا ہے کہ میں عہدہ قضا کے قابل نہیں۔ کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر
ہوسکتا منصور نے نہ مانا اور قسم کھا کر کہا تم کو قبول کرنا ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے بھی قسم کھائی اور کہا میں ہرگز
قبول نہ کروں گا اس جرأت دلیرانہ پر تمام دربار حیرت زدہ تھا جب منصور نے زیادہ جبر کیا تو مجبوراً
دار القضا میں جاکر بیٹھے۔ لیکن پھر آکر کہدیا کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہوسکتا۔ اس پر حکم ہوا قید خانہ میں
بھیجے جائیں جس سے اس وقت چھوٹے کہ قید حیات سے چھوٹے[3] [3] سیرۃ النعمان مولفہ شبلی نعمانی مرحوم
بغداد کی علمی جماعت امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی۔ ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ

---

[1] ابراہیم بن عبداللہ ابن امام حسن علیہ السلام نے ۱۴۵ھ میں بصرہ اور اس کے گرد و نواح سے بہت بڑا لشکر جمع کیا کوفہ کے متصل منصور عباسی کے ساتھ لڑائی ہوئی جہاں آپ شہید ہوگئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۲۰ ہزار آدمی اس معرکہ میں کام آیا تھا ۱۴۵ھ میں بصرہ کا حاکم محمد ابن سلیمان تھا اس نے منصور کے حکم سے صرف بصرہ ہی میں تین ہزار گھر بے خانماں کئے۔ ۲۰۰ ہزار سے زیادہ درخت اکھڑوادیئے پچپن آدمی صرف شہر ہی میں پھانسی دیئے گئے پانچسو کو پابزنجیر کیا گیا۔ ان لوگوں کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے ابراہیم کی دعوت خلافت قبول کر لی تھی۔ تاریخ بصرہ مصنفہ آقا میرزا حسن خان نصرت الوزارت متخلص بہ بدیع مطبوعہ ۱۳۳۲ھ (در فارسی) صفحہ ۲۲ مولانا شبلی نے سیرۃ النعمان میں ابراہیم کا سال وفات ۱۴۵ھ لکھا ہے اور مصنف تاریخ بصرہ نے ۱۴۵ھ ہمارے خیال میں آخر الذکر مصنف نے جو سال وفات لکھا ہے وہ صحیح ہے

[2] نعمان نام ابوحنیفہ کنیت امام اعظم لقب بڑے حقگو اور حریت پسند تھے ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں قید خانہ ہی میں وفات پاگئے۔ مولانا شبلی مرحوم نے آپ کے حالات میں کتاب سیرۃ النعمان لکھی ہے۔

کہ منصور نے گو ان کو قید میں ڈال رکھا اور نظر بند کر رکھا تھا۔ لیکن کوئی امر ان کے ادب اور تعظیم کے خلاف نہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ عوام کے بھڑک اٹھنے کا اندیشہ تھا۔ امام صاحب کہ علوم و فنون کا خزانہ تھے اور عوام کا رخ اپنی طرف کثرت اور شدت سے دیکھتے تھے انہوں نے نظر بندی کی حالت میں بھی سلسلہ تعلیم برابر جاری رکھا اور اکثر لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ منصور بظاہر تو مخلوق کے خوف سے کچھ نہ کر سکتا تھا۔ لیکن امام صاحب کی یہ مقبولیت دیکھکر دل ہی دل میں متفکر رہتا تھا۔ آخر اس نے ان کو زہر دلوا کر مروا ڈالا۔ امام محمد کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ النعمان کا یہی قید خانہ جس میں انہوں نے چار برس گذارے اور جہاں سے قید ہستی سے رہا ہونے پر رہائی پائی ان کی تعلیم کا مدرسہ تھا۔

گورنر کوفہ کی ملاقات سے امام ابو حنیفہ کا انکار

امر حق کے اظہار میں امام ابو حنیفہ کو کسی سے باک نہیں ہوتا تھا اور کوئی چیز ان کی آزادی کو دبا نہ سکتی تھی۔ ایک مرتبہ ابن ہبیرۃ نے کہ کوفہ کا گورنر تھا۔ آپ سے کہا کبھی کبھی قدم رنجہ فرمایا کریں۔ تو مجھ پر احسان ہو۔ کہا تم سے مل کے کیا کروں گا مہربانی سے پیش آؤ گے تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آ جاؤں عتاب کرو گے تو میری ذلت ہے تمہارے پاس جو زر و مال ہے۔ مجکو اس کی حاجت نہیں۔ میرے پاس جو دولت ہے اس کو کوئی شخص چھین نہیں سکتا۔

ابو حنیفہ کی حق پسندی

ایکدن حلقۂ درس قائم تھا۔ ایک نوعمر نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب دیا۔ اس نے جواب کو تسلیم نہ کیا اور کہا آپ غلطی پر ہیں۔ ابو الخطاب جرجانی بھی حلقہ میں شریک تھے ان کو نہایت غصہ آیا اور حاضرین سے کہا۔ تم لوگ بڑے بے حمیت ہو۔ امام کی شان میں ایک لونڈا جو جی میں آتا ہے۔ کہہ جاتا ہے۔ تم کو ذرا جوش نہیں آتا۔ امام صاحب نے ابو الخطاب کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ ان لوگوں پر کچھ الزام نہیں۔ میں اس جگہ بیٹھا ہوں۔ تو اسی لئے بیٹھا ہوں کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیاں ثابت کریں اور میں تحمل کے ساتھ سنوں۔

خلیفہ منصور اور حضرت سفیان ثوری

خلیفہ منصور جب حج کو گیا اور مقام منٰی میں پہنچا تو حضرت سفیان ثوری کی مرضی کے بغیر زبردستی ان کو بلوا بھیجا۔ سفیان گئے اور کہا خدا سے ڈر۔ دنیا تیرے جور و ظلم سے لبریز ہو گئی ہے۔ منصور نے کہا۔ کوئی خواہش ہو تو بیان کیجئے۔ سفیان نے کہا جن لوگوں کی تلوار کی بدولت تو آج اس رتبہ کو پہنچا ہے۔ انہی کی اولاد بھوکی مر رہی ہے۔ منصور نے کہا۔ کچھ اپنے لئے مانگئے۔ فرمایا جب حضرت عمر نے حج کیا تھا۔ تو دس درہم سے کچھ زیادہ خرچ ہوئے تھے۔ تو

اس قدر روپیہ ساتھ لئے پھرتا ہے کہ بار برداری بھی اس کی متحمل نہیں ہوسکتی (الغزالی صفحہ ۱۸۲)

خلیفہ منصور کے حق گو مشیر اور مصاحب علما،

ہر بادشاہ کے دربار میں جھوٹے خوشامدیوں کا بھی ایک گروہ عظیم ہوتا ہے۔ جو اپنی مطلب براری کے لئے جھوٹی تعریفیں اور بیجا خوشامدیں کرکے اس کے ہر قبیح کو حسن ہر برائی کو بھلائی ہر بدی کو نیکی اور اس کے ہر ظلم کو انصاف ظاہر کرتا رہتا ہے۔
لیکن چند ایسے اللہ کے بندے بھی ہوتے ہیں۔ جو بادشاہ کو اس کی کمزوریوں اور اس کے نقائص سے آگاہ کرکے رعیت پروری اور عدل و رحم کی طرف مائل کرتے رہتے ہیں۔ منصور کے دربار میں بھی اس قسم کے حق گو لوگ موجود تھے۔ انہی میں مبارک بن فضالہ بھی تھے۔ ایکدن وہ منصور کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ منصور نے ایک شخص کو اس کے کسی قصور پر قتل کی سزا دی۔ مبارک نے کہا امیرالمومنین میں نے امام حسن سے سُنا ہے رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔ قیامت کے دن منادی کی جائیگی کہ جن لوگوں کا کوئی اجر خدا کے اوپر ہو۔ وہ کھڑے ہو جائیں۔ کوئی شخص کھڑا نہ ہوگا۔ سوائے اس کے جس نے کسی کی جان بخشی کی ہو۔ اور پھر اس کا قصور بھی ایسا سخت نہیں ہے۔ عفو اور جان بخشی کے نتائج بہت اچھے نکلا کرتے ہیں۔ منصور نے حکم دیا کہ اس شخص کو (تنبیہ کرکے) رہا کردیا جائے اسیطرح ایک اور شخص سزا یابی کے لئے خلیفہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ اس شخص نے کہا امیرالمومنین عفو انتقام سے بہتر ہے۔ ہم آپکے لئے دعا کرتے ہیں۔ خدا آپ کو کسی ادنےٰ لغزش اور سختی میں بھی مبتلا نہ کرے۔ اور اعلےٰ مراتب پر پہنچائے۔ منصور نے اس کا قصور معاف کردیا (تاریخ الخلفاء ۲۶۲)

خلیفہ منصور سے سر ممبر ایک آدمی کا سوال

خلیفہ منصور نے ایکدن ممبر پر چڑھکر خطبہ پڑھنا شروع کیا۔ لیکن ابھی وہ کلمہ شریف ہی پڑھنے پایا تھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔ امیرالمومنین ذکر خدا کے ساتھ یہ بھی بتاؤ۔ کہ تم ہو کون؟ منصور نے کہا مرحبا تم نے خوب کہا لیکن پہلے ضرور تھا کہ میں خدا کا ذکر کر لیتا۔ الحمدللہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں کہ جب اُن سے کہا جائے۔ خدا سے ڈرو۔ تو وہ اور بھی زیادہ بیخوف ہوکر منہیات پر جسارت کرنے لگتے ہیں اور کہنے والے کو ہلاک کردیتے ہیں۔ پند و موعظت ہم ہی سے شروع ہوئی ہے اور ہم ہی سے نکلی ہے (بنی ہاشم ہونیکی وجہ سے) خدا نے تجھے اس قابل نہیں بنایا کہ تجھ پر سختیاں پڑیں اور تو صبر کرلے۔ یعنی تو وہ نہیں ہے۔ کہ تجھ پر الزام اور تہمتیں لگائی جائیں اور تجھ میں طاقت بھی بدلہ لینے کی ہو اور پھر تو صبر و تحمل سے کام لے تو اسی کو غنیمت سمجھ کہ خطبہ کے درمیان تو نے بلا وجہ مجھے ٹوکا اور میں نے تیری جان بخشی کردی اس جملہ معترضہ کے بعد اس نے اپنی اصلی تقریر شروع کردی (تاریخ الخلفا صفحہ ۲۶۴)

گو سوال نامعقول تھا اور بلا سبب اور بلا وجہ تھا تاہم اس واقعہ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص آزادانہ گفتگو کر سکتا تھا۔ نیز بادشاہ آزادانہ بات چیت سننے کے عادی تھے اور لوگوں کی زبانیں بند نہیں تھیں۔

اشاعت علم کی خاطر عہدۂ قضا کی پرواہ نہیں کی!

اصفہان میں زفر بن ہذیل بن قیس بن سلیم الخبری العجری ایک نامی فقیہ گذرے ہیں ۱۱۰ھ میں بزمانہ ہشام بن عبدالملک بن مروان پیدا ہوئے امام ابو حنیفہ کے ان دس اصحاب میں سے تھے جنہوں نے امام کو کتب فقہ کی تدوین میں مدد دی ہے زفر کو حاکم وقت کی طرف سے قضا کے لئے کہا گیا۔ آپ نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ وہاں تو خطا کا اندیشہ ہے اور گناہ کا احتمال۔ یہاں درس حدیث و فقہ جاری ہے۔ جو ثواب ہی ثواب ہے اس لئے میں اشاعت حدیث و ترویج علم کو عہدہ قضا سے بہتر سمجھتا ہوں۔ حاکم نے اس پر ناراضگی ظاہر کی۔ مگر آپ نے کوئی پرواہ نہ کی کسی نہ کسی بہانے سے دو مرتبہ آپ کا مکان بھی گرا دیا گیا۔ اور آپ کو اور بھی کئی قسم کی تکالیف دی گئیں۔ مگر آپ نے یہ عہدہ قبول نہ کیا[1] خلیفہ منصور ابو جعفر عبداللہ کے زمانہ میں ۱۵۸ھ میں وفات پائی "اصحاب و انا تاریخ وفات ہے"

[1] حدائق الحنفیہ حدیقہ دوم صفحہ ۱۰۹

فصل دوم

خلیفہ مہدی ہارون رشید امین الرشید

حرمت حدیث کے متعلق شہزادہ بغداد اور شہزادہ کے استاد کے سوال و جواب

شریک خلیفہ مہدی[1] کے لڑکوں کا استاد تھا۔ مہدی کا ایک لڑکا آیا۔ اس نے کھڑے کھڑے کوئی حدیث پوچھی۔ لیکن شریک نے توجہ بھی نہ کی۔ اس نے پھر پوچھا۔ اس نے پھر کچھ جواب نہ دیا۔ لڑکے نے خفا ہو کر کہا کیا آپ شہزادوں کی تحقیر کرتے ہیں؟ شریک نے کہا اہل علم کے نزدیک شہزادوں کی نسبت علم کی زیادہ قدر ہے۔ اور وہ اس قدر کو رائیگاں نہیں کرنا چاہتے۔ یہ سنکر شہزادہ دو زانو ہو بیٹھا اور شریک نے علمی باتوں کا جواب دیا

---

[1] ابو عبداللہ محمد المہدی بن منصور ۱۲۷ھ اور بقول بعض ۱۲۶ھ میں پیدا ہوا ۱۵۸ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اور ۲۲ محرم ۱۶۹ھ کو انتقال کر گیا۔

اپنی موت قبول کی مگر ایک بیگناہ کو بچا لیا

ابو العتاہیہ خلیفہ مہدی کے دربار کا ایک نامور شاعر تھا۔ قصیدہ خوانی سے جب جی اچاٹ ہو گیا۔ تو شعر کہنا ہی ترک کر دیا۔ خلیفہ نے ایک قصیدہ کی فرمائش کی۔ صاف انکار کر دیا خلیفہ نے ناراض ہو کر قید خانہ میں ڈال دیا۔ وہاں ایک اور قیدی اس جرم میں تھا۔ کہ وہ خلیفہ کو عیسیٰ بن زید بن حارثہ[1] کا پتہ نہیں بتاتا تھا۔ ابو العتاہیہ کہتا ہے۔ میں ایک دن غمگین بیٹھا تھا۔ وہ شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا شعر گوئی تیرے روزگار کا ذریعہ ہے۔ ترک شعر سے کیا فایدہ۔ روزی بھی گئی اور قید خانہ بھی نصیب ہوا بہتر یہ ہے کہ اپنا شغل جاری رکھ اور رہائی حاصل کرے لیکن میرا معاملہ تجھ سے جدا ہے اگر میں عیسیٰ بن زید کا پتہ بتا دوں تو اللہ تعالیٰ کے روبرو قاتلوں میں میرا شمار ہو گا۔ ایک تو وہ بیگناہ ہے۔ دوسرے رسول اللہ قصاص کے مدعی ہوں گے۔ اور اگر نہ بتاؤں تو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ لیکن تم دیکھتے ہو کہ موت و زلیست کی اس کشمکش میں بھی میں کیسے صبر و اطمینان سے بیٹھا ہوں۔ ابو العتاہیہ کہتا ہے جب خلیفہ نے اس کو عیسیٰ بن زید کا پتہ پوچھنے کیلئے بلایا اور کہا عیسیٰ بن زید کہاں ہے۔ اس نے جواب دیا میں قید خانہ میں ہوں۔ مجھے کیا معلوم کہ اب وہ کہاں ہے؟ اور اگر وہ میرے کپڑوں اور میری کھال کے اندر بھی چھپا ہوتا۔ تو میں اس بیگناہ کا خون اس کا پتہ بتا کر اپنی گردن پر نہ لیتا چنانچہ خلیفہ کے حکم سے اس کی گردن اڑا دی گئی لیکن اس نے پتہ نہ بتایا[2]

خلیفہ مہدی کی ناراضگی ایک جھوٹے محدث پر

خلیفہ مہدی کے پاس ایک مرتبہ دس محدث آئے۔ انہیں میں فرج بن فضالہ اور غیاث بن ابراہیم بھی تھے غیاث کو معلوم تھا کہ مہدی کو کبوتر بازی کا شوق ہے۔ مہدی نے غیاث سے کہا۔ کوئی حدیث بیان کیجئے۔ غیاث نے کہا۔ فلاں شخص نے حضرت

---

[1] زید بن حارثہ ابتدائے عمر میں بدمعاشوں کے ہتھے چڑھکر عکاظ کے بازار میں چار سو درہم پر فروخت ہوئے۔ حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی کے سپرد کر دیا۔ جب حضرت خدیجہ کا نکاح رسول اللہ صلعم سے ہو گیا۔ تو حضرت خدیجہ نے زید آپ کو بطور نذر پیش کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد زید کا باپ اور چچا اس کو لینے کے لئے آئے لیکن اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ آنحضرت صلعم نے آپ کو آزاد کر دیا۔ لیکن آپ آزاد ہو کر بھی ع

بادشاہی سے تو بہتر ہے گدائی تیری

کا مصداق ہی رہے آپ قبل از نبوت زید بن محمد اور بعد از بعثت اسلام زید بن حارثہ اور زید حب النبی کے نام سے پکارے جاتے تھے آنحضرت صلعم نے آپ کو اکثر مرتبہ امیر قافلہ بنایا ہے آپ کا پہلا نکاح ام ایمن (آنحضرت صلعم کی موروثی لونڈی) سے ہوا جس سے اسامہ بن زید پیدا ہوئے۔ اس کے بعد آپ کا نکاح بنت جحش سے ہوا۔ جن کی والدہ امیمہ بنت عبد المطلب آنحضرت صلعم کی پھوپھی ہیں۔ جب زید نے زینب کو طلاق دیدیا۔ تو آنحضرت صلعم نے ان سے نکاح کر دیا۔ زید سات غزوات میں شامل رہے ۸ھ میں بعمر پچپن سال آپ تو میں غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے۔ انس بن مالک۔ براء بن عازب عبد اللہ بن عباس اسامہ بن زید نے آپ سے اکثر حدیثیں روایت کی ہیں (مشاہد صفحہ ۱۲۴)

[2] مشاہیر الاسلام ترجمہ تاریخ ابن خلکان میں یہ واقعہ بہت تفصیل سے درج ہے۔

ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کی۔ کہ رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ سبقت گھوڑوں میں مناسب ہے یا تیراندازی میں یا پرندوں کے رکھنے میں۔ مہدی کو اس جھوٹے اور خوشامدی محدث پر غصہ آیا لیکن باوجود غصہ کے دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ اور غیاث سے کہا۔ باطن تمہارا جیسا کچھ ہو اس کا علم نہیں۔ لیکن تمہاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ تم سخت دروغ گو اور دھوکہ دینے والے اور مصنوعی حدیثیں بنانے والے ہو۔ ان کے جانے کے بعد حکم دیا۔ کہ چونکہ اس شخص نے ایک جھوٹی حدیث بیان کرکے مجھے لہو ولعب کی طرف اور زیادہ مائل کرنا چاہا ہے اس لئے کبوتر خانہ منہدم کر دیا جائے۔ آدمی موقوف اور تمام کبوتر ذبح کر دیئے جائیں۔

ایک وہ تھے ایک ایسے بھی ہیں جو اپنے عیبوں اور گناہوں اظلموں اور اپنی سیاہ کاریوں کو چھپانے کے لئے خودغرض مفتیوں اور مولویوں سے اپنے حسب منشا فتوے لکھواتے ہیں اور اپنے ساتھ ان کے ایمانوں کا بھی صفایا کر رہے ہیں۔

خلیفہ ہارون رشید کو ایک بزرگ کی نصیحت

ایک دن ابن سماک ہارون الرشید کے پاس گئے۔ خلیفہ کو پیاس لگی پانی مانگا پینے کو تھا کہ ابن سماک نے کہا۔ امیرالمومنین ذرا ٹھہر جایئے۔ پہلے یہ بتایئے اگر پانی آپ کو نہ ملے تو شدت پیاس میں آپ ایک پیالہ پانی کا کس قیمت تک خرید سکیں گے۔ ہارون رشید نے کہا نصف سلطنت دیکر لیلوں گا۔ ابن سماک نے کہا۔ آپ پی لیجئے۔ جب وہ پی چکا۔ تو پھر کہا اگر یہ پانی آپ کے پیٹ میں رہجائے اور نہ نکلے۔ تو اس کے نکلوانے کے عوض آپ کیا خرچ کریں گے خلیفہ نے کہا باقی تمام سلطنت دیدوں۔ ابن سماک نے کہا بس یہ سمجھ لیجئے۔ کہ آپ کا تمام ملک ایک گھونٹ پانی اور چند قطرے پیشاب کی قیمت رکھتا ہے۔ پس اس پر کبھی تکبر نہ کیجئے اور جہانتک ہو سکے لوگوں سے نیک سلوک کیجئے۔ تاریخ الخلفا میں لکھا ہے۔ کہ ہارون پر اس بات کا بڑا اثر ہوا اور وہ دیر تک روتا رہا۔

حضرت فضیل بن عیاض اور ہارون رشید کی گفتگو

ہارون رشید اور حضرت فضیل بن عیاض کی ایک ملاقات کا ذکر تذکرۃ الاولیا خواجہ فریدالدین عطار ؒ میں مفصل درج ہے۔ ہم یہاں اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہارون رشید نے اپنے وزیر فضل برمکی سے کہا کوئی کامل مرد ہو۔ تو اس کا خیال رکھو۔ وزیر خلیفہ کو پہلے حضرت عبدالرزاق صنعانی پھر سفیان بن عئینہ کے پاس لیگیا۔ لیکن خلیفہ کی دونوں سے تسلی نہ ہوئی۔ کیونکہ دونوں صاحبان سے رخصت ہوتے وقت جب دریافت کیا گیا۔ تو دونوں نے اپنے قرضہ کا اظہار کیا چنانچہ امیرالمومنین کے حکم سے قرضہ ادا کر دیا گیا۔ آخر حضرت فضیل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

فرمایا کون ہے؟ وزیر نے کہا امیر المومنین آئے ہیں۔ کہا یہاں امیر کا کیا کام؟ ان سے کہئے تشریف لیجائیں اور میرے مشاغل میں مخل نہ ہوں۔ غرض وہ زبردستی گھس آئے۔ خلیفہ نے کہا کوئی نصیحت فرمائیے فرمایا جب حضرت عمر تخت خلافت پر بیٹھے ہیں۔ تو انہوں نے اپنے آپ کو بہت سی بلاؤں (ذمہ داریوں) سے گھرا ہوا پایا۔ خلیفہ متاثر ہوا اور کہا کچھ اور ارشاد کیجئے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ۔ اس کے حضور میں جوابدہی کے لئے تیار رہو (جس طرح اوروں کو اپنی جوابدہی کیلئے تیار رکھتا ہے) قیامت کے دن تجھ سے ایک ایک آدمی کا حساب لیا جائیگا۔ یہانتک کہ اگر کوئی بڑھیا کسی رات بھوکی سوئی ہوگی تو قیامت کے روز وہ بھی تیری دامن گیر ہوگی۔ خلیفہ یہ سنکر کانپ اُٹھا اور اس کے آنسو نکل آئے فضل برمکی نے کہا فضیل بن عیاض! اب سلسلہ ختم کیجئے۔ آپنے تو امیر المومنین کو مار ڈالا ہے۔ فرمایا۔ میں نے نہیں بلکہ تم نے اور تم جیسے لوگوں نے اس کو ہلاکت کے قریب پہنچا دیا ہے۔ خلیفہ نے کہا آپکے سر پر قرضہ ہو تو فرمائیے ادا کردوں فرمایا خدا کا قرض ہے یعنی مجھ سے صحیح طور پر اطاعت نہیں ہوسکی۔ خلیفہ نے کہا کسی بندہ کا قرض پوچھتا ہوں فرمایا الحمد للہ اس طرف سے خدا کا شکر ہے۔ خلیفہ یہ ایک ہزار کی تھیلی ہے۔ میری والدہ کی میراث ہے اور خالص طیب ہے اس کو قبول کیجئے۔ فضیل۔ افسوس میری تمام نصیحتوں نے تم کو کوئی فایدہ نہ پہنچایا اور میرے ہی ساتھ یہ ظلم روا رکھا اس کو دو۔ جس کو ضرورت ہے اور دیتے ہو اس کو جس کو ضرورت نہیں۔ یہ کہکر آپنے دروازہ بند کرنا چاہا۔ اور ہارون رشید اور اس کا وزیر واپس چلے گئے۔

حضرت فضیل بن عیاض ابتدا میں ڈاکوؤں اور رہزنوں کے سردار تھے ان کے تائب ہونیکا واقعہ بھی بڑا حیرت خیز اور عبرت انگیز ہے۔ ایک قافلہ کے ساتھ ایک قاری بھی تھا۔ جب قافلہ دن کو روانہ ہوتا تھا۔ تو قاری بدرقہ کے اونٹ پر بیٹھکر نہایت خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ جب قافلہ فضیل کے پاس سے گذرا اس وقت قاری صاحب یہ آیت کریمہ پڑھ رہے تھے۔ اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ (کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا۔ کہ ان کے دل ذکر الٰہی کے لئے گڑگڑائیں اور عاجزی کریں) یہ سنتے ہی آپکے قلب پر ایک چوٹ لگی اور بیقراری کے عالم میں اپنے خیمہ سے باہر نکل آئے اور ایک ایک کا حساب بھگتا دیا۔ تاریخ الخلفا (صفحہ ۱۵۲) میں لکھا ہے کہ ہارون رشید بہ نفس نفیس آپکے مکان پر جایا کرتا تھا۔

خلیفہ ہارون رشید اور حضرت سفیان کی خط و کتابت۔

ہارون رشید اور سفیان ثوری میں بچپن کی دوستی تھی جب ہارون خلیفہ ہوا۔ تو سفیان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن انہوں نے پرواہ نکی

آخر ہارون نے ان کے نام خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ از ہارون رشید بنام برادرم سفیان برادرم تم کو معلوم ہے کہ خدا نے تمام مسلمانوں میں رشتۂ اخوت قائم کیا ہے۔ اور میرے اور تمہارے جو تعلقات تھے بدستور قائم ہیں۔ تمام میرے احباب میری خلافت کی مبارک باد دینے کو میرے پاس آئے اور میں نے ان کو گراں بہا صلے دیئے۔ افسوس ہے آپ اب تک نہ آئے۔ میں خود حاضر ہوتا لیکن یہ امر شان خلافت کے خلاف تھا۔

ہارون جیسا باقبال شہنشاہ مسجد کے پڑھے ہوئے ایک مُلا کو اپنے ہاتھ سے برادرم سفیان کا خطاب کر کے لکھتا ہے۔ لیکن جانتے ہو اس میدان حریت کے شہسوار نے جواب میں کیا لکھا۔ لکھتے ہیں۔ از بندہ ضعیف سفیان بنام ہارون فریفتہ دولت تم نے اپنے خط میں خود تسلیم کر لیا ہے۔ کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال کے روپے کو بےموقع اور بیجا گراں بہا صلے دیکر خرچ کیا۔ اس پر بھی تمکو تسلی نہ ہوئی اور چاہتے ہو کہ میں قیامت میں تمہارے اسراف کی شہادت دوں۔ ہارون تجکو کل خدا کے سامنے جواب دینے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ تو تخت پر اجلاس کرتا ہے۔ حریر کا لباس پہنتا ہے۔ تیرے دروازہ پر چوکی پہرہ رہتا ہے۔ تیرے عمال خود شراب پیتے ہیں اور دوسروں کو شراب پینے کی سزا دیتے ہیں۔ خود زنا کرتے ہیں۔ اور زانیوں پر حد جاری کرتے ہیں۔ خود چوری کرتے ہیں اور چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں۔ ان جرائم پر پہلے تجکو اور تیرے عاملوں کو سزا ملنی چاہیئے پھر اوروں کو۔ ہارون وہ دن بھی آئیگا۔ کہ تو قیامت میں اس حال میں آئیگا۔ کہ تیری مشکیں بندھی ہونگی تیرے ظالم عمال تیرے پیچھے ہوں گے اور تو سب کا پیشوا بنکر سب کو دوزخ کی طرف لیجائیگا۔ میں نے تیری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا اور اب پھر کبھی خط نہ لکھنا۔

کیسا کپکپا دینے اور تھرا دینے والا خط ہے۔ کوئی فرعون مزاج بادشاہ ہوتا۔ تو خدا جانے سفیان کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔ لیکن وہ ہارون تھا جس کے عدل و حلم کے کارناموں سے اسلامی تاریخ آفتاب عالمتاب سے زیادہ اپنی چمک دکھا رہی ہے۔ اس نے خط پڑھا بے اختیار چیخ اٹھا اور دیر تک روتا رہا۔[1]

[1] الغزالی صفحہ ۱۹۰

ہارون رشید کے دربار میں علماء و فضلاء کی قدر افزائی

علماء و فضلاء اور مشائخ اول تو آجکل یوں ہی کمیاب ہیں اور جو شاذ و نادر کہیں نظر بھی آتے ہیں تو ہمارے رؤسا ان کی جو قدر و عظمت کرتے ہیں۔ وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تعلیم جدید اور اس کے تاثرات و نتائج سے ان کو اس قدر فرصت ہی نہیں ملتی یا وہ ضرورت ہی نہیں سمجھتے کہ اپنے مذہبی علوم کی طرف بھی توجہ کریں۔

لیکن ایک زمانہ تھا کہ انہی مسلمانوں کے بزرگ نہ صرف عوام اور معمولی رئوسا بلکہ خود بادشاہ تک علم وفضل میں یگانہ روزگار ہوتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ علماء وفضلا کی حقیقی عظمت ان کے دلوں میں جاگزین تھی۔ شہزادے اور حکام علماء کی جوتیاں سیدھی کرتے تھے اور اگر بادشاہ اور اس کے عمال شریعت کے خلاف ذراسی بھی کوئی حرکت کرتے تھے۔ تو ہمارے علماء ومشائخ فوراً ان کو ٹوک دیتے تھے ہارون کے حال میں پڑھ چکے ہو فضیل بن عیاض اور بعض دوسرے مشائخ کی خدمت میں وہ کس شوق سے جاتا رہا ہے۔ ہارون کے دل میں علماء وفضلاء کی کس درجہ عزت وحرمت تھی۔ مندرجہ ذیل واقعات سے معلوم ہوسکیگی۔

مرہ بن سماک واعظ ایک مرتبہ ہارون کے پاس گیا۔ ہارون نے اس کی بے انتہا تعظیم کی۔ مرہ بن سماک نے اپنی مدارات دیکھکر کہا۔ باوجود بادشاہت کے آپ کی تواضع آپ کے شرف سے بھی زیادہ ہے۔

ابومعاویہ الضریر (نابینا) ایک بہت بڑے عالم علم دینیات کے تھے۔ ایک دن خلیفہ نے ان کو بلایا اور اپنے ساتھ کھانا کھلایا جب کھانا کھا چکے تو خلیفہ نے ابومعاویہ سے پوچھا کچھ معلوم ہے آپ کے ہاتھ کس نے دُھلائے تھے انہوں نے کہا نہیں خلیفہ نے کہا محض اکرام علم کیلئے خود میں نے آپکے ہاتھ دُھلائے تھے

اصمعی سے ایک مرتبہ ہارون نے کہا آپ لوگ عالم ہیں۔ ہمکو کوئی مفید باتیں بتایا کریں۔ کہ ہمارے پاؤں جادہ مستقیم سے ڈگمگا نہ جائیں۔ آپ ہم سے جلد جلد ملتے رہا کریں۔

قاضی فاضل کا قول ہے کہ سوائے دو بادشاہوں کے کوئی ایسا نہیں ہوا جس نے طلب علم کیلئے سفر کے مصائب برداشت کئے ہوں ایک ہارون رشید ہے جس نے اپنے بیٹے امین اور مامون کے ساتھ موطا امام مالک کی سماعت کیلئے سفر کیا۔ دوسرا سلطان صلاح الدین ایوبی۔ جو اسی موطا امام مالک کو سننے کے لئے اسکندریہ گیا تھا۔

ہارون رشید کے زمانہ میں گورنر بصرہ کی انصاف پسندی

وہ بصرہ جو ۱۴۵ھ میں محمد ابن سلیمان نے خلیفہ منصور کے حکم سے پامال کرڈالا تھا۔ بہ زمانہ خلیفہ ہارون رشید پھر آباد ہوگیا۔ ۱۶۰ھ میں جب یہاں کی جامع مسجد میں ۲۰ ہزار سے بھی زیادہ آدمی نماز پڑھنے لگے۔ تو وسعت مسجد کیلئے نیکدل گورنر عیسیٰ ابن موسیٰ نے ایک لاکھ درم اس پر خرچ کردیا۔ اسی گورنر کے زمانہ میں خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام موسیٰ رضا ابن جعفر علیہ السلام کو بصرہ میں نظر بند رکھا۔ گورنر کو ان کی بیگناہی پر یقین تھا۔ لیکن خلیفہ کے حکم سے دم بخود تھا جب امام مظلوم کو نظر بندی و بدگمانی کی سختیاں برداشت

کرتے ہوئے ایک سال گذر گیا۔ اور گورنر نے ان کی طرف سے کوئی ناروا حرکت بھی نہ دیکھی۔ تو ایک سال کے بعد خلیفہ کو لکھا کہ اس مدت میں میں نے کبھی نہیں سُنا کہ امام موسیٰ نے میرے یا تیرے حق میں کبھی نفرین وملامت کا کلمہ کہا ہو۔ رات دن کے چوبیں گھنٹے یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی میں بسر کر دیتا ہے۔ جو کچھ ہو چکا ہو چکا میں اس کو تکلیف دے کر اور زیادہ گناہوں کا متحمل نہیں ہو سکتا خدا و رسول کے ساتھ مجھ سے اور زیادہ سختی نہ کرایئے یا تو اس کو کسی اور (مجھ سے زیادہ سنگدل) کے سپرد کیجئے ورنہ میں خود ہی اس کی رہائی کی تدبیر کروں گا۔ ہارون رشید نے آخر امام مظلوم کو فضل ابن ربیع کے سپرد کر دیا (تاریخ بصرہ صفحہ ۳۲)

مصاحبوں میں کون اچھا مصاحب ہے؟

ابن جوزی کے حوالہ سے تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ ہارون رشید سے ایکدن شیبان نے کہا اگر آپ کا کوئی مصاحب ایسا ہو جو آپ کو خوف دلاتا ہے۔ مگر انجام اس کا بخیر ہو۔ اس مصاحب سے اچھا ہے۔ جو آپ کو خوف سے آزاد کر دے مگر انجام اس کا بُرا ہو۔ ہارون نے کہا ذرا واضح طور پر فرمایئے۔ شیبان نے کہا کہ ایک شخص آپ سے کہتا ہے۔ قیامت کے دن آپ سے سوال ہوگا کہ ہم نے لاکھوں انسانوں کی جانیں اور قسمتیں تمہارے سپرد کی تھیں تم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس لئے ہر وقت اندیشۂ قیامت اور خدا کے خوف اور اپنی عظیم الشان ذمہ داری سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ دوسرا شخص کہتا ہے۔ آپ اہل بیت رسالت مآب ہیں۔ قرابت رسول اللہ نے آپکے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ آپ خوب عیش اڑائیں۔ اور جو چاہیں کریں۔ آپ سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا ان دونوں مصاحبوں میں سے آپ کس کی مصاحبت پسند کریں گے؟ یہ دردناک توضیح و تشریح سُنکر خلیفہ کے آنسو نکل آئے۔

غیرت ایمانی کا اثر والئ بلخ پر!

حکم بن عبداللہ بلخی ایک بزرگ امام ابوحنیفہ کے ملنے والوں میں گذرے ہیں۔ وہ عرصہ تک بلخ کے قاضی رہے اور معروف ونہی منکر کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ (غالباً ہارون رشید) کی طرف سے والئ بلخ کے پاس ایک تحریر آئی جسمیں ولیعہد کی نسبت لکھا تھا وَ اٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا۔ آپنے سُنا والئ بلخ کے پاس گئے۔ اور کہا۔ اللہ اکبر! اب دنیا کی حرص نے یہاں تک آنکھیں بند کر دی ہیں۔ کہ کفر تک نوبت پہنچگئی۔ آپنے اس کلمہ کو اس خلوص اس جذبہ اس اثر اور اس غیرت ایمانی کے ساتھ کہا کہ امیر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جمعہ کے دن آپ نے اس پر وعظ بھی کیا۔ جو لوگ وہ تحریر لائے تھے۔ بے نیل و مرام واپس چلے گئے۔ بعہد خلیفہ ہارون رشید ۱۹۳ھ میں آپنے وفات پائی (حدائق الحنفیہ حدیقۂ دوم صفحہ ۱۳۵)

عدالت انصاف میں بادشاہ وگدا برابر ہیں

امام ابو یوسف جن کا اصل نام یعقوب بن ابراہیم تہا اور جو عتبہ انصاری صحابی کی چھٹی پشت میں تھے۔ اپنے وقت کے امام اجل فقیہ اکمل صاحب حدیث اور امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں سب سے متقدم تھے۔ بغداد میں آپ قاضی القضاۃ تھے۔ تین خلفا یعنی مہدی اس کے بیٹے ہادی اور ہارون رشید کے زمانہ میں آپ اس عہدہ پر رہے۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید اور ایک یہودی کا مقدمہ آپ کے پاس آیا۔ یہودی خلیفہ سے ذرا پیچھے ہٹ کر آپ کے سامنے کھڑا ہوا آپ نے کہا خلیفہ کے برابر آکے کھڑے ہو جاؤ۔ عدالت انصاف میں کسی کو کسی پر تقدم نہیں ہے۔ یہاں شاہ وگدا برابر ہیں۔ ہارون رشید آپ کے عدل وانصاف پر بہت خوش تھا۔ اور آپ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے۔ کہ دم نزع آپ نے مناجات کی۔ الہی تو جانتا ہے میں نے ہر واقعہ ومقدمہ میں تیری کتاب کو زیر نظر رکھا ہے۔ اگر اس میں جواب نہیں ملا تو تیرے پیغمبر کی حدیث تلاش کی ہے۔ اگر اسمیں بھی کامیاب نہیں ہوا۔ تو صحابہ کے اقوال وافعال کو دیکھا ہے۔ اور اگر پھر بھی مجھے تشویش رہی ہے۔ تو میں نے اپنے اور تیرے درمیان امام ابو حنیفہ کو پل گردانا ہے خداوندا تو جانتا ہے کہ میں نے کسی مقدمہ میں کسی امیر یا کسی سفارش کو ترجیح نہیں دی۔ میں نے کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ میں نے عدالت اور انصاف میں کوئی کمی نہیں کی اور اے پروردگار اگر اس پر بھی میں نے کوئی غلطی کی ہے۔ تو میں تیری بخشش اور تیرے لطف وکرم کا امیدوار ہوں[1]۔

عیش میں یاد خدا اور طیش میں خوف خدا

یحیی یزیدی[2] مامون کا استاد تہا۔ وہ ایکدن خلیفہ ہارون رشید (مامون کے باپ) کی مجلس میں گیا۔ جہاں عیش وعشرت کے سامان مہیا تھے اور ایک رقاصہ جو حسن وجمال میں عدیم المثال تھی ایک غزل گا رہی تھی۔ خلیفہ بڑے سرور میں بیٹھا تہا اور رقاصہ کو بار بار گانے کا حکم دیتا تہا۔ یزیدی بھی ایک جگہ بیٹھ گیا۔ خلیفہ نے فرحت وانبساط کی حالت میں یزیدی سے پوچھا اس لطف وعیش سے کوئی اور چیز بھی اچھی ہے یزیدی نے بغیر تامل کے جواب دیا۔ ہاں اچھی ہے اور بہت اچھی ہے۔

---

[1] حدائق الحنفیہ صفحہ ۱۱۹ حدیقہ دوم۔ اسی صفحہ میں لکھا ہے ۱۸۱ھ یا ۱۸۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔ لیکن سنہ وفات غلط معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جب انہوں نے مہدی (سنہ وفات ۱۶۹ھ) ہادی (سنہ وفات ۱۷۰ھ) ہارون رشید (سنہ وفات ۱۹۳ھ) کا زمانہ دیکھا ہے تو وہ ۱۸۱ھ یا ۱۸۲ھ میں کس طرح وفات پا سکتے ہیں۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کے ملنے والوں میں سے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے خلیفہ منصور (۱۵۸ھ) کے زمانہ میں وفات پائی ہے۔ جو شخص ۱۸۲ھ میں فوت ہو جائے۔ وہ ۱۵۰ھ یا اس کے بعد کے لوگوں سے کس طرح ہمکلام ہو سکتا ہے۔

[2] یحیی یزیدی کا دادا یزیدی نحوی خلیفہ مہدی کے ماموں (یزید بن منصور بن عبداللہ بن یزید حمیری) کی اولاد کا استاد تہا۔ اس لئے یزیدی ہی کے نام سے یہ خاندان موسوم ہو گیا۔ علم نحو۔ ادب۔ لغت اور شاعری میں اس کا درجہ بہت بڑا تہا۔ اصل نام ابو محمد یحیی (بن مبارک بن مغیرہ معروف یزیدی نحوی) تہا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ پانچوں عالم ادیب اور شاعر تھے۔ یزیدی ۲۰۲ھ میں خراسان میں وفات پا گیا۔

خلیفہ نے ترش رُو ہوکر پوچھا کونسی؟ یزیدی نے کہا شکر اُس خداوند کریم کا جس نے آپ کو یہ منصب جلیل عطا فرمایا۔ مامون کو یہ بات بہت پسند آئی اور یزیدی کو انعام عطا فرمایا کہ اس بیخودی و مدہوشی اور مستی و سرور کے عالم میں خدا کے شکر کی طرف سے مجھے غافل نہیں رکھا۔ سچ ہے ؎

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا خواہ وہ کیسا ہو صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

خلیفہ امین الرشید کو بیجی بات مُنہ پر سنانیوالے

امین[1] جب باپ (ہارون رشید) کے مرنے کے بعد تخت نشین ہوا۔ تو اپنے وزیر فضل بن الربیع کے مشورہ سے مامون کو خلافت سے معزول کرنے پر آمادہ ہوا۔ دربار میں اگرچہ زیادہ وہی لوگ تھے۔ جو خوشامدی اور ہاں میں ہاں ملانیوالے تھے۔ تاہم عبداللہ بن خازم نے خلیفہ کی ناراضگی سے نڈر ہوکر کہا۔ اسلام میں آجتک کسی نے عہد شکنی نہیں کی۔ آپ یاد رکھیں اس کی تاریخ آپکے عہد سے شروع ہوگی۔ امین نے اپنی خفگی کا اظہار کیا۔ لیکن اس شیر مرد نے کوئی پرواہ نہ کی جب امین نے افسران فوج کو اپنے ارادہ سے اطلاع کی۔ وہاں خزیمہ نے صاف مخالفت کی اور کہا اگر آپ مامون کی مخالفت توڑتے ہیں۔ تو ہم سے بھی اپنی نسبت کچھ امید نہ رکھئے۔

امین کو بچپن سے شعر گوئی کا شوق تھا۔ ایکدن اس نے زبیدہ خاتون (اپنی ماں) کے سامنے ابو نواس شاعر کو اپنے کچھ شعر سنائے۔ ابو نواس نے ان میں عروض کی غلطیاں نکالیں۔ امین نہایت برہم ہوا۔ اور غصہ میں دیوانہ ہو کر اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جب ہارون رشید کو خبر ہوئی۔ تو اس غریب کو رہائی ملی۔

فصل سوم

خلیفہ مامون رشید

مامون کے دربار میں ولیعہد کے خلاف ایک بڑھیا عورت کی آزادانہ فریاد

دولت عباسیہ کا وہ تاجدار مامون الرشید[1] جس نے نوشیرواں کے عدل اور حاتم کی سخاوت کو دنیا کے دل سے فراموش کردیا۔ سلطنت بغداد پر جلوہ افروز ہے۔ شہزادہ عباس مامون الرشید کا بڑا لڑکا طالقتہ النمل کے قریب شکار میں مصروف ہے۔ غروب ہونے والے آفتاب کی شعاعیں آب دجلہ کے قدموں

[1] پیدائش ۱۷۰ھ تخت نشینی ۱۹۸ھ وفات ۲۱۸ھ

میں لوٹ رہی ہیں۔ طائران خوش الحان کے نغمہ میں منہمک جو کنار دریا پر وداعِ روز زردش کا مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ ایک حسین عورت پانی کا گھڑا بھر رہی تھی۔ عباس اس کو دیکھکر آگے بڑھا اور پوچھا: "تو کون ہے۔ اور کس خاندان سے متعلق۔ کیا ایسے غیر آباد مقامات پر بھی جہاں پہاڑ اور جنگلوں کے سوا کچھ نہیں ہے حسن جنم لے سکتا ہے!" شہزادہ اپنا فقرہ ختم کر کے دیکھتا ہے۔ تو غیور حسینہ کے چہرہ پر بل آ چکا تھا۔ اس کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ اس نے شہزادہ کا سوال حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور آگے بڑھی باپ کی عظیم الشان حکومت کا جن عباس کے سر پر سوار تھا۔ حکم دیا۔ اس مغرور عورت کا حسب نسب معلوم کرو۔ اور میری طرف سے نکاح کا پیغام دیدو۔ نوکر چاکر اس عورت کے پیچھے روانہ ہوئے۔ شہزادہ نے اپنا شکار ملتوی کیا۔ اور خیمہ میں آکر خاموش بیٹھ گیا۔ آدھی رات تک اسی الجھن میں گرفتار رہا۔ کبھی خیمہ سے باہر آتا تھا۔ کبھی اندر کہ ایک خادم نے آکر عرض کیا۔ عورت خاندان برامکہ کی لڑکی مغیرہ بنت ازوار ہے۔ وہ دو بچوں کی ماں اور حسین ابن موسیٰ کی بیوہ ہے۔ اس کے ورثاء میں سے اب کوئی زندہ نہیں۔ صرف دو معصوم بچے ہیں۔ نکاح کا پیغام اس کے واسطے قیامت سے کم نہ تھا۔ آپے سے باہر ہو گئی۔ اور یہ الفاظ کہے: "ہارون ہماری جانیں تباہ کر چکا۔ اب مامون ہماری عزت کے درپے ہے لیکن عباس یاد رکھے۔ کہ اس کی شہزادگی اس ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کی دہلیز پر دونوں ہاتھوں سے مسل دوں گی۔"

رات کا پردہ دنیا کے چہرہ سے اٹھا۔ اُدھر صبح صادق آلِ برامکہ کی بربادی کا نوحہ کرتی ہوئی نمودار ہوئی۔ ادھر طائفۃ النمل کے ایک مختصر سے مکان میں مغیرہ نے نماز فجر سے فراغت پا چھوٹے بچے کو کلیجہ سے لگا کر پیار کیا۔ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ کہ عباس شہزادہ کا یہ پیغام ایک قاصد کے ذریعہ سے اس کے کان میں پہنچا: "شہزادہ عباس کا غصہ تیری جان اور مال خاک میں ملا دے گا۔ یہ مکان ضبط کیا جاتا ہے۔ اور تجھکو دو گھنٹے کی اجازت ہے۔ یہ مکان خالی کر دے۔"

مغیرہ یہ پیغام سنکر دروازہ پر آئی اور قاصد سے کہا "عباس اس وقت کو بھول جائے۔ جب بڑے دادا جعفر کا سر اس کے دادا ہارون کے سامنے رکھا گیا۔ اور اس بے گناہ قتل نے آلِ برامکہ کو در در کا محتاج کر دیا۔ لیکن برامکی بیبیاں مظالم عباسیہ کو جس تحمل سے برداشت کرتی آئی ہیں۔ تاریخ اس کو فراموش نہیں کر سکتی۔"

اتنا کہکر مغیرہ ایک سفید چادر سر پر ڈال دونوں بچوں کو ساتھ لے باہر نکل گئی۔

دوسری صدی ہجری ختم کے قریب ہے۔ مامون الرشید کا دربار گرم ہے۔ مغیرہ کے چہرہ پر جو چودھویں رات کے چاند کو شرماتا تھا ضعیفی کے آثار نمودار ہو گئے۔ مامون کے پہلو میں عباس تخت نشین۔ تھا امرا

روزرا خاموش بیٹھے تھے۔ کہ مظلوم مغیرہ دربار شاہی میں حاضر ہوئی۔ اور کہا ایک بیوہ کا مکان صرف اس لئے کہ وہ اپنی عصمت کی محافظ تھی۔ سلطنت عباسیہ کو مبارک ہو۔ لیکن مامون الرشید ایک دن اس بادشاہ کو بھی منہ دکھانا ہے جس کی سلطنت کبھی فنا نہ ہوگی۔ شہنشاہ ظالم کی تیرے پاس فریاد لائی ہوں انصاف کر اور داد دے۔" دربار عورت کا منہ تکنے لگا۔ مگر کسی کی اتنی ہمت نہ تھی۔ کہ بادشاہ کی موجودگی میں اس سے بات کرسکتا۔ مامون الرشید نے عورت سے کہا اس ظالم کا نام بتا۔ کہ وہ کون ہے؟ عورت ہنسی اور ہنس کر کہا۔ "شہزادہ عباس جو تخت شاہی پر تیرے برابر بیٹھا ہے"۔ آج مسلمان دنیا بھر کے عیوب کا مخزن ہوجائیں۔ مگر یہ مردہ قوم کبھی زندہ بھی تھی۔ مامون کا چہرہ اتنا سنتے ہی غصہ سے سرخ ہوگیا۔ اس نے چوبدار کو حکم دیا۔ کہ عباس کو اس عورت کے برابر کھڑا کردے۔ تاکہ مدعی اور مدعا علیہ میں کوئی امتیاز نہ رہے۔ شہزادہ عباس خاموش تھا۔ اور ہر سوال کے جواب میں رک رک کر ایک آدھ بات کہہ دیتا تھا۔ مغیرہ دلیری سے اپنی داستان مصیبت بیان کررہی تھی۔ کہ اس کے چہرہ سے عصمت کا نور ٹپک رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی زبان سے یہ لفظ نکلے۔ "عباس یہ صحیح کہ تو مامون الرشید کا لڑکا اور سلطنت کا مالک ہے۔ لیکن یہ ہاتھ منتظر تھے اس وقت کے کہ اگر تو اپنی دھن میں آگے بڑھکر قریب پہنچتا۔ تو تیری گردن خاک میں ملا دیتے۔ آل برامکہ کی دولت عباسیوں نے پامال کردی مگر ہماری عصمت وہ دولت ہے۔ کہ ہم عباسی سلطنت کو اس پر سے قربان کردیں"

وزراء مغیرہ کی جرات پر متعجب ہوئے۔ اور کہا یہ بیباکی آداب شاہی کے خلاف ہے۔ ادب سے گفتگو کر۔ مامون نے کہا اس کو مت روکو یہ حق رکھتی ہے۔ کہ جو کچھ اس کے منہ میں آئے کہے۔ یہ صرف اس کی صداقت ہے جس نے اس کی زبان کو تیز اور اس کے حوصلہ کو بلند کردیا اور عباس کی کمزوری ہے۔ جس نے اس کو گونگا بنادیا۔" اسی وقت پانچ تھیلیاں اشرفیوں سے بھری ہوئیں اپنے ہاتھ سے لیکر مامون الرشید نے مغیرہ کے قدموں میں ڈالیں اور نہ صرف اس کا مکان واپس کیا۔ بلکہ ایک قصر عباس جو ایک جلیل الشان محل تھا مغیرہ کو عطا فرما کر درخواست کی۔ کہ وہ شہزادہ کا قصور معاف کردے (رسالہ عصمت دہلی اکتوبر ۱۹ سنہ از قلم راشد الخیری)

ابو محمد یزیدی کا شہزادہ مامون کی گوشمالی کرنا

ابو محمد یزیدی مامون کا استاد تھا۔ یزیدی خود بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ میں اسے پڑھانے گیا۔ شہزادہ (ان دنوں میں مامون عالم شہزادگی میں تھا) حرم خانہ میں تھا۔ میں نے اسے بلوا بھیجا وہ نہ آیا۔ پھر دوسرا آدمی بھیجا۔ تب بھی وہ نہ آیا۔ میں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ شہزادہ اپنا وقت فضول ضائع کرتا ہے۔ خادموں نے کہا۔ جب تم چلے جاتے ہو۔ تو شہزادہ شوخیاں کرتا اور خادموں کو مارتا پیٹتا اور ستاتا رہتا ہے۔ آج ذرا ان کی گوشمالی کردیجئے۔ یزیدی کہتے ہیں۔ آخر جب مامون محلات سے باہر نکلا۔ میں نے سات بید اس کو مارے۔ وہ روتا جاتا تھا۔ اور اپنے آنسو پونچھتا جاتا

جاتا تھا۔ اتنے میں جعفر بن یحییٰ برمکی (وزیر) بھی آ گیا۔ میں اٹھکر باہر چلا آیا۔ اور ڈرتا رہا کہ مامون کہیں جعفر سے میری شکایت نہ کرے۔ جب جعفر چلا گیا۔ میں پھر اس کے پاس گیا۔ اور اس سے کہا میں تو ڈرتا تھا کہ کہیں تم میری جعفر سے شکایت ہی نہ کردو۔ مامون نے کہا جعفر تو ایک طرف میں اپنے باپ سے بھی کبھی اس کا تذکرہ نہ کروں گا۔ کیونکہ میں جو استاد کو مہر پدر سے افضل سمجھتا ہوں! ایسے ہی شفیق اور نڈر استادوں کی تعلیم و تربیت کا یہ نتیجہ تھا کہ مامون کا نام اس کے عدل و انصاف اس کے علم و فضل اور اس کی رعایا پروری کے لئے آج ساری دنیا میں نیکنامی کیساتھ مشہور ہے۔

مامون کے دربار میں حضرت علی رضا کی حق گوئی

مامون کی تخت نشینی کے ابتدائی دنوں میں ملک بغاوتوں کا دنگل بن رہا تھا۔ لیکن درباری ذوالریاستین کے خوف سے مامون تک ملک کے حالات نہ پہنچا سکتے تھے۔ اسی زمانہ (۲۰۱ھ) میں مامون نے حضرت علی رضا امام ہشتم کو اپنے بعد اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ اس پر لوگ اور بھڑک اٹھے۔ ملک میں عام تشویش تھی۔ اور مامون اس سے مطلق بیخبر تھا۔ آخر حضرت علی رضا نے جو فخر الاحرار سید الشہدا حضرت امام حسین کی یادگار تھے خود ہی یہ صدا مامون کے کانوں تک پہنچائی۔ مامون کو اعتبار نہ آیا۔ حضرت علی رضا نے کہا کہ ذوالریاستین نے ملک کے اصلی حالات و واقعات آپ کی نظر سے چھپا دیئے ہیں۔ اور اب آپ جو کچھ کہتے ہیں۔ اسی کی زبان سے کہتے ہیں۔ آل عباس میں ذوالریاستین کی وزارت اور میری ولیعہدی پر نہایت مخالفانہ جوش پھیلا ہوا ہے۔ مامون نے شہادت کے لئے نامی گرامی آدمی طلب کئے۔ وہ آئے لیکن ذوالریاستین کے خوف سے کسی کو شہادت دینے کی جرات نہ ہوئی۔ آخر جب مامون نے اطمینان کیلئے دستاویز لکھدی۔ تو انہوں نے پوست کندہ حالات بیان کرنے کے بعد کہا۔ اگر جلد تلافی نہیں کی جاتی۔ تو بنیاد خلافت کے متزلزل ہونے میں کچھ باقی نہیں رہا ہے۔

توفیق تقصیر بخشی پر خدا کی شکر گذاری

مامون کے عہد خلافت میں ابراہیم اس کے چچا نے خلافت کا دعویٰ کیا مامون نے اس کی گرفتاری کے لئے ایک لاکھ درہم کا انعام مقرر کیا۔ ابراہیم بیچارا بھاگتا تھا۔ آخر گرفتار ہو کر (۲۱۰ھ میں) مامون کے حضور لایا گیا۔ مامون سخت سست کہہ چکنے کے بعد ارکان دولت کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہا کیا رائے ہے۔ سب نے متفق اللفظ ہو کر کہا "وہ قتل" مگر احمد بن ابی خالد وزیر اعظم نے عام رائے کے خلاف شفاعت کی جرات کی اور کہا تاریخ میں ایسی مثالیں بہت ہیں۔ کہ بغاوت کے جرم پر قتل کا حکم دیا گیا لیکن اے امیر المومنین

اگر تو بخشدے تو ہم تیری فیاضی اور تقصیر بخشی کی نظیر پچھلی تاریخوں میں بھی نہیں دکھا سکیں گے۔
ماموں نے سر جھکا لیا اور ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا۔ میرے بھائی امین کو میری قوم نے قتل کیا ہے میں اگر ان پر تیر چلاؤں۔ تو وہ مجھی کو لگے گا۔ یہ کہا اور دیر تک سر بسجدہ رہا۔
اس بات کے لئے کہ خدا نے مجکو عفو کی توفیق بخشی　　　المامون مصنفہ شبلی مرحوم

دربار ماموں کا ایک خوشامدی شاعر اور ایک حق گو معترض

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار میں قصیدہ پڑھا کہ امیر المومنین اگر تو آنحضرت کے انتقال کے وقت موجود ہوتا۔ تو خلافت کا جھگڑا سرے سے پیدا ہی نہ ہوتا۔ دونوں فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ وہیں سر دربار ایک شخص نے اٹھکر کہا۔ تو جھوٹ کہتا ہے۔ امیر المومنین کا باپ حضرت عباس (جو عباسیوں کے مورث اعلےٰ ہیں) وہاں موجود تھا۔ اس کو کس نے پوچھا۔ مامون الرشید کو بھی اس گستاخانہ لیکن معقول جواب کی تحسین کرنی پڑی　(سیرت نبوی (علامہ شبلی نعمانی حصہ اول صفحہ ۲۹)

محدثین کی منادی جھوٹی روائتوں سے تعلق

فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہیگا کہ ان کا قلم تلوار سے نہیں دبا۔ حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانہ میں ہوئی جنہوں نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں سر منبر حضرت علی پر لعن کہلوایا۔ سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ کے فضایل میں بنوائیں عباسیوں کے زمانہ میں بھی ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں لیکن نتیجہ کیا ہوا عین اسی زمانہ میں محدثین نے علانیہ منادی کر دی کہ یہ سب جھوٹی روائتیں ہیں۔ آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے اور بنو امیہ و عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہئے تھا (سیرۃ نبوی (علامہ شبلی نعمانی) حصہ اول صفحہ ۲۹)

چنانچہ تاریخ الخلفا میں (صفحہ ۱۵۸ و ۱۵۹) پر مذکور ہے کہ جب ہارون رشید نے ایک زندیق کے قتل کا حکم اس بنا پر دیا کہ وہ بہت سی مصنوعی حدیثیں بنا کر لوگوں میں فتنہ عظیم پیدا کر رہا تھا۔ اس زندیق نے کہا میں تو بیشک قتل ہو جاؤں گا۔ لیکن میری ان ایک ہزار احادیث کو آپ کیا کریں گے۔ جو ملک کے چاروں طرف پھیل گئی ہیں اور جن کا ایک لفظ بھی رسول اللہ کی زبان سے نکلا ہوا نہیں ہے۔ ہارون رشید نے کہا اے دشمن خدا تو کس خیال میں ہے۔ ابو اسحاق فزاری اور عبداللہ بن مبارک جیسے علماء اس وقت مسلمانوں میں موجود ہیں۔ وہ تمہارا ایک ایک حرف نکالکر باہر پھینک دیں گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

امام احمد بن حنبل و محمد بن نوح کی جانبازانہ ثابت قدمی

اموں بڑا نامور خلیفہ تھا۔ اسمیں سب صفتیں اچھی تھیں لیکن جب اس نے عقیدۂ خلق قرآن کی اشاعت کی۔ تو لوگ اس کے سخت مخالف ہو گئے۔ اور کئی جگہ فساد کھڑے ہو گئے۔ ۲۱۲ھ میں اس نے اسی مسئلہ کے متعلق علمائے بغداد کو خط لکھا۔ اور لوگوں پر سختیاں کیں۔ بعض لوگ تلوار کے خوف سے تقیہ کر کے قائل ہو گئے۔ اور جان بچالی لیکن ابھی بڑے بڑے فقہا اور مشائخ تھے جو تلوار کے خوف سے بھی نہیں مانتے تھے۔ سحاق بن ابراہیم کو حکم ہوا کہ ان پر بھی سختیاں کرو۔ امام احمد بن حنبل بھی ان میں شامل تھے۔ اسحاق نے ان سے پوچھا انہوں نے کہا۔ قرآن شریف کلام خدا ہے۔ اسحاق نے کہا وہ مخلوق ہے یا نہیں۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ اسحاق بن ابراہیم نے سب کے جوابات خلیفہ کو بھیجدیئے حکم ہوا۔ ان سب کو پھر طلب کرو۔ اگر وہ اپنے عقیدہ پر اصرار کریں۔ تو بلا تامل سب کے سر کاٹ کر ہمارے پاس بھیج دو جب یہ سخت حکم پہنچا۔ تو چار شخصوں کے سوا جن میں ایک امام احمد بن حنبل بھی تھے۔ سب نے مان لیا۔ اسحاق نے چاروں کو گرفتار کر کے جیل خانہ بھیج دیا۔ دو نے ڈر کر اپنے عقیدے بدل لئے۔ دو پھر ثابت قدم رہے ان میں ایک احمد بن حنبل اور دوسرے محمد بن نوح تھے۔ یہ دونوں پابجولان خلیفہ کے پاس بمقام رقہ روانہ کئے گئے۔ ابھی رقہ میں پہنچے بھی نہیں تھے کہ مامون کے انتقال کی خبر ملی۔ یہ واقعہ ۱۸ رجب ۲۱۸ھ کا ہے (المامون مصنفہ شبلی مرحوم)

فصل چہارم

خلیفہ معتصم باللہ و اثق باللہ و خلیفہ متوکل

امام ابو حنیفہ کی تسبیح تہلیل جلادوں کے تازیانوں کے

مامون کی جگہ معتصم باللہ[1] ابو اسحاق محمد بن ہارون رشید سریر آرائے خلافت ہوا اس سوء اعتقاد میں وہ بھی اپنے بھائی کی ضد پر قائم رہا۔ امام ابو حنیفہ اس زمانہ میں رقہ میں قید تھے معتصم جب روم سے واپس پھر امام کو اپنے دربار میں طلب کیا اور اپنے ہم عقیدہ علماء

[1] حکومت ۲۱۸ھ تا ۲۲۷ھ ایام حکومت آٹھ برس ۸ ماہ ۸ یوم خلفائے بنی عباس کا آٹھواں بادشاہ تہا۔ ہارون رشید کی آٹھویں اولاد تہا اسی لئے خلیفہ مثمن کہلاتا تہا۔

سے مناظرہ کرایا۔ امام نے اپنے دلائل پیش کئے لیکن معتصم کو جو محض ایک سپاہی آدمی تھا ان سے تشفی نہ ہوئی۔ امام کے سامنے دو باتیں پیش کیں۔ قید خانہ یا اپنی غلطی کا اعتراف۔ امام نے حق کی زنجیروں کو باطل کی آزادی پر ترجیح دی اور ۲۸ مہینے قید خانوں میں گذارے۔ پاؤں زنجیروں سے بوجھل ہو جاتے تو پاجامہ سے کمر بند نکال کر زنجیروں کو باندھ کر کمر سے لٹکا لیتے تھے۔ نماز اور سونے کے اوقات میں بیڑیاں علیحدہ کر دی جاتی تھیں۔ پھر بدستور ڈال دی جاتی تھیں۔

لیکن اس قید و زنجیر کے باوجود امام نے اپنا فرض کبھی فراموش نہ کیا۔ قیدیوں کے ساتھ نماز میں امام بنکر کھڑے ہوتے تھے اور ان کو نماز پڑھاتے تھے۔ طلبا آتے تھے ان کو درس دیتے تھے معتصم نے ان پر دو نگہبان مقرر کئے تھے جو روزانہ آکر پوچھتے تھے۔ کہو تمہاری رائے میں کچھ تبدیلی ہوئی۔ ہر روز جواب ملتا تھا کہ "نہیں" آخر ایک روز خفا ہو کر نگہبانوں نے حکم دیا کہ ایک کے بجائے امام کے پاؤں میں چار بیڑیاں ڈالی جائیں۔ امام نے اس تکلیف کو بھی صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا۔ معتصم نے ان کی اس پامردی و استقلال کو دیکھکر فیصلہ کیا کہ قید و حبس کب تک؟ اب یا تسلیم یا تلوار۔ ان کو پا بزنجیر قید خانہ سے اپنے دربار میں طلب کیا۔ امام موصوف فرماتے ہیں کہ مجھے دربار میں لے چلنے کے لئے ایک سواری پر بٹھایا گیا۔ میرے دونوں پاؤں بیڑیوں سے اس قدر بوجھل تھے کہ قدم قدم پر مجھے ڈر تھا کہ منہ کے بل اب گرا اور تب گرا۔ اسی حالت میں خلیفہ کے دربار تک پہنچایا گیا جلاد ننگی تلواریں اور کوڑے لئے ہوئے سامنے کھڑے تھے۔ امام سے پوچھا گیا کہ اب بھی تم اپنی رائے بدلنے پر تیار ہو۔ فرمایا "کتاب اللہ اور سنت رسول کے سوا میں اور کوئی چیز نہیں قبول کر سکتا" جلادوں کو حکم ہوا کہ کوڑے مارو۔ ہر کوڑے پر امام تسبیح و تہلیل فرماتے تھے۔ ۹ کوڑوں پر جا کر غش کھا کر گر پڑے۔ پیٹھ اور شانوں سے خون جاری تھا۔

معتصم جس کے زور و قوت نے رومیوں کے دل ہلا دیئے تھے استقلال اور جرأت کے اس فرشتہ کو دیکھکر لرز گیا۔ اور اسی حالت میں ان کی آزادی کا پروانہ لکھدیا (معارف نمبر ۲ جلد ۲ بحوالہ طبقات سبکی)

دربار میں قاضی کی خالصاً للہ حق گوئی

خلیفہ معتصم باللہ کے دربار عباسیہ کا یہ آئین تھا کہ جب تک خلیفہ کوئی بات نہ چھیڑے کوئی شخص گفتگو کرنیکا مجاز نہیں تھا۔ قاضی احمد بن داؤد مامون کے زمانہ کے قاضی القضاۃ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اس جابرانہ قاعدہ کو توڑا اور حق یہ ہے کہ جس آزادی اور دلیری سے وہ اپنے فرائض پورے کرتے تھے شخصی حکومتوں میں اس کی بہت کم مثالیں مل سکتی ہیں خلیفہ معتصم باللہ کی سطوت اور اس کے قہر سے تمام دربار کانپتا تھا۔ مگر قاضی احمد اپنی حق گوئی

اور خالصاً للہ بے باکی کی وجہ سے کوئی خوف نہ کرتے تھے۔ معتصم نے جب برمکی کے قتل کا حکم
دیا تو دربار میں سناٹا ہو گیا۔ اور اس کی غضبناک صورت دیکھ کے سب کے حواس جاتے رہے۔
محمد برمکی چھلے پر بٹھایا گیا اور جلاد نے تلوار کو جنبش دی۔ قاضی احمد نے بڑھکر کہا آپ قتل
تو کرتے ہیں مگر اس کے مرنے کے بعد اس کا مال اسباب کیونکر لے سکتے ہیں معتصم نے نہایت طیش
میں آکر کہا۔ مجکو اس کے مال لینے سے کون روک سکتا ہے۔ قاضی احمد نے کہا۔ خدا اور اس کا
رسول! کیونکہ مال شرعاً وارث کو ملیگا اور جب تک آپ اس کے قتل کو جائز ثابت نکریں۔
وارث وراثت سے محروم نہیں ہو سکتا۔ معتصم کو آخر قتل سے ہاتھ روکنا پڑا۔

قید خانہ میں جانا قبول کیا مگر ایمان فروشی نہیں کی!

امام ابو یوسف کے اصحاب میں بشر بن الوحید بن خالد کندی ایک بہت بڑے
فقیہہ اور محدث گذرے ہیں معتصم باللہ خلیفہ بغداد کے زمانہ میں آپ بغداد
کے قاضی مقرر ہوئے۔ حکم کے باب میں بڑے سخت تھے ذہبی کہتے ہیں کہ
اگر معتصم علماء کو مسئلہ خلق قرآن کے ماننے کی تکلیف نہ دیتا۔ تو سب سے بڑا خلیفہ ہوتا۔ معتصم نے
بشر بن الوحید کو بھی کہا بلکہ مجبور کیا کہ وہ خلق قرآن کے قائل ہوں۔ آپنے کہا میں بادشاہ کو
خوش کرنے کے لئے اپنے ضمیر کا خون کرکے اپنا عقیدہ نہیں بدل سکتا میں ایمان فروش نہیں
کہ عہدہ یا کسی اور لالچ کے لئے ناجائز طور پر بادشاہ کو خوش کر دوں۔ خلیفہ نے آپ کو نہ صرف
عہدہ سے ہٹا دیا بلکہ قید خانہ میں ڈال دیا (حدائق الحنفیہ حدیقہ سوم صفحہ ۱۵۱)

خلیفہ واثق باللہ کے روبرو ایک قیدی کی حق گوئی۔

ابن ابو داؤد کے کہنے سے خلیفہ واثق باللہ مسلمانوں پر مسئلہ خلق قرآن کے
متعلق بہت سختی کرتا تھا۔ یہانتک کہ مساجد کے اماموں اور موذنوں کا
اس مسئلہ میں امتحان لیا جاتا تھا۔ ۲۳۱ھ میں اس نے ۴۰۰۰ مسلمان قیدیوں کو بادشاہ روم کی
قید سے نجات دلائی۔ حکم ہوا کہ ان میں سے جو قیدی مسئلہ خلق قرآن مان لے اس کو دو دینار
دیکر رخصت کر دیا جائے جو نہ مانے اس کو زندان میں ڈال دو۔ چنانچہ قیدیوں میں ایک قیدی
مقید بہ آہن تھا جب وہ پیش ہوا اس نے ابن داؤد سے کہا جو رائے تمہاری ہے اور جس کیطرف
تم لوگوں کو زبردستی سے اور طمع اور لالچ سے بلاتے ہو اس کا علم رسول اللہ صلعم کو بھی تھا یا نہیں
اور اگر تھا تو آپنے لوگوں کو اس مسئلہ کی طرف کیوں نہ بلایا۔ ابن داؤد نے کہا۔ آنحضرت صلعم کو
اس کا علم تھا۔ قیدی نے کہا جو کام رسول خدا صلعم نے نہیں کیا (یعنی تشدد سختی۔ قید اور قتل)
وہ تم کیوں کرتے ہو جو کام حضور نے ناجائز سمجھا اس کو تم نے کس طرح جائز قرار دیدیا کہتے ہیں۔

یہ باتیں سُنکر سب لوگ حیران رہگئے۔ واثق اپنے سینہ پر ہاتھ رکھے ہوئے محلات کے اندر چلا گیا۔ بار بار کہتا تھا جس بات کو رسول اللہ صلعم نے ناجائز قرار دیا۔ اس کو ہم جائز سمجھ رہے ہیں جس معاملہ میں آپ نے خاموشی اختیار کی ہم انہیں سختی کر رہے ہیں۔ قیدی کو تین سو دینار دیئے۔ اس کو اُسکے وطن واپس کر دیا۔ پھر کبھی کسی کو اس مسئلہ کے متعلق تکلیف نہیں دی۔ بلکہ اسی دن سے ابو داؤد سے ناراضگی بڑھتی گئی (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۳)

اپنا سر کٹوا دیا مگر حق کو نہیں چھوڑا

ابو جعفر ہارون الواثق باللہ بن المعتصم بن ہارون رشید کے زمانہ میں احمد بن نصر بن مالک بن ہشیم مامون کے زمانہ سے درس حدیث کے فیض سے لوگوں کو مستفیض کر رہے تھے بہت لوگ ان کے مرید اور معتقد تھے۔ واثق باللہ میں سب باتیں اچھی تھیں مگر اپنے باپ معتصم اور چچا مامون الرشید کی طرح خلق قرآن کے نہ ماننے والوں کا سخت دشمن تہا۔ واثق نے دیگر علمائے عصر کی طرح احمد کو بھی مجبور کیا۔ لیکن اس نے خلق قرآن کے عقیدہ سے اپنی بیزاری ظاہر کی بلکہ ان کے معتقدین نے ارادہ کیا کہ کسی خاص وقت پر خلیفہ کو معزول یا قتل کر دیں۔ لیکن یہ جم غفیر چونکہ بے ضابطہ تہا۔ اس لئے قبل از وقت راز ظاہر ہو گیا۔ بغداد کے کوتوال نے مولانا احمد بن نصر کو گرفتار کر کے سامرہ میں جہاں خلیفہ مقیم تہا۔ روانہ کیا۔ خلیفہ نے کہا میں تم کو رہا کر سکتا ہوں بشرطیکہ تم شرائط ذیل کی پابندی اختیار کرو۔ ۱۔ مذہب اہل سنت سے توبہ کرو۔ ۲۔ خلق قرآن کو تسلیم کرو۔ ۳۔ عدم رویت ایزد ذوالجلال کے قائل ہو جاؤ۔ لیکن مولانا نے کسی ایک شرط کا بھی اقرار نہ کیا اور کہا میں باطل کے لئے حق کو نہیں چھوڑ سکتا۔ خلیفہ نے قتل کی دہمکی دی۔ مولانا نے مال وجان پر آن وایمان کو ترجیح دی۔ درباری فتویٰ ساز قتل نامہ لکھنے کے لئے بلائے گئے۔ انہوں نے خلیفہ کے ایما سے مولانا کے قتل کا فتوےٰ تیار کیا۔ خلیفہ بہانتک غیض و غضب کی حالت میں تہا کہ اپنے ہاتھ سے مولانا کو قتل کرنے کیلئے اٹھا۔ مگر ایک اور شخص نے بڑھکر مولانا کا تلوار کے ایک ہی وار سے ان کے جسم سے الگ کر دیا[۱]۔ لیکن یہ موت نہیں تھی یہ ابدی زندگی تھی چشم ظاہر نے اس طرف توجہ نہ کر سکتی ہے لیکن اہل بصیرت جانتے ہیں۔ بقول شاعر ؎

ذوق جنک کر قتل گہ میں زیر تیغ
سر برآوردہ جہاں میں ہم رہے

۱؎ صادق التواریخ بہاولپور حالات خاندان عباسیان صفحہ ۶۲۔

خلیفہ متوکل کے زمانہ کے ایک عالم کی اخلاقی جرات

خلیفہ متوکل[۱] نے احمد بن معدل وغیرہ علماء کو طلب کیا جب سب لوگ بیٹھ گئے۔ تو خود بھی آیا۔ سوائے احمد بن معدل کے تمام علماء اس کی تعظیم کو کھڑے ہو گئے۔ متوکل نے عبید اللہ سے پوچھا کیا اس شخص نے ہماری بیعت نہیں کی۔ اس نے کہا بیعت تو کی ہے مگر انہیں کم نظر آتا ہے۔ احمد بن معدل نے کہا میری آنکھوں میں کوئی قصور نہیں لیکن میں آپ کو عذاب خدا سے بچانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ جو شخص لوگوں سے یہ امید رکھے۔ کہ وہ اس کی تعظیم کو کھڑے ہوں۔ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لیں متوکل یہ سنکر ان کے برابر آبیٹھا (تاریخ الخلفاء)

قاضی مصر کو اس کے ظلم وستم کی سزا

متوکل کے زمانہ میں مصر کا قاضی القضاۃ ابو بکر بن محمد بن ابو اللیث تھا۔ ظالم تھا۔ سخت گیر تھا۔ رشوت کھاتا تھا اور انصاف و عدل اور عام لوگ اس کے ہاتھوں نالاں تھے۔ حاکم مصر کے پاس لوگوں نے شکائتیں کیں مگر شنوائی نہ ہوئی۔ آخر بعض لوگ حاکم مصر کی چشم پوشی اور قاضی کے ظلم وستم سے تنگ آکر بغداد پہنچے۔ خلیفہ نے ان کی تمام شکایات بغور سنیں تحقیقات کا حکم دیا جب یقین ہو گیا کہ لوگ واقعی اس کے ہاتھ سے نالاں ہیں تو ایسی سخت سزا دی کہ لوگ برسوں تک اس عبرت انگیز سزا کا ذکر کرتے رہے۔ قاضی کی ڈاڑھی منڈوا کر اس کو گدھے پر سوار کرایا اور پھر سارے شہر میں اس کی اس ہیئت کذائی کی تشہیر کی گئی اور کئی دنوں تک ہر روز اس کو بیس کوڑے لگائے جاتے رہے۔

ابن السکیت کی سرفروشانہ حق گوئی

خلیفہ متوکل کے زمانہ میں ابن السکیت جن کا اصل نام اسحاق تھا ایک بہت بڑے عالم شاعر اور مصنف گذرے ہیں انہوں نے شعر۔ لغت۔ معانی۔ منطق میں بہت کتابیں تصنیف کی ہیں خلیفہ متوکل عباسی کو حضرت علی اور ان کی اولاد سے عداوت تھی۔ اسے معلوم ہوا کہ ابن السکیت حضرت علی اور ان کی اولاد کا نام ادب سے لیتے ہیں۔ بلا یا۔ ابن السکیت بھی تاڑ گئے۔ کہ آج خیر نظر نہیں آتی۔ احمد بن عبید ایک اور عالم ان کے پاس تھے انہوں نے کہا کہ زمانہ سازی سے کام لیکر اپنی جان بچالو۔ ابن السکیت نے کہا کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ رسول کریم کے جانشین ان کے داماد اور عزیز اور خاندان رسالت کے نونہالوں کو خواہ مخواہ گالیاں دیکر زبان کو ناپاک اور نامۂ اعمال کو سیاہ کروں۔ آخر ابن السکیت دربار میں گیا خلیفہ نے کہا میرے لڑکے افضل ہیں یا حسن اور حسین ابن السکیت نے کہا وہ دونوں تیرے بیٹوں سے افضل ہیں اور حضرت علی کا غلام قنبر تجھ سے اور ان سے بہتر ہے متوکل بہانہ ہی تلاش کرتا تھا کہا جس زبان سے اس نے علی اور اس کے

[۱] خلیفہ متوکل ۲۰۵ھ یا ۲۰۷ھ میں پیدا ہوا خلیفہ واثق باللہ کے بعد ذوالحجہ ۲۳۲ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ ۲۴۷ھ تک حکومت کرتا رہا۔

بٹیوں کی تعریف کی ہے۔ اس کو کھینچ کے باہر نکال دو چنانچہ فوراً تعمیل کی گئی۔ دوسرے دن بعمر ۵۸ سال ۲۴۴ھ رجب کے مہینے میں یہ حق گو شاعر اور عالم اس دردناک عذاب کی تکلیف برداشت نہ کرکے انتقال کر گیا۔ (روضۃ الادبا صفحہ ۲۰۹)

حریت حدیث کے لئے امام بخاری کی آزادانہ گفتگو امیر بخارا سے

امام بخاری[1] جب جامع علوم و فنون ہو کر اپنے وطن واپس تشریف لائے۔ تو شہر کے لوگوں نے دھوم دھام سے آپ کا استقبال کیا۔ یہانتک کہ دینار و درہم آپ پر سے نثار کئے گئے۔ جاہ طلب اور دین فروش لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں اور ہر مقبول و محبوب آدمی محسود ضرور رہتا ہے اس لئے اکثر علما ر نے امیر بخارا (خالد بن احمد الذہلی) کو آپ کی عزت و عظمت سے خوف دلایا بظاہر ناراضگی کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس لئے امیر نے امام صاحب کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ آپ اپنی کتاب بخاری شریف اور تاریخ مجھے آکر سنا جایا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ امیر سے کہدو میں علم دین کو ذلیل نہیں کر سکتا کہ اسے سلاطین اور امرا رکے دروازوں پر لئے پھروں۔ اگر امیر کو علم حدیث کی ضرورت اور خواہش ہے۔ تو وہ میرے مکان یا میری مسجد میں آکر عام لوگوں کے ساتھ پڑھا کرے کیونکہ حدیث رسول امرا و سلاطین کے لئے ہی نہیں بلکہ عام مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔ بلکہ یہ بھی لکھا کہ حدیث کی عزت کرو اور عوام کے ساتھ آکر پڑھو تاکہ اور لوگوں کو بھی تمہاری پیروی کی جرأت ہو اور اس کا ثواب تمہیں حاصل ہو۔ امیر آپکے اس بے باکانہ جواب سے بہت ناراض ہوا۔ اور آپ کو بخارا سے جلا وطن کر دیا۔ آپ وہاں سے خرتنک مضافات سمرقند میں چلے آئے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ نے اسی جگہ انتقال فرمایا (سوانحمری امام بخاری صفحہ ۸۲)

خلیفہ بغداد المتوکل کے بھائی الموفق بن المتوکل نے امیر بخارا کو جب وہ حج سے فارغ ہو کر بغداد میں آیا۔ تو اسے قید کر لیا۔ اور وہ اسی قید کی حالت میں بغداد ہی میں مر گیا۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی حریت و حق گوئی کا اظہار دربار میں

دنیائے تصوف میں حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ کا نام روز روشن کی طرح ظاہر ہے جس زمانہ میں خلیفہ ناصر الدین باللہ (۵۷۵ھ تا ۶۲۲ھ) خلافت بغداد پر متمکن تھا سلطان محمد خوارزم شاہ نے بغداد پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ خلیفہ نے حضرت خواجہ صاحب کو مسلمانوں کے خون ناروا سے منع کرنے اور مصالحت کی داغ بیل ڈالنے کے لئے خوارزم شاہ کے پاس بھیجا۔ جب خواجہ صاحب خوارزم شاہ کے پاس گئے

---

[1] اصل نام محمد بن ابوالحسن اسمعیل بن ابراہیم کنیت ابو عبداللہ۔ ۱۲ یا ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو بخارا میں پیدا ہوئے کچھ کم ۶۲ سال کی عمر میں شب عید الفطر یکم شوال ۲۵۶ھ کو خرتنک میں وفات پائی۔ آپ کی کتاب صحیح بخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ امام مسلم اور امام ترمذی دونوں نے آپ سے حدیث سماعت کی ہے۔

تو دیکھا کہ بڑے نخوت و تکبر سے وہ مسند زریں پر بیٹھا ہے۔ اور اس کی تین لاکھ فوج مرنے مارنے پر تیار ہے۔ ننگی تلواروں کے پہرے ہیں اور ہیبت و جلال کا ایک رعب ہے کہ در و دیوار سے ظاہر ہو رہا ہے حضرت خواجہ ان لوگوں میں نہیں تھے۔ کہ باطل کی پرستش کے لئے حق کو چھوڑ دیتے۔ انہوں نے کورنش ادا کی۔ نہ مجرا بجا لائے۔ نہ زمین بوسی کی نہ سجدہ کیا۔ بلکہ کیا تو یہ کیا۔ کہ باوجود خوارزم شاہ کی اس شان و شوکت اور دہوم دہام کے برسم سنت السلام علیکم کہا۔ خوارزم شاہ نے اس سلام کو کہ سلام مسنون تہا ترک ادب پر محمول کیا۔ نہ جواب دیا اور نہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ خواجہ نے کھڑے کھڑے بغیر کسی خوف یا رعب کے عربی میں خطبہ پڑھا اور آل عباس کی بالعموم اور ناصر الدین باللہ کی بالخصوص تعریف فرمائی۔ اور ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا۔ کہ آل عباس کا ستانا منع ہے خوارزم شاہ نے کہا جو کچھ کہتے ہو سب خلاف واقعہ ہے۔ بغداد پر ہم کسی قابل خلیفہ کو تخت پر بٹھانا چاہتے ہیں حضرت خواجہ صاحب نے مسلمانوں کے اس قتل و خون کو منع کیا اور بہت کچھ سمجھایا مگر اس متکبر و مغرور نے ایک نہ سنی۔ آخر تیاری کرہی دی۔ خدا کی قدرت سے رستے ہی میں بوجہ برف باری اس کے لشکر کا برا حال ہوا کسی کے ہاتھ پاؤں رہ گئے۔ کسی کو فالج اور کسی کو لقوہ ہوگیا۔ ہزارہا جانور ضائع ہوگئے۔ مجبور ہو کر الٹے پاؤں واپس آیا۔ (صادق التواریخ صفحہ ۹۵)

خلیفہ کے بیٹے کا ولی عہدی سے انکار

ناصر الدین باللہ خلیفہ بغداد بہت طامع اور حریص تہا۔ وہ اکثر متمول لوگوں کا مال ان کے مرنے کے بعد ضبط کر لیا کرتا اور ان کے وارثوں کو اس میں سے ایک کوڑی نہ دیتا تہا۔ جب ابو النصر محمد الظاہر باللہ کو اس نے ولی عہد کیا۔ تو انہوں نے ولی عہدی سے صرف اس وجہ سے انکار کر دیا کہ خزانہ عامرہ میں غصب کا روپیہ جمع ہے۔ ناصر الدین باللہ نے اس جواب سے ناراض ہو کر بیٹے کو نظر بند اور قید کر دیا۔ اور جبتک ناصر الدین باللہ کا انتقال نہ ہوگیا اس کو رہائی نہ ملی۔ بلکہ ساری عمر ہی اس کی قید خانہ میں گذر گئی۔ کیونکہ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۵۲ سال کی تھی۔ رہائی کے بعد صرف ۹ ماہ (۶۲۳ھ) تک زندہ رہا لیکن تخت پر بیٹھتے ہی جن لوگوں کا مال اس کے باپ نے ضبط کیا تہا ان کے وارثوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر

---

[1] اسی کے زمانہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے ملک شام کے بہت سے شہر خصوصاً بیت المقدس عیسائیوں سے لے لئے اسی کے زمانہ میں ۵۸۹ھ میں سلطان صلاح الدین کا انتقال ہوگیا یہی خلیفہ گو ہندوستان سے سب سے پہلے تحائف پہنچے ہیں اس خلیفہ نے ترویج سنت میں بڑی کوشش کی۔ رسوم ناشرع کا بغداد میں انسداد کر دیا۔ مدرسے۔ خانقاہیں اور مسجدیں تعمیر کیں۔ غریبوں۔ بیماروں اور مظلوموں کا خبر گیر تہا۔ اور ہارون رشید کی طرح راتوں کو بھیس بدلکر شہر میں پہرتا تہا۔ لیکن ساتھ ہی طامع اور حریص بہی تہا۔

واپس دیا جس قدر محصولات خلاف شرع تھے سب موقوف کر دیئے۔ جاسوسوں کا محکمہ قطعی اڑا دیا لوگوں نے کہا آپ دل کو خوش رکھا کریں۔ کیونکہ تمام عمر قید ہی میں گذری ہے جواب دیا۔ جو دوکاندار عصر کو اپنی دوکان کھولیگا۔ وہ کیا کمائے گا۔ یعنی بڑھاپے میں تخت ملا ہے۔ اب دل کو کیا خوش رکھوں!

اللہ اکبر ایسے لوگ بھی تھے جو ناجائز طریقہ سے مال جمع کرنا تو کجا اس کے وارث بننے سے انکار کرتے تہے۔ اور نہ صرف انکار۔ بلکہ اس انکار کی وجہ سے بادشاہت سے محرومی اور ساری عمر قید خانہ کے مصائب برداشت کرتے تہے۔ وہ کون لوگ تھے۔ وہ کیسے لوگ تہے۔ کیا دن تھے۔ کیا زمانہ تہا۔ کیسے خوش نصیب لوگ تھے۔ جنہوں نے خدا کے ایسے نیک بندوں کا زمانہ دیکھا رشوت لینے والے مستحقین کو ان کے حقوق سے محروم کرنے والے۔ مال چھین لینے والے۔ ان سطور کو غور سے پڑھیں۔ امانت میں خیانت کرنے اور ناجائز طریقہ سے دولت حاصل کرنیوالے اور وہ لوگ جو ناجائز کمائی کی وراثت پر لڑائی جھگڑے کرتے۔ مقدمہ بازیاں کرتے اور اپنے انجام سے غافل ہیں۔ ان سطور کو غور سے پڑھیں۔

ایک واعظ اسلام نے اپنی حق گوئی سے رعایا پر سے محصول معاف کرا دیا

ابو عبداللہ المقتفی لامر اللہ[1] کے زمانہ میں خلافت بہت کمزور تہی۔ سلطان سنجر کے بھتیجے سلطان مسعود[2] نے بغداد آکر بہت طاقت حاصل کر لی تہی اور خلافت برائے نام رہگئی تھی۔ ۵۴۱ھ میں جبکہ مسعود بغداد ہی میں تہا۔ ابن عبادی واعظ اس کے پاس گیا۔ اور کہا محصول کی وصولی میں رعایا کو سخت تکلیفیں دی جاتی ہیں۔ اور جو روپیہ وصول ہوتا ہے۔ وہ رعایا کے فلاح وبہبود کی بجائے مطربوں اور لغو کاموں میں صرف ہو جاتا ہے۔ آپ کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے۔ کہ اس نے آپ کو یہ جاہ وجلال عطا فرمایا ہے۔ آپ ان لوگوں کو جن کی قسمتیں آپ کے سپرد کی گئی ہیں۔ آسائش بہم پہنچائیں لیکن آپ شرابیوں کی پرورش کی بجائے ذلیل پیشے والوں کو رعایا کا وہ مال بیدریغ سپرد کر رہے ہیں۔ جو اپنی گاڑہی اور حلال کی کمائی سے وہ آپ کو دے رہے ہیں۔ مسعود پر اس وعظ ونصیحت

---

[1] ۱۲ ربیع الاول ۴۸۹ھ کی پیدائش ہے۔ ۵۳۰ھ سے ۵۵۵ھ تک تخت خلافت پر متمکن رہا۔ اس سے پورے ایک سو سال بعد (۶۵۶ھ سے ۶۵۹ھ تک) تاتاریوں نے عراق پر یورش کرکے فتنہ برپا کیا اور خلافت عباسیہ مصر کو منتقل ہوگئی۔ مصر سے ۹۲۳ھ میں خلافت خاندان عثمانیہ میں چلی گئی۔ اور پہلا خلیفہ اس خاندان کا سلطان سلیم اول ہوا۔ موجودہ سلطان ٹرکی سلطان وحید الدین ہیں جو اپنے خاندان کے ۹۹ خلیفہ ہیں۔

[2] سلطان مسعود ۵۴۷ھ میں اپنے ملک میں مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد ملک شاہ سلطان بنایا گیا۔ مسعود کے مرنے کے بعد خلیفہ کو مطلق العنانی نصیب ہوئی۔

کاٹرا اثر ہوا۔ اس نے منادی کرادی۔ کہ آئندہ محصول بالکل معاف کر دیا جائے۔ اور بڑے بڑے مقامات پر یہ حکم تختیوں پر لکھا کر لگوا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اصلی اور صحیح حالات وجذبات بادشاہوں کے گوش گذار کر دیئے جائیں۔ اور حکام کے آگے رعایا کے خیالات کی صحیح ترجمانی کی جائے۔ تو حکام اور بادشاہ (بشرطیکہ وہ ازلی بدسرشت نہ ہوں) ضرور اپنی اصلاح اور رعایا کی فلاح پر آمادہ ہوجایا کریں۔

فصل پنجم

خلیفہ معتضد باللہ وغیرہ

خلیفہ کی ناراضی قبول کی مگر راست گوئی نہیں چھوڑی

خلیفہ معتضد[1] باللہ غصہ کے وقت کسی پر رحم کرنا نہ جانتا تھا۔ بلکہ بعض مجرموں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیتا تھا۔ لیکن ایسے صاحب جبروت بادشاہ کے زمانہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے۔ جو اس کے نقائص اس کے منہ پر کہدیتے تھے۔ اور اعلائے کلمۃ الحق کیلئے اپنی جان تک کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ خلیفہ نے رعایا کی عام ناراضگی کا چرچا سنکر عبداللہ بن حمدون سے ایکدن پوچھا۔ کیا لوگ میری بادشاہی سے خوش ہیں؟ آجکل کے زمانہ میں اس قسم کے سوالات کا جواب دینا بڑا مشکل ہے خصوصاً جہاں شخصی حکومتیں ہیں۔ وہاں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ "نہیں" کے جواب پر ساتھ ہی اپنا بھی خاتمہ ہے۔ اس زمانہ میں راست گو، صادق القول حریت نواز اور ملک ومالک کے حقیقی ہی خواہ موجود تھے۔ عبداللہ بن حمدون نے خلیفہ کو جھوٹ کہکر خوش کرنے کی بجائے سچ کہکر ناراض کرنا زیادہ مناسب سمجھا اور جمہور کے جو خیالات تھے۔ ان کا اظہار صرف اس لفظ میں ادا کیا کہ "نہیں"۔ خلیفہ نے سبب پوچھا۔ کہا۔ اس لئے کہ آپ میں رحم کی بجائے خونریزی بہت ہے۔ خلیفہ نے کہا میں خون ناحق نہیں کرتا۔ ابن حمدون نے کئی آدمیوں کے نام بتائے۔ لیکن خلیفہ اپنے آپ ہی کو حق پر سمجھتا رہا۔ (تاریخ الخلفا)

حق گو اور حریت پسند اہل دربار

۲۸۴ھ میں خلیفہ معتضد باللہ نے ارادہ کیا۔ کہ امیر معاویہ پر برسر منبر لعنت کیجائے وزیر عبداللہ نے منع کیا کہ سوتے فتنہ کو جگانا اچھا نہیں لوگوں میں شورش پیدا ہو گئی

[1] پیدائش ۲۴۲ھ یا ۲۴۳ھ ہے ۲۷۹ھ میں اپنے چچا خلیفہ معتمد کے بعد تخت پر بیٹھا اور ۲۸۹ھ تک رہا۔ یہ خلیفہ شاعر بھی تھا۔ آخر عمر میں اس کے مزاج میں بڑا تغیر ہو گیا تھا۔

تو سنبھالنا مشکل ہو جائیگا۔ مگر خلیفہ نے نہ مانا اور احکام جاری کر دیئے۔ قاضی یوسف نے جب سُنا تو وہ دوڑا آیا اور ہر چند جانتا تھا کہ خلیفہ نے اپنے وزیر کا کہنا نہیں مانا تو میری کیا سُنے گا۔ مگر اس حکم کا نتیجہ چونکہ وہ ملک اور رعایا دونوں کے لئے بُرا سمجھتا تھا۔ اس لئے خلیفہ سے کہہ ہی دیا کہ آپ وہ غلطی کر رہے ہیں جس کی اصلاح بعد میں نہ ہو سکیگی چاروں طرف آگ لگ جائیگی اور بجھائے نہ بجھیگی۔ خلیفہ نے کہا اس آگ کو آب شمشیر سے بجھاؤں گا۔ قاضی نے پھر کہا۔ جوش غصہ اور ضد کا یہ وقت نہیں ہے۔ سلطنت کو بیٹھے بٹھائے آپ مصیبت میں پھنسا رہے ہیں خلیفہ نے یہ سُنکر تھوڑی دیر غور کیا اور اپنے احکام منسوخ کر دیئے۔

بادشاہ کو اپنے مقدمہ کیلئے کوئی گواہ نہیں مل سکا

قاضی ابو حازم سے ایک مرتبہ خلیفہ نے کہلا بھیجا۔ فلاں شخص کی طرف جیسے اکثر لوگوں نے دعوے کر کے اپنا اپنا مال لیلیا ہے۔ میرا مال بھی کچھ نکلتا ہے۔ مجھے بھی مدعی سمجھو اور میرے دعوے پر غور کر کے میرا حصہ بھی مجھے دلو لیئے۔ قاضی نے جواب میں کہلا بھیجا۔ عدالت کا جوا میری گردن میں ڈالکر اب آپ یہ فرماتے ہیں کہ بغیر گواہوں کے آپ کے دعوے کو مان لوں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ آپ گواہ پیش کیجئے۔ خلیفہ نے کہلا بھیجا۔ فلاں اور فلاں میرے دو معزز گواہ ہیں۔ قاضی نے جواب دیا۔ وہ گواہ آپ کے نزدیک معزز ہوں گے۔ تاوقتیکہ میں یہ نہ دیکھ لوں کہ بموجب احکام شرع وہ شہادات دینے کے قابل ہیں یا نہیں آپکے دعوے کو نہیں مان سکتا۔ نہ اُن کی شہادت کو قبول کر سکتا ہوں۔ خلیفہ کے گواہوں نے جب یہ سُنا کہ عدالت میں تو ہم پر خوب جرح قدح ہونے والی ہے انہوں نے شہادت ہی دینے سے انکار کر دیا (تاریخ الخلفا) ہمارے اخلاق اس درجہ گر گئے ہیں اور ہماری اخلاقی جراءت اب اس قدر کمزور ہو گئی ہے کہ قصص الاوّلین ہمکو افسانہ اور خواب و خیال معلوم ہو رہے ہیں۔

علمائے سلف کی جراءت امر بالمعروف میں

ابو الحسین نوری (خلیفہ معتضد باللہ کے زمانہ کے بہت بڑے عالم) ایک دفعہ دریا میں سفر کر رہے تھے کشتی میں بہت سے مٹکے دھرے دیکھے ملاح سے پوچھا ان میں کیا ہے؟ کہا شراب ہے اور خلیفہ معتضد باللہ نے منگوائی ہے۔ ابو الحسین نے ایک لکڑی لیکر ایک ایک مٹکے کو توڑنا شروع کیا۔ تمام حاضرین تھرا گئے کہ دیکھئے کیا غضب ہوتا ہے۔ معتضد کو خبر ہوئی۔ تو اس نے ابو الحسین کو پکڑ بلوایا۔ یہ گئے۔ تو معتضد ہاتھ میں ایک گرز لئے بیٹھا تھا۔ ان کو دیکھکر پوچھا۔ تو کون ہے۔ انہوں نے کہا محتسب۔ معتضد نے کہا۔ تجھکو محتسب کس نے مقرر کیا۔ انہوں نے کہا جس نے تجھکو خلیفہ مقرر کیا؟

یہ تیسری صدی کے علما کا حال تھا؛ لیکن پانچویں صدی ہجری میں یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ امام غزالی کو احیائے العلوم میں علمائے سلف کے اسی قسم کے دلیرانہ واقعات بیان کرنے کے بعد لکھنا پڑا۔ لیکن آجکل طمع نے علمار کی زبانیں بند کردی ہیں۔ اس لئے وہ چپ ہیں۔ اور اگر کچھ کہتے ہیں تو ان کی حالت ان کے قول سے مطابق نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے کچھ اثر نہیں ہوتا۔[۵] پانچویں صدی میں امام غزالی کو علمائے عصر سے یہ شکایت تھی۔ آج چودہویں صدی میں اندازہ کرلو۔ کہ علمائے حال کس حال میں ہیں؟

زمانہ سلف کا ایک عالم ابراہیم حربی

گذشتہ زمانہ کے علما اپنے اخلاق وعادات اور طرز زندگی کے لحاظ سے امت کیلئے ایک بےنظیر نمونہ تھے۔ ان کا زہد وتقویٰ دیکھکر غیر قوم کے لوگ بھی صدقِ دل سے ان کی عظمت اور برتری کے قائل ہوجاتے تھے اور ان کا دل تسلیم کرنے لگتا تھا کہ یقیناً اسلام ایک سچا آسمانی مذہب ہے جس کی برابری کوئی دوسرا مذہب نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس کے واقفکار علما میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں یہ کسی اور مذہب کے علما میں نہیں پائی جاتیں۔

ان لوگوں کو مذہب کی سچی حلاوت اور علم کا اصلی مزہ حاصل تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ دنیا کی کسی تکلیف کو وہ تکلیف نہیں سمجھتے تھے۔ اور اس روحانی نعمت کے مقابلہ میں تکالیف دنیا کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے۔

ہم اس وقت بغداد کے گذشتہ علما میں سے ایک ادیب اور شاعر کے چند واقعات سناتے ہیں جو اگرچہ مذہبی علما میں شمار نہیں کئے جاتے تھے۔ تاہم چونکہ عالم تھے۔ حدیث وقرآن وفقہ وتفسیر انہوں نے پڑھی تھی۔ اس وجہ سے اسلام کی خوبیاں ان کے دل میں رچ رہی تھیں۔ اور جسقدر اپنے علم ادب کی بدولت وہ زندہ دل تھے اسیقدر علوم دینیہ کے باعث وہ متقی وپرہیزگار تھے۔

ابراہیم حربی امام احمد ابن حنبل کے شاگرد تھے اور بغداد میں خلیفہ معتضد کے زمانے میں تھے اور اس کے محل کے پاس ان کا مکان تھا مگر ان کے استغنا کا یہ حال تھا کہ زندگی بھر کبھی معتضد کے دربار میں نہیں گئے۔ باوجودیکہ وہ ہمیشہ خواہشمند رہا۔ ان کی علمی محویت کا یہ حال تہا کہ چھوٹی باتوں کی طرف مطلق ان کو توجہ نہیں تھی۔ پاجامہ میلا اور کرتہ سفید ہے تو کچھ مضائقہ نہیں جبہ اگر پھٹا ہے۔ تو کچھ ہرج نہیں۔ اسی کو پہنے ہوئے بغداد میں گھوم رہے ہیں۔ تیئیس برس تک انہوں نے رات دن میں صرف ایک روٹی کھاکر گذارہ کیا۔

---

[۵] الغزالی مصنفہ مولانا شبلی صفحہ ۱۹۰۔

استغنا اور خودداری کی لاجواب مثال

ایک مرتبہ ابراہیم حربی سخت بیمار ہوئے ان کی بیوی اور بیٹی دن رات خدمت میں رہتیں۔ چونکہ کھانے پینے کو گھر میں کچھ نہ تھا۔ اس وجہ سے سخت تکلیف تھی خلیفہ کے ہاں سے ایک ہزار اشرفی کا توڑا آیا۔ بیٹی نے اصرار کیا کہ ہم اس وقت ضرورتمند ہیں لے لینا چاہئے۔ لیکن انہوں نے انکار کیا۔ باپ بیٹی میں یہی بحث تھی کہ علامہ ابوالقاسم جبلی (جو دن رات کے ان کے ساتھ بیٹھنے والے تھے) آ گئے۔ ابراہیم نے کہا کہ ابوالقاسم دیکھو میری بیٹی مجھ سے بحث کر رہی ہے۔ تم اس وقت اچھے آ گئے فیصلہ کرو۔ اس کے بعد بیٹی سے کہا کہ تم کیا کہتی ہو ابوالقاسم سے بیان کرو۔ بیٹی نے کہا کہ چچا جان دیکھئے یہ بیمار ہیں۔ میں اور والدہ دونوں ان کی خدمت میں مصروف ہیں۔ دوا علاج تو درکنار کھانے کو بھی کچھ نہیں۔ کبھی خشک ٹکڑے مل جاتے ہیں۔ تو نمک نہیں ملتا۔ جس دن ہم ان کو کہاں فلاں پڑوسی نے اتنا سامان بھیجا تھا۔ انہوں نے واپس کر دیا۔ رسولی کے یہاں سے دو اونٹ سامانوں کے لدے ہوئے آئے تھے۔ وہ واپس کئے۔ اب خلیفہ نے ایک ہزار اشرفیاں بھیجی ہیں وہ واپس کر رہے ہیں۔

ابراہیم نے مسکرا کر کہا۔ بیان کر چکی؟ سنو ابوالقاسم زکوٰۃ اور خیرات کس کے لئے جائز ہے؟ فقیروں اور بیواؤں کے لئے۔ کیا ہم فقیر ہیں۔ اس سے پوچھو کہ میرے اس صندوق میں بارہ سو جز میرے ہاتھ کے لکھے ہوئے مختلف علوم و فنون پر رکھے ہیں۔ اگر آج ان کو میں بیچوں تو کم سے کم ان کی قیمت بارہ ہزار درہم ملے گی۔ پھر ہم کیونکر اس زکوٰۃ اور خیرات کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ غربت سے نہ ڈریں جب میں مر جاؤں تو ان کو بیچ ڈالنا چاہئے۔ لڑکی یہ سُنکر خاموش ہو گئی۔ آخر وہ اشرفیاں واپس کی گئیں۔ ان کے استغنا اور توکل کی وجہ سے تمام اہل بغداد ان کی عظمت کرتے تھے۔

ابراہیم حربی کی ملاقات بغداد کے امیر الامراء قاضی سے

قاضی اسمٰعیل (جو بغداد کے بڑے لوگوں میں سے تھے) بہت خواہشمند تھے کہ ابراہیم حربی سے ملیں۔ ابراہیم نے کہا کہ میں جانتا ہوں قاضی اسمٰعیل بہت بڑے عالم ہیں۔ میں خود ان سے ملنے کا آرزومند ہوں۔ لیکن ان کے دروازے پر دربان اور نقیب ہیں۔ اس لئے میں جا کر اپنے آپ کو ذلیل نہیں کروں گا۔ قاضی صاحب نے جب یہ بات سُنی۔ تو فوراً دربان اور نقیب اٹھا دیئے اور کہلا بھیجا کہ میرا دروازہ اب جامع مسجد کے دروازے کی طرح ہے۔ تب ابراہیم ان سے ملنے گئے۔ قاضی صاحب نے ازراہ تعظیم

ابراہیم کا جوتا اٹھاکر رومال میں لپیٹا اور بغل میں دبا لیا۔ اس کے بعد دونوں میں علمی گفتگو ہوتی رہی اور دونوں ایک دوسرے سے ملکر خوش ہوئے۔ ابراہیم جب چلنے لگے تو جوتا تلاش کیا۔ قاضی صاحب نے رومال میں سے نکالکر سامنے رکھدیا۔ ابراہیم مسکرائے۔ اور دعا دی کہ تم نے علم کی قدر کی۔ اللہ تعالےٰ تمہاری مغفرت کرے۔

کہتے ہیں کہ جب قاضی صاحب نے انتقال کیا تو ایک شخص نے انکو خواب میں دیکھا پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے آپکے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ کہا ابراہیم حربی کی دعا میرے حق میں مقبول فرمائی۔ ابراہیم کی تصنیف سے بہت سی کتابیں اب بھی موجود ہیں۔

ابراہیم حربی کا برس ولادت ۱۹۸ھ اور سال وفات ۲۸۵ھ تھا۔

ظلم وستم کرنے اور حقیقی خیرخواہوں کی بات نہ ماننے کا نتیجہ

ابومنصور قاہر باللہ بن المعتضد جب ۳۲۰ھ میں خلافت بغداد کا مالک ہوا تو اس نے اپنے پیشرو المقتدر باللہ بن المعتضد (۲۹۵ھ تا ۳۲۰ھ) کی ماں کو جو امور خلافت میں بہت دخیل تھی ستانا شروع کیا۔ ان دنوں چونکہ وہ بیمار تھی اس لئے بعض اہل دربار مثلاً ابن مقلہ۔ مونس اور بلیق وغیرہ نے خلیفہ کو اس زیادہ ستانے سے منع کیا۔ یہاں تک کہ خلیفہ نے اس کا وقف شدہ زیور فروخت کرانا چاہا۔ مگر بوجہ وقف کسی نے نہ خریدا جب قاہر نے مقتدر کی ماں کو درخت کے ساتھ الٹا لٹکوایا اور طرح طرح کی عقوبتوں میں گرفتار کیا۔ اور مقتدر کی اولاد کو شکنجہ میں کھنچکر بڑی بے رحمی سے ایذائیں پہنچائیں تو مونس ابن مقلہ علی اور بلیق نے خلیفہ کو اس کے ظلم وستم سے آگاہ کیا اور بتایا کہ ان حرکتوں کا انجام اچھا نہیں ہے ہم اپنا فرض تھا ہم ادا کر چکے۔ آخر سب اہل دربار نے جب دیکھا کہ اس خفیف الحرکت خلیفہ پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو اسکو تخت سے اتارنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ مگر خلیفہ کو خبر ہوگئی۔ اس نے مونس بلیق اور علی کو قتل کرادیا۔ اور ابن مقلہ فرار ہوگیا لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد قاہر کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر اسے اندھا کر دیا گیا۔[1] اور خلافت عباس بن مقتدر کے قبضہ میں آئی۔

---

[1] اس مخبوط الحواس خلیفہ کی حکومت ایک سال چند دن تک ہی رہی اندھا ہونے کے بعد پہلے یہ قید میں رہا بعد ازاں آزاد کر دیا گیا۔ آزاد ہوکر بوجہ تنگی وعسرت جامع مسجد بغداد کی سیڑھیوں پر آکر اندھوں کی قطار میں بیٹھتا اور بھیک مانگا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا اے لوگو ابھے صدقہ دو میں وہی ہوں جسے تم پہچانتے ہو کل تمہارا خلیفہ تھا۔ آج تمہارا محتاج ہوں یہ مستکفی باللہ (۳۳۳ھ تا ۳۳۴ھ) کے زمانہ کا ذکر ہے۔ جب خلیفہ مستکفی کو قاہر کا یہ حال معلوم ہوا تو اسکو نظر بند کر دیا اور پھر مرتے دم تک اسکی کفالت کرتا رہا۔

قید منظور مگر فتوے پر دستخط نہیں کئے

بکار بن قتیبہ بن اسد بصری جو ۱۸۲ھ میں پیدا ہوئے۔ محدث و فقیہ ہونے کے علاوہ مصنف بھی تھے تاریخ خلکان میں لکھا ہے کہ احمد طولون[1] حاکم مصر آپ کو علاوہ تنخواہ کے (آپ مصر کے قاضی بھی تھے) ہزار دینار سالانہ بطور ہدیہ دیا کرتے تھے آپ تنخواہ تو اپنے اخراجات میں لے لیتے اور ہدیہ سربمہر حفاظت رکھ دیا کرتے۔ ایک مرتبہ حاکم مصر احمد ابن طولون نے قاضیوں اور اعیان سلطنت کو جمع کیا اور کہا الموفق نے امیر المومنین المعتمد علی اللہ بن المتوکل کو قید کر رکھا ہے۔ اس لئے موفق کو ولی عہدی سے معزول کرنے کا فتویٰ لکھدو۔ سوائے قاضی بکار بن قتیبہ کے سب نے اتفاق کیا۔ قاضی بکار نے کہا آپ نے پہلے میرے سامنے معتمد کا وہ فرمان رکھا جس کے ذریعہ موفق ولیعہد بنایا گیا اب آپ اپنے حکم سے معزولی کا فرمان لکھوانا چاہتے ہیں جبتک معزولی کا فرمان بھی معتمد ہی کی طرف سے نہو میں حکم نہیں دے سکتا ابن طولون نے کہا معتمد اس وقت قید ہے اور فرمان لکھنے سے معذور ہے قاضی نے کہا جب اظہار حق کے معاملے میں وہ اسقدر مجبور ہے تو مجھے بھی معذور سمجھا جائے۔ ابن طولون نے قاضی کو بہت کچھ سخت سست کہا۔ مگر انہوں نے دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ آخر اس نے ان کو قید کر دیا اور طعن کے طور پر کہا اگر تم ایسے ہی ایماندار اور با اصول ہو۔ تو تنخواہ کے علاوہ جو روپیہ لیتے رہے ہو۔ وہ کس بات کا عوض تھا۔ وہ روپیہ واپس دیدو۔ بقول صاحب تاریخ الخلفاء یہ عطیات دس ہزار اور بقول صاحب حدائق الحنفیہ اٹھارہ ہزار دینار رہتے۔ بہر حال یہ تمام سربمہر تھیلیاں قاضی نے ابن طولون کو واپس کر دیں۔ موفق کو جب اس واقعہ کی خبر پہنچی۔ تو اس نے حکم دیا کہ ابن طولون پر سر منبر لعنت کی جائے۔ قید کی حالت ہی میں ۲۴ ذی الحجہ ۲۷۰ھ کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ لکھا ہے کہ جیل خانہ کے اندر بھی آپ کا درس حدیث برابر جاری تھا۔

شمس الائمہ سرخسی قید خانہ میں

محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی جو شمس الائمہ سرخسی کے نام سے مشہور ہیں۔ بعہد خلیفہ القادر باللہ[2] (۳۹۲ھ تا ۴۲۲ھ) ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے بڑے حق گو اور حریت پسند تھے کلمہ حق کہنے میں کسی کا خوف نہ کرتے تھے۔ بادشاہ کو اس کے بعض نقائص سے آگاہ کیا اسے بتایا کہ رعب و داب

۱؎ تاریخ واقعات پنجہزار سالہ صفحہ ۱۰۹ پر سلاطین مصر کے حالات میں لکھا ہے کہ ۲۵۴ھ سے ۳۲۰ھ تک خاندان طولونیہ کے چار آدمی حکمران رہے جن کی مدت سلطنت ۱۰۹ سال تک رہی۔ یہ سلاطین دراصل عباسی خلفائے بغداد کے نائب حاکم ہوتے تھے۔ احمد بن طولون خلیفہ معتمد بن متوکل کی طرف سے مصر کا نائب حاکم تھا۔ معتمد کی حکومت ۲۵۶ھ سے ۲۷۹ھ تک رہی ہے۔ ۲۶۱ھ میں خلیفہ معتمد نے اپنے بیٹے مفوض الی اللہ جعفر کو ولی عہد بنایا اور اس کے بعد اپنے بھائی موفق طلحہ کو ولی عہدی کے لئے نامزد کیا۔ ۲۶۴ھ میں دونوں بھائیوں کی بدگمانی بڑھنی شروع ہوئی۔ ۲۶۹ھ میں ابن طولون نائب الحکومت مصر معتمد کے اشارہ سے دمشق کی طرف چلا۔ ادھر دارالخلافہ سے خود معتمد بھی دمشق کی طرف روانہ ہوا۔ موفق ان دنوں دمشق رہتا تھا۔ خدا کی قدرت سے پانسہ پلٹ گیا۔ اور خلیفہ موفق کے قبضہ میں آگیا۔ ۲۷۰ھ میں ابن طولون نے وفات پائی۔ اسی سال قاضی بکار بھی رحلت کر گیا۔

۲؎ اسی خلیفہ کے زمانہ میں ۳۹۹ھ میں خاندان بنوامیہ کی سلطنت ہسپانیہ کمزور ہو گئی۔

اور طاقت کے زور سے رعایا خاموش تو ہو جاتی ہے۔ مگر مطیع نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے دلوں پر حکومت ہو سکتی ہے۔ رعایا کا دل صرف اسی طریق سے قابو کیا جا سکتا ہے کہ سختیاں دور کی جائیں۔ ان کی فریاد اور چیخ پکار سُنی جائے اور ہر طرح افراد رعایا کی دلجوئی کی جائے۔ بادشاہ ایسی آزادانہ گفتگو سننے کے بہت کم عادی ہوتے ہیں۔ اس نے ناراض ہو کر شہر روزجند میں ایک پرانے کنوئیں کے اندر قید کر دیا۔ آپ عرصہ تک وہاں قید رہے۔ بحالت قید آپ کے شاگرد کنوئیں پر آ کر آپ سے سبق پڑھتے اور آپ جو کچھ کنوئیں کے اندر سے کہتے لکھتے جاتے۔ محبوسی کی حالت ہی میں چار پانچ ضخیم کتابیں تیار ہو گئیں۔ آخر رہا ہوئے۔ اور فرغانہ پہونچے۔ امیر فرغانہ نے بڑی عزت کی۔ آپ کے تمام شاگرد بھی اسی جگہ آ گئے اور یہاں بھی درس فقہ و حدیث جاری ہو گیا۔[۱] وفات آپکی بقول بعض ۴۹۰ھ اور بقول بعض ۵۰۰ھ میں ہوئی ہے۔ یہ زمانہ المستظہر باللہ[۲] کا تھا (از ۴۸۶ھ تا ۵۱۲ھ)

عہدۂ قضا سے انکار

ابو العباس[۳] احمد بن عبد اللہ صلحائے مشاہیر میں۔ رئیس العلما سمجھا جاتا تھا۔ مصر، شام اور فارس کے باشندے اس کے بڑے معتقد تھے۔ لوگ اس کے تبرک و اعتبار کی وجہ سے اس کی دستخطی کتابوں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ آخر مصر کو وطن بنا لیا۔ جب اس کے علم ادب کا چرچا ہوا۔ تو لوگ جوق جوق اس کے پاس آنے لگے۔ لوگوں کو پڑھاتا تھا۔ مگر بلا اجرت۔ بکچر دیتا تھا۔ مگر بلا فیس۔ اس کا گذارہ اپنی کتابت پر تھا اور چونکہ عیالدار تھا۔ اس لئے اکثر فاقے برداشت کرنے پڑتے تھے۔ لوگ کئی کئی بہانوں سے اس کی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس نے کسی کی امداد قبول نہ کی۔ ۵۲۳ھ[۴] میں حکومت مصر نے اس کو قاضی مقرر کرنا چاہا۔ لیکن اس نے چونکہ حکومت کو کہہ دیا تھا۔ کہ میرے فیصلے اہل سنت کی شرع کے مطابق ہوں گے اس لئے اس کا تقرر نہ ہو سکا۔ ابن خلکان اپنی تاریخ میں لکھتا ہے "لوگ اس کی قبر پر زیارت کو جاتے ہیں میں بھی ایک مرتبہ گیا تھا۔"

جیلخانہ قبول کیا مگر حق گوئی نہیں چھوڑی

تقی الدین ابن تیمیہ حرّان واقعہ عراق میں ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں مناظرہ اور فتاوی میں بڑے بڑے عالم آپ کے آگے خاموش رہتے تھے۔

---

[۱] حدائق الحنفیہ حدیقہ پنجم صفحہ ۲۰۶ [۲] اپنے باپ المقتدی بامر اللہ کے بعد بعمر ۱۶ سال تخت پر بیٹھا۔ مصر میں خاندان عبیدیہ اور خراسان میں خاندان سلجوقیہ کا عروج روز بروز بڑھ رہا تھا۔ اور خلافت کمزور ہو رہی تھی۔ باینہمہ اتنا احترام باقی تھا کہ خلفاء کی اجازت سے سلاطین مقرر ہوتے تھے۔ ملک شاہ سلجوقی نے المقتدی بامر اللہ کی بہت سی بے ادبیاں بھی کیں [۳] پیدائش ۱۷ جمادی الاخر ۴۴۷ھ مطابق ۱۰۵۵ء وفات محرم ۵۶۰ھ مطابق ۱۱۶۴ء [۴] المتقی لامر اللہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ سلطان مسعود کی مدد سے تخت پر بیٹھا جو نائب السلطنت تھا اور جس نے اس کے پیشرو الراشد باللہ کو معزول کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں مصر میں الظافر بامر اللہ عبیدی سلطان تھا۔ جس نے ۵۴۹ھ میں انتقال کیا تھا۔

چال چلن کی پاکیزگی اور حریت وحق گوئی نے علم کی روشنی کو دوبالا کر دیا۔ حق بات کہنے میں شمشیر برہنہ تھے
تیس سال کی عمر میں آپ کے زہد و اتقا اور آزاد طبعی کا چرچا تمام ممالک اسلامی میں ہو گیا تھا۔ جب کلام اللہ
کی تفسیر کا وعظ کرتے تھے۔ تو سینکڑوں گمراہ ہدایت پاتے تھے۔ قبول عام کے سبب سے اس زمانہ کے
اکثر عالم آپ کے دشمن ہو گئے تھے بعض مسائل کے متعلق جو اُس زمانہ کے مذاق کے مخالف تھے سلطان مصر کو
بھی علماء نے آپ کا مخالف کر دیا تھا۔ بڑا بھاری مسئلہ زیارت قبور مزارات کا تھا۔ انہی وجوہات سے آپ
مدت تک مختلف قلعوں میں قید رہے۔ آپ کی وفات بھی بحالت قید ہی (قلعہ دمشق میں) واقع ہوئی ہے
ایک مرتبہ آپ کے سامنے مصر کے ایک حاکم کی کسی نے شکایت کی۔ کہ وہ امیر و رذیل۔ گنہگار اور
بے گناہ سب کے ساتھ سختی و تشدد کے ساتھ پیش آتا ہے۔ آپ اس کے پاس گئے۔ اس نے مذاقاً کہا آپ نے
کیوں تکلیف کی میں خود حاضر ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا میں تو حضرت موسیٰ کے غلاموں کا ساتھی بھی رتبہ
نہیں رکھتا۔ اور تو ظلم و کفر میں فرعون کو بھی پیچھے چھوڑ رہا ہے حضرت موسیٰ اس حال میں بھی ہر روز
تین دفعہ فرعون کے پاس آتے تھے۔ اور اس کو ایمان کی ترغیب دیتے تھے پھر میں تمہارے پاس خود
کیوں نہ آؤں؟ ۲۲۔ ذی قعدہ ۷۲۸ھ کو آپ نے وفات پائی۔ جنازے پر دو لاکھ آدمی تھا۔ ؎

المستکفی باللہ ابو الربیع سلیمان بن الحاکم بامر اللہ کا عہد حکومت تھا۔ ؎ ۷۰۰ھ میں وزیر سلطنت نے
چاہا۔ کہ ممالک اسلام کے نامسلمان سفید عمامہ باندھا کریں، حالانکہ وہ سات لاکھ دینار سے زیادہ
جزیہ ادا کرتے تھے شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے اس سختی و تشدد اور ناانصافی کی علانیہ مخالفت کی
وزیر نے دھمکیاں بھی دیں لیکن انہوں نے اس کی کوئی پیش نہ چلنے دی۔ یہاں تک کہ وہ اپنی اس
خواہش میں ناکام رہا (تاریخ الخلفا صفحہ ۲۵۷)

درس تدریس کی خاطر عہدہ قضا سے انکار

اکمل الدین بابرتی (بابرتہ ایک مقام ہے من مضافات بغداد) جن کا اصل نام محمد بن محمد بن محمود بابرتی تھا۔ بزمانہ خلیفہ المستکفی باللہ ابو الربیع ؎ ۷۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اور

؎ یہ وہ زمانہ تھا کہ خلافت کا رہا سہا وجود (بزمانہ خلیفہ المستعصم باللہ فتنہ تاتار (ہلاکو خان) نے مٹا دیا تھا۔ یہ واقعہ ۱۰ محرم ۶۵۶ھ کا تھا۔ اگر نمک حرام لعنتی وزیر علقمی خلیفہ کو دغا نہ دیتا تھا اور علما امرا و اعیان سلطنت کو ایک ایک کر کے نہ مروا دیتا اور تاتاریوں سے نہ مل جاتا۔ تو یہ سلطنت شاید کچھ دنوں کے لئے اور سنبھل جاتی۔ اس فتنہ کے بعد سلطنت کی جڑیں کھوکھلی ہو گئیں۔ ؎ حاشیہ کتاب تاریخ دہلی جلد اول صفحہ ۱۵۸۔ ؎ خلافت اب برائے نام تھی۔ سلاطین مصر کا زور ہو رہا تھا۔ خلیفہ کا کام صرف نئے سلطان کو خلعت معہ عمامہ وغیرہ دینا اور فرمان سلطنت (بہ جبر یا رضا) عطا کرنا رہ گیا تھا۔ یا صرف خطبوں میں اس کا نام پڑھا جاتا تھا۔ ۷۳۶ھ میں سلطان نے کسی بات سے ناراض ہو کر خلیفہ کو نظر بند کر دیا۔ ذی الحجہ ۷۳۷ھ میں اسے معہ اس کے متعلقین کے جن کی تعداد ایک سو تک بیان کی جاتی ہے۔ قوص میں بھیج دیا۔ اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیا اسی جگہ المستکفی نے بعمر ۵۰ سال وفات پائی (تاریخ الخلفا ۲۵۸)

فارغ التحصیل اور فقہ و حدیث۔ نحو و صرف میں جامع علوم و فنون ہونے کے بعد ۸۲۵ھ میں بزمانہ واثق باللہ ابراہیم قاہرہ آئے۔ شیخونیہ کی مشیخت آپکے سپرد تھی۔ درس تدریس آپ کا شغل تھا۔ قضاء کا عہدہ حکومت کی طرف سے کئی مرتبہ آپ کو دیا گیا لیکن آپنے اپنی تصنیفات اور سلسلہ تعلیم و تعلم کے مقابلہ میں ہمیشہ انکار کیا۔ تفسیر قرآن کے علاوہ آپنے کئی کتابوں کی شرح بھی لکھی ہے۔ ۱۹ رمضان ۸۸۶ھ کو بزمانہ المتوکل علی اللہ ابو عبداللہ شیخونیہ میں انتقال کیا سلطان مصر معہ ارکان و اعیان جنازہ میں شامل ہوا (حدائق الحنفیہ حدیقہ ہشتم صفحہ ۲۹۷)

باب پنجم

دولت بنی بویہ و دولت سلجوقیہ

فصل اوّل

دولت بنی بویہ

خاندان بنی بویہ کا عروج و اقتدار

چوتھی صدی ہجری کے شروع اور تیسری صدی کے اواخر میں دولت عباسیہ اپنے حقیقی عروج و اقتدار کا دور ختم کر چکی تھی۔ مصر میں فاطمیوں کا زور تھا۔ بلکہ افریقیہ میں حکومت

لہ ۷۶۳ھ میں تخت پر بیٹھا۔ ۴۵ برس خلیفہ رہا کئی دفعہ معزول و قید بھی ہوا۔ اسی کے زمانہ میں فتنہ تیموری نے ایک عالم کو تہ و بالا کر دیا اس فتنہ کی تاریخ عذاب (۸۰۳ھ) ہے متوکل مصر میں چھٹا خلیفہ تھا۔ کیونکہ اب بغداد تقیفہ سے نکل چکا تھا ۸۰۸ھ میں متوکل نے انتقال کیا نام کا خلیفہ تھا سلاطین مصر کی اجازت کے بغیر کوئی کام اور کسی قسم کی نقل و حرکت نہ کر سکتا تھا۔

مہدویہ خلافت کی مدعی تھی۔ اُندلس میں امیہ خاندان حکومت کر رہا تھا۔ اور قرمطیوں نے اپنے اعتقادات باطلہ سے ملک میں ایک طوفان مچا رکھا تھا۔ خلافت برائے نام تھی جس خاندان کی طاقت بڑھ جاتی تھی۔ وہ خلیفہ کو اپنے قبضہ میں کر لیتا تھا۔

۳۲۲ھ میں خلیفہ القاہر باللہ کا زمانہ تھا۔ ویلم اور اس کے مددگار علی بن بویہ نے طاقت عظیم پیدا کر لی۔ علی نے آخر میں علیحدہ ہو کر فارس پر قبضہ کر لیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفا میں لکھتے ہیں۔ ابن بویہ ابتدا میں مفلس قلاش تھا۔ ماہی گیری اس کا ذریعہ روزگار تھا۔ رفتہ رفتہ وہ مرداویج بن زیاد الدیلمی کا مصاحب ہو گیا۔ ویلمی نے ایک مرتبہ ابن بویہ کو کرخ کی طرف روپیہ لانے کو بھیجا۔ وہ پانچ لاکھ درہم لیکر واپس آرہا تھا کہ اس نے ہمدان پر قبضہ کر لیا۔ وہاں سے شیراز گیا۔ وہاں اسے متفرق مقامات سے بہت بڑے خزانے ملے جن کی مدد سے خراسان و فارس پر اس کا قبضہ ہو گیا اور یہ دونوں ملک خلافت عباسیہ سے علیحدہ ہو گئے۔ جب القاہر باللہ کے بعد الراضی باللہ تخت پر بیٹھا۔ تو اس نے ان تمام شہروں کو جو علی بن بویہ کے قبضہ میں تھے۔ ایک کروڑ اسی لاکھ درہم کے عوض اس کی سالانہ جاگیر میں دیدیئے اور ایک پرچم اور ایک خلعت بھی ابن بویہ کو بھیجا۔ راضی باللہ کے زمانہ (۳۲۲ھ تا ۳۲۹ھ) میں خلافت یہانتک کمزور ہو گئی تھی کہ بغداد میں راضی اور قرطبہ (اُندلس) میں عبدالرحمن اور قیروان (مصر) میں مہدی امیرالمومنین کے لقب سے ملقب تھے۔

المستکفی باللہ کے زمانہ (تخت نشینی ۳۳۳ھ معزول ومکحول ۳۳۴ھ وفات ۳۳۸ھ) میں ابو جعفر بن شیرزاد کا عروج ہو گیا خلیفہ بالکل اس کے قبضہ میں تھا۔ آخر ابن بویہ جب بغداد آیا۔ تو ابن شیرزاد کہیں مفرور ہو گیا خلیفہ نے ابن بویہ کو خلعت و خطاب معزالدولہ دیا اور اس کے بھائیوں کو بھی خطابات دیئے۔ معزالدولہ نے خلیفہ کی پانچہزار درہم روزانہ تنخواہ مقرر کر کے اس کو گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا۔ اور آپ نائب السلطنت بن بیٹھا لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد کسی بات پر بدگمان ہو کے خلیفہ کو تخت سے اتار کر اسے اندھا کر دیا۔ المستکفی کے بعد المطیع اللہ ابوالقاسم الفضل بن مقتدر بن معتضد بن بویہ کی مدد سے تخت پر بیٹھا۔ معزالدولہ یعنی ابن بویہ نے سو دینار روزانہ اس کا وظیفہ مقرر کر کے ایک طور پر اسے نظر بند کر دیا۔ ۳۵۴ھ میں جب معزالدولہ کی بہن مر گئی۔ تو خلیفہ اس کی تعزیت اور جنازہ کے ساتھ شریک ہونے کے لئے معزالدولہ کے مکان پر گیا۔ ۳۵۶ھ میں معزالدولہ کے مرنے پر اس کا بیٹا بختیار بخطاب عزالدولہ نائب السلطنت مقرر ہوا۔ ۳۶۳ھ میں سلطان بختیار (عزالدولہ)

نے مطیع کی تنخواہ بند کر دی۔ وہ یہانتک تنگدست ہو گیا۔ کہ چار لاکھ درہم میں اس نے اپنا تمام اثاثہ فروخت کر دیا۔ ۳۶۳ھ میں عزالدولہ کے حکم سے خلیفہ معزول کر دیا گیا۔ اور خلافت الطائع للہ کے مقدر میں آئی۔ جو مطیع کا بیٹا تھا۔ اسی کے زمانہ میں عضدالدولہ بن رکن الدین بویہ (برادر علی بن بویہ) کے درمیان جنگ ہوئی اور عزالدولہ مارا گیا۔ خلیفہ نے عضدالدولہ کو نہ صرف خلعت نیابت ہی دیا۔ بلکہ سونے کا ایک جھنڈا بھی عطا کیا۔ جو صرف ولیعہدوں کا حق ہوتا ہے۔ ۳۶۹ھ میں عضدالدولہ کا نام خطبوں میں بھی شامل ہو گیا اور ایک دربار میں خلیفہ نے عضدالدولہ کو مختار کل کر دیا۔

۳۷۰ھ میں عضدالدولہ ایک مرتبہ ہمدان سے بغداد میں آیا۔ خلیفہ خود اس کے استقبال کو باہر نکلا۔ حالانکہ اس سے پہلے کبھی کسی خلیفہ نے کسی شخص کا استقبال نہ کیا تھا۔ یہ باتیں تھیں جن سے خلافت عباسیہ روز بروز کمزور ہو رہی اور بنی عبید کی سلطنت مصر میں لحظہ بلحظہ مضبوط ہو رہی اور خاندان بنی بویہ کی عظمت و شوکت بڑھتی دولت کی طرح ترقی پذیر تھی۔ دولت بنی بویہ ہی کو شاہان دیالمہ بھی کہتے ہیں اس خاندان میں عضدالدولہ سے زیادہ بیدار، زیرک اور مدبر کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہے۔ فارس و کرمان میں اس کی مستقل حکومت تھی۔

عضدالدولہ کے انصاف کا ایک حیرت انگیز واقعہ

عضدالدولہ کو اس کے ایک مخبر (خفیہ پولیس کے اہلکار) کے ذریعہ خبر ملی کہ قاضی القضاۃ کے پاس ایک شخص بیس ہزار دینار امانتاً رکھ گیا تھا۔ وہ شخص حج کے بعد روم کی ایک مذہبی لڑائی میں جہاد کا ثواب حاصل کرنے کے لئے شامل ہوا اور زخمی ہو کر قید ہو گیا جہاں سے چار سال کے بعد رہائی ملی اور دس برس کے بعد جب واپس اپنے شہر میں آیا اور قاضی سے روپے طلب کئے۔ تو اس نے جان پہچان تک سے انکار کر دیا۔ بلکہ یہانتک کہا کہ اگر زیادہ دق کرو گے۔ تو دیوانہ قرار دیکر بیمارستان (ہسپتال) میں بھجوا دوں گا۔ جہاں ساری عمر سڑتا رہیگا بادشاہ نے اس شخص کو بلایا اور اس سے ساری داستان مفصل سنی اور دو سو دینار خرچ کے دے کر رخصت کر دیا کہ جب میں بلاؤں اس وقت آنا۔ بادشاہ نے قاضی کے امتحان کے لئے ایک دن اس کو خلوت میں بلایا اور شہزادوں اور شہزادیوں کے متعلق گفتگو کر کے کہا کہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں شہزادوں کی طرف سے خطرہ ہے کہ وہ اپنی بہنوں کو واجبی حصہ نہ دیں گے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ جیسے متدین اور متقی دیندار کے پاس جواہرات اور کچھ نقدی روپیہ جمع رکھدوں تاکہ جب وہ زمانہ آئے جس کا مجھے خطرہ ہے۔ تو لڑکیوں پر مصیبت نہ پڑے اور آپ اس کام کے لئے وسیع تہ خانہ بنوائیں اور میرے اور آپکے اور اس علام الغیوب کے سوا جو دلوں کے تمام حالات جاننے

والا ہے اور کسی کو اس کی خبر نہ ہو۔ بادشاہ نے دو سو دینار تہ خانہ بنوانے کے لئے بھی دیئے۔ قاضی صاحب دل میں خوش ہو کر رخصت ہوئے۔ سر بڑھاپے میں خدا نے سُنی اسقدر مال مفت ملنے لگا ہے کہ جس کی کبھی توقع بھی نہ ہو سکتی تھی۔ بیس ہزار دینار بھی خدا نے گھر بیٹھے دلوا دیا۔ اب وہ لاکھ پتیے روئے ایک حبہ بھی نہیں پا سکتا۔ اور بادشاہ کے مرنے کے بعد یہ جواہرات اور خزانہ بھی سب میرا ہی ہے۔ نہ کوئی دستاویز ہے نہ کوئی گواہ۔

تہ خانہ تیار کرا کے قاضی نے اطلاع دی۔ بادشاہ نے ایک سو چالیس آفتابوں میں دینار اور تین ڈبوں میں مروارید اور چند پیالوں میں یاقوت لعل۔ فیروزہ بھر کر خزانے میں پہلے ہی رکھوا لئے تھے۔ قاضی یہ دیکھ کر نہال ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا۔ آج ہی یہ امانت پہنچ جائے گی اور یہ کہکر اسکو رخصت کر دیا۔ اس کے بعد اس مظلوم کو بلوایا اور کہا آج قاضی سے جا کر سختی سے تقاضا کرو۔ اگر وہ نہ ملنے۔ تو کہو میں بادشاہ سے کہدوں گا۔ جو آپ کی عزت کو خاک میں ملا دے گا۔ اور مجھے میرا روپیہ بھی دلوا دیگا۔ وہ شخص گیا اور سختی سے تقاضا کرنے لگا۔ قاضی نے سوچا۔ کہ اگر اس کم بخت نے شور مچایا۔ تو شاید بادشاہ تک نوبت پہنچ جائے اور ادھر بادشاہ نے آج ہی خزانہ بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس بیس ہزار کے بدلے وہ لاکھوں روپے اور جواہرات ہاتھ سے جاتے رہیں اور بے اعتباری وبے عزتی الگ ہو۔ یہ سوچکر اس کی ساری ہی رقم دیدی اور کہا جو کچھ اتبک ہوا تمہارے ہی فائدہ کیلئے تھا۔ اب تم صبر نہیں کرتے تو لیجاؤ۔ ہمارا کیا ہے۔ تمہارا ہی مال ہے۔ وہ شخص دینار مزدوروں کے سر پر اٹھوا کر بادشاہ کے پاس لیگیا۔ بادشاہ کو معلوم ہو گیا۔ کہ قاضی نے واقعی خیانت کی ہے۔ اور اگر اس کو ان جواہرات کا طمع نہ ہوتا۔ تو کبھی وہ امانت واپس نہ دیتا۔ بادشاہ نے قاضی کا تمام اسباب ضبط کر لیا۔ اس کو عہدہ قضا سے ہٹا دیا۔ اور اس کی ضعیفی کی وجہ سے اس سے زیادہ کوئی سزا اس کو نہ دی۔ (نظام الملک طوسی حصہ دوم صفحہ ۲۴۲)

۳۳۵ھ میں رکن الدین ابن بویہ نے جب اپنے مقبوضہ ممالک اپنی اولاد (عضد الدولہ۔ موید الدولہ فخر الدولہ) میں تقسیم کر دیئے۔ تو فارس و کرمان عضد الدولہ کے حصہ میں آئے جہاں ۳۷۲ھ ۹۸۲ء تک وہ حکمران رہا خلیفہ الطائع للہ کے زمانہ (شعبان ۳۸۱ھ) تک اس خاندان کا اثر و زور رہا۔ جب ۳۷۲ھ میں عضد الدولہ کے بعد اس کا بیٹا صمصام الدولہ بلقب شمس الملۃ نائب سلطان بنا تو اس نے ایک کروڑ درہم سالانہ کی آمدنی بڑھانے کے لئے کپڑے پر محصول لگانا چاہا۔ لوگوں نے ایک شور عظیم پیدا کیا جس سے شمس الملۃ کو اپنے ارادہ سے باز رہنا پڑا خلیفہ القادر باللہ کے زمانہ (۳۸۱ھ تا ۴۲۲ھ) میں بنی بویہ خاندان میں خانہ

جنگیاں شروع ہو گئیں اور ان کی جگہ خاندان سلجوق نے خلفاء بغداد پر قبضہ کرنا شروع کیا۔

فصل دوم

دولت سلجوقیہ

(سلطان طغرل بیگ سلطان الپ ارسلان سلطان ملک شاہ۔نظام الملک طوسی وزیر اعظم اور سلطان سنجر کے واقعات)

خاندان سلجوقیہ کا عروج واقتدار

تاتاری اقوام میں سلاجقہ قوم کے لوگ نہایت نامور ہوئے ہیں۔ان کی شہرت ۴۱۰ھ ۱۰۱۹ء سے شروع ہوتی ہے دشت قبچاق کے نامور سردار بیگو خان کے سپہ سالار دقاق کا بیٹا سلجوق غیر معمولی طور پر ہوشیار تہا۔بیگو خان نے اپنی بیگم کے ایما سے اس کو جب ذلیل کرنا چاہا۔تو وہ موقع پاکر نواح جیند (ترکستان) میں بہاگ آیا۔وہاں اس کے قبیلہ کے بہت سے لوگ جمع ہوگئے اسی جگہ سلجوق نے معہ اپنی قوم کے اسلام قبول کر لیا اور اپنے مقبوضات کو وسعت دی جب سلجوق نے (بعمر ایک سو سات سال) وفات پائی۔تو اس کے پوتے (اس کے بیٹے میکائیل کے فرزند) طغرل بیگ محمد اور چغری بیگ داؤد قوم کے سردار ہوئے۔

طغرل بیگ کے ایک سفیر کو سلطان محمود غزنوی نے قلعہ کالنجر میں قید کر لیا تھا۔کچہ اس وجہ سے اور کچھ اور وجوہات سے سلطان محمود کے بعد اس کے بیٹے سلطان مسعود سے طغرل بیگ کی کئی مرتبہ لڑائی ہوئی اور وہ ہمیشہ کامیاب رہا۔اس زمانہ میں تخت خلافت پر القائم بامر اللہ عباسی امیر المومنین تھے۔انہوں نے طغرل بیگ کی فتوحات پر اپنی مسرت کا اظہار کیا خلیفہ چونکہ شاہان دیالمہ کے زیر اقتدار اور ان کی سختیوں سے بہت پریشان تہا۔اس لئے طغرل بیگ نے ۴۴۷ھ ۱۰۵۵ء میں بغداد میں آکر آل بویہ کی طاقت کو توڑا اور خود ان کا قائم مقام ہوگیا۔

طغرل بیگ راست بازی۔نرمی اور فیاضی کا ایک روشن نمونہ تہا اس کا دور حکومت عدل و انصاف میں ممتاز ہے۔

سلطان طغرل بیگ کی رحم دلی اور مذہبی پاس داری

علاوہ ان صفات کے طغرل بیگ میں خالص مذہبی جوش تہا۔اور مذہب کا ادب ہر موقع پر قائم رکہتا تہا جس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب اس نے ۴۲۹ھ میں نیشاپور پر قبضہ کیا تو رمضان المبارک کا مہینہ تہا۔ہر سپاہی کا خیال تہا۔کہ وہ مال غنیمت سے مالامال ہوجائے گا۔چنانچہ طغرل بیگ کے بھائی چغری بیگ اور تمام

فوج نے شہر کو لوٹنا چاہا لیکن سلطان نے کہا کہ شہر الحرام میں لوٹ مار جائز نہیں ہے میری ذات سے رمضان المبارک کی ہتک ہو۔ یہ میں کسی طور پر منظور نہیں کر سکتا ہوں چنانچہ اخیر مہینہ تک سپاہی بیٹھے رہے۔ لیکن عید کے دن پھر اہل فوج نے اجازت مانگی۔ سلطان نے کہا خلیفہ القائم بامر اللہ نے فرمان بھیجا ہے اور اسمیں ہدایت ہے کہ رعایا کے ساتھ سلوک کیا جائے اور شہر تباہ و برباد نہ کئے جائیں اور خلیفہ المسلمین کی اطاعت فرض ہے۔ اس جواب پر چغری بیگ نے تلوار کھینچ لی اور خودکشی پر آمادہ ہو گیا۔ طغرل بیگ نے مجبور ہو کر رعایائے نیشاپور سے ۳۰ ہزار دینار نقد دلوائے کہ وہ فوج کو تقسیم کر دیئے جائیں (نظام الملک طوسی حصہ دوم ۲۸۵ صفحہ)

طغرل بیگ خاندان سلجوق کا پہلا بادشاہ تھا۔ اس بہادر کی پیدائش دنیائے اسلام کے لئے رحمت تھی۔ خاندان عباسیہ کا چراغ دجلہ کے کنارے ٹمٹما رہا تھا۔ شمالی افریقہ میں بنو فاطمہ کی پرآشوب حکومت دامن اسلام کے لئے ایک بدنما دھبہ تھی۔ دولت دیالمہ (بنی بویہ) اور دولت غزنویہ زمانہ کی دستبرد سے خاک میں مل چکی تھیں۔ شہنشاہ قسطنطنیہ اسلام کی یہ حالت دیکھکر اپنے کھوئے ہوئے مقبوضات دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بیچین ہو رہا تھا۔

ان حالات میں طغرل بیگ بہادر سلجوقیوں کو ساتھ لیکر بغداد میں داخل ہوا۔ اس نے تمام شورشوں کو مٹایا اور خلیفہ قائم بامر اللہ کو اپنے قبضہ میں کیا۔ خلیفہ نے رکن الدین خطاب دیکر اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دی۔ ان باتوں کو اکثر لوگوں نے برا منایا۔ اور خلافت کی کمزوری پر محمول کیا۔ اور امر واقعہ بھی یہی تھا کہ خلیفہ کی طاقت برائے نام تھی۔ لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ خاندان سلجوق اگر پیدا نہ ہوتا۔ تو اسی زمانہ میں تثلیث توحید پر غالب آچکی تھی۔

ایک صوفی منش بزرگ اور شہزادہ کی عبرت انگیز گفتگو

شہزادہ الپ ارسلان کو سپاہیانہ جوہر تو وراثت ہی میں ملے تھے لیکن اس کی ذاتی عظمت اسکے علم وفضل کی بدولت تھی۔ وہ قریبًا بغداد کے تمام نامی علماء فقراء کا صحبت یافتہ تھا۔ وہ علم کے ساتھ عمل بھی رکھتا تھا۔ خلیفہ قائم بامر اللہ نے اسے عضد الدولہ عضد الدین کا خطاب بھی دیا تھا۔ ایک رات شہزادہ مغربی بغداد کے پل پر تنہا ٹہل رہا تھا کہ ایک صوفی منش بزرگ اسے ملا اور اس نے کہا شہزادے اور بادشاہ اس طرح اور ایسے وقت میں سیر کو نہیں نکلا کرتے۔

شہزادہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں کہ مبادا انہیں کوئی تنہائی میں نقصان پہنچائے۔ الحمد للہ کہ میں ایسا نہیں ہوں۔

بزرگ۔ اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ رعب میں فرق آتا ہے۔

شہزادہ۔ یہ بھی صحیح ہے لیکن میں ہر شخص کو بہ حیثیت انسان اپنے برابر خیال کرتا ہوں بلحاظ مسلمان اس کی عزت کرتا ہوں اور آپ جیسے بزرگوں کی خدمت میں رہنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔

بزرگ۔ اللہ تعالیٰ تجھے اس سے زیادہ نیکی کی توفیق دے۔

شہزادہ۔ یا شیخ میرے دل میں بار بار یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے آپ ہی بتائیں کہ میری زندگی کا دستور العمل کیا ہونا چاہیئے

شیخ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر ایک آہ سرد بھری اور مشرقی بغداد کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا اس قصر کی طرف دیکھو جو اس دریا کے کنارے پر سنگ مرمر کی عالیشان محرابوں پر کھڑا ہے اس کے اندر آرام و آسائش کا ہر ایک سامان جو تمدن فراہم کرسکتا ہے۔ مہیا ہے۔ لیکن کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ ان محلات میں خلفا اس محنتی مزدور سے زیادہ میٹھی نیند سوتے ہیں۔ جو تمام دن محنت اور مشقت کرتا ہے اور رات کو اپنی جھونپڑی میں لمبی تان کر سوجاتا ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ جس طرح یہ سنگین عمارتیں مضبوط ہیں اسی طرح قصر سلطنت کی بنیاد بھی پختہ ہے عیاش امرا اور خود غرض وزرا کے محل جنہیں دجلہ کی تبسم آمیز اٹھکیلیوں نے خس و خاشاک کی طرح بہا دیئے مبارک ہیں وہ جو ان واقعات سے نتائج اخذ کرتے ہیں۔

شہزادے یاد رکھو۔ محلات کی رفعت سے عروج سلطنت کا اظہار نہیں ہوتا سنگ خارا اور مرمر کی عمارتوں سے بنیاد حکومت پر قیاس نہیں ہوسکتا۔ عیش و عشرت کا یہ ظاہری سامان اطمینان قلب کیلئے کافی نہیں ہے۔ ملک میں امن اور رعیت کی خوشحالی کے لئے ضرور ہے کہ ان اولوالعزم اور نیکدل بزرگوں کی تقلید کی جائے جن کا نام تاریخ اسلام اور صفحۂ روزگار پر یادگار زمانہ ہے۔ میری یہ نصیحت ہے کہ ہر کام کا آغاز کوشش و حزم و احتیاط سے کرو۔ اور انجام خدا پر چھوڑ دو۔ اور کبھی اپنے زور بازو پر ناز اور غرور نہ کرو۔ (مشاہیر اسلام مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر بی اے صفحہ ۲۱۳)

مسلمانوں کا طرز عمل جنگ سے پہلے اور جنگ کے بعد

اس بزرگ کی نصیحتیں بیکار نہ گئیں۔ الپ ارسلان نے بادشاہ ہو کر بڑے شان و شکوہ سے حکومت کی۔ شہنشاہ قسطنطنیہ یورپی امداد کے علاوہ ایک لاکھ سوار لیکر مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کے لئے نکلا! ادھر سے الپ ارسلان بھی ۴۰ ہزار سوار لیکر استقبال کو بڑھا بہت سے امیران جنگ الپ ارسلان کے ہاتھ آئے لیکن اس نے زر فدیہ لینے کی بجائے زاد راہ لیکر چھوڑ دیئے۔ شہنشاہ قسطنطنیہ کو شکست سے اور بھی طیش آیا۔ وہ پورے زور کے ساتھ پھر آگے بڑھا الپ ارسلان کو خبر ہوئی۔ اس نے بہت کوشش کی کہ لوگوں کا خون پانی کی طرح نہ بہے

اور کسی طرح یہ خونریز جنگ ٹل جائے۔
الپ ارسلان نے (بقول مشہور مورخ گبن) شہنشاہ کو صلح کا پیغام بھیجا لیکن اسے صلح میں کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ سختی و تشدد کا جواب ملا! الپ ارسلان کو جب کامل یقین ہو گیا کہ رومی شہنشاہ کی نخوت اور بیہودہ گوئی خدا جانے کس قدر بندگان خدا کا خون ناحق کرائے گی تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے وہ تخت سے نیچے اتر آیا۔ فرش خاک پر سر رکھکر اللہ عزوجل کے حضور خضوع اور خشوع کے ساتھ اپنی فروتنی و عاجزی کا اظہار کیا۔ اور اپنے طرز عمل سے ثابت کر دکھایا کہ مسلمان کبھی لڑائی کی ابتدا نہیں کرتا۔ اسی موقعہ پر الپ ارسلان نے اپنی فوج کے سامنے ایک تقریر کے دوران میں کہا مجھے یقین ہے۔ کہ تمہاری وفاداری اور جاں نثاری جس کا ثبوت تم کئی مرتبہ دیچکے ہو تمہیں مجھ سے جدا نہ ہونے دیگی۔ مگر میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ تم میں سے جو شخص لڑنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ وہ بے تکلف واپس جا سکتا ہے۔
شہنشاہ روم اپنی کثرت افواج کے نشہ میں مست تھا۔ لیکن الپ ارسلان کو صرف ذات الٰہی کا بھروسہ تھا قسمت نے عظیم الشان فتح کا سہرا الپ ارسلان کے سر باندھا۔ مغرور شہنشاہ بھی اسیران جنگ کے ساتھ دربار سلطانی میں پیش ہوا۔ جانتے ہو اس نیکدل بادشاہ نے اس مغرور و متکبر شہنشاہ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ کوئی مسلمان مورخ نہیں بلکہ گبن لکھتا ہے۔ جب شہنشاہ الپ ارسلان کے سامنے آیا۔ تو سلطان تخت سے اٹھا۔ چند قدم آگے بڑھا۔ نہایت تپاک کیساتھ اس سے ہاتھ ملایا اور عزت و احترام کے ساتھ اپنے برابر اسے جگہ دی ہفت روزہ جشن شاہانہ کے بعد سلطان نے شہنشاہ سے کہا شکست کے بعد تمہیں کس سلوک کی امید ہو سکتی ہے شہنشاہ نے بیساختہ کہا کہ اگر ظالم ہو تو قتل کرو۔ متکبر ہو تو مجھے قید میں ڈال دو۔ اور اگر دوراندیش اور فیاض ہو۔ تو فدیہ لیکر آزاد کر دو۔
سلطان نے کہا۔ اگر مجھے شکست ہوتی اور میں قید ہو جاتا۔ تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے شہنشاہ نے جواب دیا اگر تم قید ہوتے۔ تو میں تمہارے لئے سزائے تازیانہ تجویز کرتا۔
یہ جواب کس قسم کا تھا۔ انگریز مورخ گبن اسکے متعلق لکھتا ہے اگر یہ جواب دوراندیشی سے مقتضی نہ تھا تو احسان فراموشی میں ضرور شامل ہے۔ سلطان یہ گستاخانہ جواب سنکر ہنس پڑا اور کہا۔ عیسائیوں میں یہ دستور ہو تو ہو لیکن اسلام ہمیں ایسی تعلیم کی اجازت نہیں دیتا الحمد اللہ کہ میں تمہاری قید میں نہیں ہوں۔ میں آپکے ساتھ وہی سلوک کرونگا جس کی مجھے اسلام نے اجازت دی ہے۔

چنانچہ سلطان نے دس لاکھ بطور فدیہ ساٹھ ہزار سرخ سالانہ خراج اور کل مسلمان اسیران جنگ کی رہائی پر شہنشاہ سے صلح کر لی (مشاہیر اسلام مصنفہ عباد اللہ اختر صفحہ ۲۱۹)

معتوب وزیر کا پیغام بادشاہ اور جدید وزیر کے نام

عمید الملک[1] سلطان الپ ارسلان[2] کا وزیر تھا۔ بادشاہ نے کسی وجہ سے ناراض ہو کر اس کی خاندانی اور ذاتی اغراض پر پانی پھیر دیا اور اس کو قید کر دیا۔ ایک سال کے بعد اس کے قتل کا خیال آیا۔ دو غلام اس کا کام تمام کرنے کے لئے بھیجے جب جلاد تلوار لیکر سر پر کھڑا ہوا۔ تو عمید الملک نے کہا۔ مجھ عاجز کی طرف سے الپ ارسلان کو کہدینا۔ تمہارے چچا سلطان طغرل بیگ (سلجوقی) نے مجکو قلمدان وزارت عطا کیا تھا۔ اور تو شہادت کی عزت دیتا ہے جس کا مجھے آخرت میں صلہ ملیگا اور وزیر نافذ فرمان سے (نظام الملک طوسی[3] کی طرف اشارہ ہے) کہنا تو نے بہت برا کیا۔ وزیر کشی کی بدعت تیری طرف سے ہوتی ہے۔ سلطان کو تو نے یہ رسم سکھائی ہے۔ اور وہ زمانہ قریب ہے کہ خود تو اور تیری اولاد اس آفت میں مبتلا ہوگی۔ خدا کی قدرت کہ نظام الملک طوسی کا بھی جسپر عمید الملک کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اور جو عمید الملک کے بعد الپ ارسلان کا وزیر ہو گیا تھا۔ یہی حشر ہوا (نظام الملک طوسی پہلا حصہ صفحہ ۵۵ حاشیہ)

شیخ العصر کی آزادی اور وزیر اعظم کی انصاف پسندی

خواجہ نظام الملک طوسی نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ ایک ایسا محضر تیار کروں جسپر تمام رعایا اور امرا اور علما کے دستخط ہوں۔ اور اگر وہ تصدیق کر دیں کہ میں نے کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی ہے۔ تو قیامت کے دن یہ محضر میرے حق میں رہائی کا پروانہ ہوگا۔ ایران جیسی عظیم الشان سلطنت کا وزیر اعظم علما فقہا امرا اور عوام سب نے دستخط کرنے شروع کر دیئے۔ شعرا نے قصائد لکھے۔ غرض جو جس کے قابل تھا اس نے نظام الملک کی تعریف میں کوئی کمی نہ کی۔ لوگوں نے فرعون و شداد اور یزید و نمرود جیسے ظالم بادشاہوں کے خوشامدانہ قصائد ان کو خوش کرنے کیلئے لکھے تھے۔ اور یہاں

---

[1] اصل نام ابو نصر محمد بن منصور بن محمد ملقب بہ عمید الملک کندری۔ سلطان طغرل بیگ کے دربار کا نامور رکن تھا۔ اپنے ذاتی فضل و کمال کی وجہ سے وزارت کے درجہ تک پہونچا۔ آخر عمر میں سلطان الپ ارسلان نے بھی اس کو وزیر بنا لیا۔ مگر بقول بعض مورخین نظام الملک طوسی کے شوق وزارت نے اس کو قتل کرا دیا یہ واقعہ ۱۶ ذی الحجہ ۴۵۶ھ کا ہے۔

[2] سلطان الپ ارسلان اپنے باپ چغری بیگ داؤد سلجوقی کے بعد نیشاپور میں ۴۵۱ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اصل نام ابو شجاع محمد تھا الپ ارسلان (دلاور شیر) لقب تھا۔ سلاطین سلجوق میں نامی بادشاہ گذرا ہے۔ ایک زخم کے صدمہ سے ۱۰ ربیع الاول ۴۶۵ھ مطابق ۲۴ نومبر ۱۰۷۲ء کو بعمر ۴۴ سال انتقال کر گیا۔ مرو کے شاہی قبرستان میں دفن ہے۔ اس کی سلطنت اس قدر وسیع تھی کہ بارہ سو حکمران اس کے ماتحت تھے غزنی اور بغداد کی حکومتیں بھی اس کے مقابلہ میں بہت کمزور تھیں۔

[3] اصل نام حسن نظام الملک تھا ۴۰۸ھ ۱۰۱۷ء میں بمقام نوقان (طوس ایران) اپنے وطن میں پیدا ہوا۔ عمر خیام اور حسن بن صباح اس کے ہم مکتب تھے اس نے ۲۹ سال تک سلاطین سلاجقہ کی وزارت کی ہے خود سلطان ملک شاہ اس سے خم کھاتا تھا ۴۸۵ھ میں بعمر ۷۷ سال نظام الملک ایک باطنی کے ہاتھ سے قتل ہو گیا مصنف شاعر اور عالم اور نامور مدبر گذرا ہے۔

تو نظام الملک طوسی جو خود بھی فیاض، سخی، منتظم و مدبر تھا اس لئے محضر بہت جلد تیار ہو گیا اور آخر میں حسب شیخ ابو اسحٰق فیروز آبادی[1] کے سامنے یہ محضر نامہ پیش ہوا اور کہا گیا کہ آپ بھی اس پر دستخط کریں تو آپ نے یہ مختصر جملہ "خیر الظلمۃ حسن" لکھ کر دستخط کر دیئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اور سب ظالموں میں حسن (جو نظام الملک کا اصل نام ہے) اچھا ہے۔ جب نظام الملک نے یہ فقرہ دیکھا تو اس کو نہایت رقت ہوئی اور کہنے لگا۔ کہ ابو اسحٰق کے سوا کسی نے سچ نہیں لکھا۔ واقعی ہمارے علماء مشائخ پر ایک وہ زمانہ بھی گذرا ہے کہ بادشاہوں اور وزیروں سے ملتے تو ان کو ایسی نصیحتیں کرتے۔ جو حکمرانی کے مفید ہوتیں۔ ان میں جو عیوب دیکھتے تھے۔ برملا کہہ دیتے تھے اور حق کے اظہار سے مال و جان تک کا خوف نہ کرتے تھے ؎

چھاؤں میں ہم جا کے تلواروں کی کہہ آتے تھے حق
غالب آتا تھا نہ ہم پر خوف سلطان و وزیر

شیخ ابو اسحٰق جس طرح حق کہنے میں کسی کا خوف نہ کرتے تھے اسی طرح حق سننے کے لئے بھی تیار رہتے تھے۔ ایکبار کا ذکر ہے کہ آپ کی خدمت میں ایک استفتا پیش ہوا معلوم نہیں اس وقت آپ کس خیال میں تھے۔ کچھ کا کچھ لکھ گئے۔ امام ابو نصر بن صباغ نے جو ان کے ہمعصر تھے۔ اس فتوی کو دیکھ کر صاحب استفتا سے کہا۔ "یہ غلط ہے ابو اسحٰق کے پاس نظر ثانی کے لئے لیجاؤ"۔ چنانچہ آپ نے دیکھا تو حقیقت میں غلطی تھی۔ اپنے قلم سے فتوی صحیح کیا اور اس پر اس قدر عبارت اور لکھ دی کہ ابن صباغ کی تحریر صحیح ہے اور ابو اسحٰق غلطی پر ہے ابو اسحٰق جیسے روشن خیال عالم کا یہ واقعہ زمانہ حال کے علما کیلئے ایک سبق ہے۔ جن میں اکثر مدعیان علم کا یہ حال ہے کہ ایک جھوٹ کے سچ ثابت کرنے کے لئے سو جھوٹ بولیں گے۔ مگر اپنی غلطی کا اقرار کرکے اپنی انصاف پسندی اور آزاد خیالی اور صحیح طبیعت کا ثبوت نہ دیں گے۔

امام الحرمین کی جرات ایمانی اور بادشاہ کی بردباری

ایک دفعہ سلطان ملک شاہ[2] سلجوقی نے رمضان المبارک کی ۲۹ ویں تاریخ کو عید الفطر کے سبب سے اپنا ملکی دورہ ملتوی کر دیا اور دار السلطنت نیشاپور میں

[1] آپ کا وطن فیروز آباد ہے۔ لیکن تاریخ میں آپ شیخ ابو اسحٰق شیرازی کے نام سے مشہور ہیں ۳۹۳ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی ۲۱۔ جمادی الاول ۴۷۶ھ کو بغداد میں فوت ہوئے نماز جنازہ میں خلیفہ مقتدی بامر اللہ بذات خاص شریک تھا۔ فقہ اور اصول کے امام اور صحت روایت میں محدثین کے پیشوا تھے۔ صوفیوں کو ان کے نام سے فخر ہے صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ ان کے شاگرد بھی بڑے بڑے قابل ہوئے ہیں (نظام الملک طوسی حصہ اول صفحہ ۱۲۷)

[2] سلطان الپ ارسلان کا بیٹا تھا۔ ۱۰ ربیع الاول ۴۶۵ھ ۱۰۷۲ء کو تخت پر بیٹھا۔ نیشاپور تو دار الخلافہ ہی تھا بغداد حرمین الشریفین اور بیت المقدس میں بھی اس کا خطبہ پڑھا گیا۔ ۱۵ شوال ۴۸۵ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۰۹۲ء کو بعمر ۳۷ سال انتقال کر گیا۔ دولت سلجوقیہ کے عروج و اقبال اور عظمت و جلال کا اس کے ساتھ ہی خاتمہ ہو گیا۔ خلفائے بغداد کا عزل و نصب سب اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے بعد دولت سلجوقیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

قیام فرمایا اور شام کے وقت معہ ارکان دولت چاند دیکھنے میں مصروف ہوا۔ خوشامدی مصاحب موجود تھے۔ انہوں نے شور مچادیا۔ کہ حضور چاند نکل آیا ہے۔ سلطان نے گو خود نہیں دیکھا اور نہ کسی اور نے دیکھا لیکن بادشاہ کی مرضی اور اس کا خیال معلوم کرکے سب نے اس کو رویت ہلال کا یقین دلادیا اور حکم ہوگیا۔ کہ کل عید ہے۔ امام الحرمین ابوالمعالی کو کہ مفتی اور قاضی القضاۃ تھے مخبر ہوئی انہوں نے دوسری منادی کا بایں الفاظ حکم دیدیا۔ ابوالمعالی کہتا ہے کل تک ماہ رمضان ہے جو میرے فتوے پر عمل کرنا چاہتا ہے لیے لازم ہے کہ وہ کل بھی روزہ رکھے۔ مفتی شرع کی اس منادی کو مفتریوں نے بُرے الفاظ میں بادشاہ تک پہنچایا بلکہ یہاں تک کہا کہ ابوالمعالی کے خیالات سلطنت کی طرف سے اچھے نہیں ہیں اور عوام ان کے معتقد ہیں۔ اگر بندگان عالی کے حکم کے مطابق کل عید نہ ہوئی۔ تو بڑی توہین اور ذلت ہوگی۔ بادشاہ طبیعت کا بُرا نہیں تھا اس لئے باوجود امام الحرمین کی منادی ناگوار گذرنے کے اس نے حکم دیا کہ ان کو عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس لاؤ۔ فتنہ پردازوں نے پھر کہا کہ جو شخص بادشاہی حکم کی عزت نہ کرے وہ قابل احترام نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا جب تک وہ بُد دبات نہو۔ ایسے رفیع القدر کی بے حرمتی کی جرأت نہ ہونی چاہیئے۔

امام صاحب کو جب پیغام شاہی پہنچا تو اس خیال سے کہ درباری لباس پہننے سے دیر نہ ہوجائے اور فتنہ پرداز خدا جانے بادشاہ سے میری تاخیر کس پیرایہ میں بیان کریں۔ جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اسی طرح اُٹھ کھڑے ہوئے۔ حاجب نے محل سرائے کے دروازے پر روکا کہ درباری لباس کے بغیر اندر جانا منع ہے اور اِدھر بادشاہ کو اطلاع کی کہ پہلی عدول حکمی کے علاوہ امام صاحب نے دوسری گستاخی یہ کی ہے کہ معمولی لباس پہنکر آگئے ہیں۔ بادشاہ کی طبیعت کچھ اور مکدر ہوگئی۔ مگر اندر آنے کا حکم دیا اور پوچھا اس ہیئت گدائی سے آپ کیوں تشریف لائے ہیں اور درباری لباس کیوں نہیں پہنا۔ امام نے کہا اے سلطان! میں اس وقت جس لباس میں ہوں۔ اسی سے نماز پڑھتا ہوں اور وہ شرعاً جائز ہوتی ہے۔ پس جبکہ خدا کے سامنے میں اس طرح جاتا ہوں

لہ خواجہ نظام الملک طوسی کی صوفیانہ مجلس کے رکن تھے۔ نام عبدالملک لقب ضیاءالدین کنیت ابوالمعالی اور خطاب امام الحرمین تھا جزیدہ میں جو نظام اور نیشاپور کے درمیان ہے پیدا ہوئے۔ تاریخ پیدائش ۸ المحرم ۴۱۹ھ ۱۰۲۸ء ہے۔ بکراد ہمدینہ میں حلقہ درس قائم کیا فتوے لکھے اور وہیں سے امام الحرمین کا خطاب حاصل کیا۔ نظام الملک نے ان کی خاطر نیشاپور میں نظامیہ مدرسہ قائم کیا جس کے آپ مدرس اعظم مقرر ہوئے سرکاری حیثیت سے تمام مذہبی صیغوں (اقامت خطابت اوقاف فتاوی) کے آپ افسر تھے بڑے پایہ کے مصنف اور صوفی تھے ۲۵ ربیع الآخر ۴۷۸ھ ۱۰۸۵ء کو نیشاپور میں انتقال کیا۔

تو آپ کے سامنے آنے میں کیا قباحت ہے البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ گستاخی نہیں بلکہ یہ ہے کہ ذرا سی دیر کی غفلت میں فرشتے میرا نام نافرمانوں کی فہرست میں نہ لکھ لیں۔ اور مجھ سے بادشاہ اسلام کے حکم کی مخالفت سرزد نہ ہو جائے اس لئے جلدی میں جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح چلا آیا۔ سلطان نے کہا بادشاہ اسلام کی اطاعت جب اس قدر واجب ہے تو پھر ہمارے حکم کے خلاف منادی کرنے کے کیا معنی ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا جو امور حکم سلطانی پر موقوف ہیں ان کی اطاعت ہم پر فرض ہے اور جو حکم فتوی کے متعلق ہے۔ وہ بادشاہ ہو یا کوئی اور اسے مجھ سے پوچھنا چاہیئے۔ کیونکہ بحکم شریعت علماء کا فتوی حکم شاہی کے برابر ہے جب سلطان نے امام صاحب کی یہ تقریر سنی تو اس کا غصہ جاتا رہا۔ انکی جرات وصداقت سے بہت خوش ہوا اور اعلان کر دیا۔ کہ میرا حکم درحقیقت غلط تھا۔ اور امام الحرمین کا حکم صحیح ہے ہمارے زمانہ کے علماء اور سلمان حکمرانوں کیلئے امام الحرمین کی یہ آزادی وحریت اور سلطان ملک شاہ کی یہ بردباری وانصاف پسندی ایک قیمتی نصیحت وہدایت صحیح ہے[1]

ایک حق گو عالم کے روبرو ایک وزیر اعظم کا مودب کھڑا ہونا صوفی ابو علی فارمذی عہد سلجوقیہ میں ایک بڑے نامور صاحب علم گذرے ہیں علوم معرفت میں امام غزالی ان کے شاگرد اور مرید تھے[2] جب شیخ ابو علی خواجہ نظام الملک طوسی کے دربار میں جاتے تھے تو خواجہ اپنی جگہ سے اٹھکر شیخ صاحب کا استقبال کرتا۔ پھر اپنی مسند پر بٹھاکر خود الگ ہو جاتا اور شیخ کے سامنے بیٹھکر ادب سے گفتگو کرتا۔ خواجہ سے کسی نے پوچھا۔ آپ دوسرے علماء اور صوفیا کی ایسی عزت وتعظیم کیوں نہیں کرتے۔ اس تخصیص کے کیا معنی ہیں؟ نظام الملک نے کہا۔ اور حضرات جب مجھ سے ملنے آتے ہیں۔ تو میں نے اکثر دیکھا ہے کہ وہ میری تعریف کرتے ہیں کہ آپ ایسے ہیں اور ایسے ہیں۔ بلکہ ان صفات سے یاد کرتے ہیں۔ جو مجھ میں نہیں ہیں ایسی مدح سرائی سے ظاہر ہے کہ نفس مغرور ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے شیخ ابو علی مجھے میرے عیوب سے آگاہ اور آزادی اور بے لوثی سے گفتگو کرتے ہیں اور میں ان کی ہدایت سے مستفیض ہوتا ہوں[3]

وزیر اعظم پر ایک بیغرض واعظ کے وعظ کا اثر ایک دفعہ نظام الملک سلطان ملک شاہ کے ساتھ بغداد میں گیا مقدس مقامات کے زوار اور ارباب حاجت نے گھیر لیا۔ کوئی اسکی فیاضی

---

[1] نظام الملک طوسی حصہ اول صفحہ ۱۲۳ [2] شیخ ابو القاسم گرگانی طوسی کے مرید اور امام ابی القاسم قشیری صاحب تفسیر کے شاگرد ہے۔ بمقام طوس ۴۷۷ھ میں وفات پائی (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ) [3] نظام الملک طوسی حصہ اول [4] یہ واقعہ ذی الحجہ ۴۷۹ھ کا ہے (نظام الملک طوسی حصہ اول صفحہ ۱۴۱)

سے محروم نہ رہا جب فرد حساب ملاحظہ کی۔ تو معلوم ہوا بمد عطیات دولاکھ روپے (۴۰ ہزار دینار) صرف ہوگئے ہیں حکم دیا۔ فی الحال وظائف ملتوی کئے جائیں اور کوئی سائل میرے پاس نہ آئے اس زمانہ میں بغداد میں ایک واعظ شیخ ابوسعد کے نام سے تہے۔ وہ نظام الملک کے پاس پہنچے۔ اور کچھہ بولنے کی اجازت چاہی اور جواب اثبات میں ملتے ہی آپ نے فرمایا۔ وہ شخص جس کو باریتعالی نے اپنے بندوں پر حکمران بنایا ہے۔ اگر وہ حوادث کا انسداد اور مساکین کی امداد نہ کرے اپنے وقت اور روپیہ کو ٹہیک استعمال نہ کرے۔ تو وہ نہ تو اعتکاف و تلاوت کا لطف حاصل کرسکتا ہے اور نہ کسی اور بات کا۔ آپ کو ملک شاہ نے ایک خاص اجرت پر لیلیا ہے یعنی آپنے اپنا وقت سلطان کے پاس بیچ دیا ہے اس بات کیلئے کہ دنیا میں شہروں اور رعایا کا انتظام اور آخرت میں سلطان کی جانب سے قیامت کے دن آپ جوابدہی کرے۔ روز حساب کتاب کے دن ملک شاہ کو خدا کے سامنے کہڑا ہونا پڑیگا۔ اور سوال کیا جائیگا کہ ملک شاہ میں نے تجکو ایک عظیم الشان سلطنت کی حکومت بخشی تہی اور اپنے بندوں کی مہمات کو تیرے سپرد کردیا تہا۔ تو نے ان کیلئے کیسا برتاؤ کیا۔ ملک شاہ جواب دیگا میں نے تیرے بندوں کا انتظام ایک فرزانہ و مدبر وزیر کے سپرد کردیا تہا اب اس کو حضور میں پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ ہر قسم کی جوابدہی کا وہی ذمہ دار ہے۔ اے فخر اسلام وزیر اس دن کو یاد کر جب لوگ آفتاب محشر کی حرارت سے عرق عرق ہوں گے اور تو اپنے عدل و انصاف کی طفیل سایہ میں کہڑا ہوگا اور تیری بلند ہمتی اور سیر چشمی ابر رحمت کی طرح تیرے سر پر چہائی ہوگی۔

اے نیکدل وزیر آسمان کے بادل ساری زمین پر مینہ برساتے ہیں۔ تو زمین کا بادل ہے۔ کیا تیری مروت گوارا کریگی۔ کہ دارالسلام بغداد تیری فیاضیوں کی بارش سے محروم رہجائے۔ اور جو مستحقین اور حقیقی امیدوار ہیں وہ منہ دیکہتے رہجائیں چند روزہ زندگی کو غنیمت سمجہکر حیات ابدی کے حصول میں ہی کوشش کرنی چاہیئے میں نے جو کچہہ کہا ہے وہ ایک امانت تہی جو میں نے ادا کردی ہے۔ اب اس پر عمل کرنا آپ کا کام ہے۔

خواجہ نظام الملک واعظ کی اس تقریر سے بہت خوش ہوا۔ اور ایک ہزار دینار بطور نذر پیش کیا شیخ ابوسعد نے یہ کہکر رقم واپس کردی۔ کہ میں بفضل خدا صاحب اراضی و باغات ہوں مجہے ضرورت نہیں ہے میں نے آپ کی نیکنامی اور قیام دولت کیلئے بعض مستحقین کی طرف سے جو واجب تہا وہ عرض کیا ہے نظام الملک نے اپنا پہلا حکم منسوخ کرکے ابوسعد کی نصیحت کے مطابق عمل کیا۔

دانا وزیر کا مشورہ معاملہ فہم بادشاہ کو

سلطان الپ ارسلان کے عزیز رشتہ داروں کے انعامات و مصارف کی وجہ سے خزانہ پر بہت بوجہہ تہا امرائے دربار کے مشورہ سے سلطان نے چاہا کہ شہزادوں کو کسی نہ

کسی ضلع کی حکومت پر بھیج دیا جائے ان کو بھی فارغ البالی ہوگی اور سالانہ خراج بھی خزانہ شاہی میں داخل ہوتا رہیگا - اور مصارف بھی کم ہوجائیں گے - جب بادشاہ نے اپنے وزیر نظام الملک طوسی سے مشورہ کیا - تو اسے اس کے ماننے میں تامل ہوا - کیونکہ وہ جانتا تھا - کہ سلطان کے رشتہ دار بڑے شہزادے ہی ہیں - نہ اصول حکومت سے واقف ہیں اور نہ ان کے اخلاق ہی عمدہ ہیں - اگر وہ صاحب حکومت کر دیئے گئے - تو ملک تباہ اور رعایا برباد ہو جائے گی - مگر سلطان اپنے ارادہ پر چونکہ مستحکم نظر آتا تھا - اس لئے وزیر آزادی سے جواب بھی نہ دے سکتا تھا اور رعایا کی خیر خواہی بھی مدنظر رکھتا تھا - جب نظام الملک نے کوئی جواب نہ دیا - تو سلطان نے کہا - تمہاری کیا رائے ہے - تم نے کچھ جواب نہ دیا - نظام الملک نے کہا - اسی قسم کا ایک واقعہ خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ کا یاد آگیا ہے - وہ عرض کرتا ہوں - شاید اس سے کچھ مطلب حل ہو سکے -

خلیفہ منصور کے زمانہ میں اس کی تمام مملکت میں آل عباس حکمران تھے ان کے ظلم و ستم اور جبر و تشدد کی ہمیشہ شکائتیں ہوتی تھیں مگر خلیفہ ہم رشتہ ہونے کی وجہ سے تدارک بہت کم کرتا تھا - شیخ عمرو بن عبید بغداد کے مشہور مشائخ میں تھے خلیفہ ان کا مرید بھی تھا - وہ اکثر اشارۃً کنایۃً خلیفہ کو سمجھاتے رہتے تھے - مگر وہ توجہ نہ کرتا تھا - شیخ براہ بیت المقدس حجاز چلے گئے - خلیفہ نے بہت آدمی بھیجے مگر وہ واپس نہ آئے آخر خلیفہ نے اپنے ایک معتمد کو روانہ کیا - کہ دریافت کرو کہ بغداد سے جو خاص ان کا وطن ہے اس قدر بیزاری کی کیا وجہ ہے - معتمد نے جب عرض کیا - تو فرمایا - رقت طبع اور ضعف قلب میں مبتلا ہوں - اور وہاں ہمیشہ فریادی آیا کرتے تھے - اب مجھ میں اسقدر قوت نہیں ہے کہ بالتصریح منصور سے اس کی شکایت کروں اور عمال کے ظلم سے مظلوموں کو بچاؤں - خلیفہ کو کئی مرتبہ کہا ہے - وہ التفات نہیں کرتا - جو شخص دفع ظلم پر قادر ہو کر تدارک نہ کرے وہ قیامت کے دن جوابدہ ہوگا اور اپنی غفلت و چشم پوشی کی سزا پائے گا اور عالم آخرت میں سب سے بڑی حسرت کی یہ بات ہوگی - کہ اوروں کے منصور کے بدلے خود سزا بھگتنی پڑے گی - خلیفہ کو جب معتمد نے حضرت شیخ کی ناراضگی کا واقعہ بتایا - تو اس نے بڑے ادب سے معافی مانگی اور قول و قسم کے بعد کہلا بھیجا کہ ہمیشہ شیخ کے منشا کے موافق عمل کروں گا اور اب ایسی غفلت نہ ہوگی -

جب سلطان الپ ارسلان نے یہ واقعہ سُنا - تو نظام الملک کا اصل مطلب سمجھ گیا - اور کہا عمرو بن عبید خدا کا نیک بندہ تھا - مجھے اس کا قول نہایت پسند ہے - اس کے بعد سلطان نے

اپنے ارادہ کو ترک کر دیا (نظام الملک طوسی حصہ دوم صفحہ ۲۸۱)

مطلب اس واقعہ اور تذکرہ سے یہ ہے کہ بعض امراء وزراء بادشاہوں کا مزاج دیکھکران کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں جس کے نتائج بعد میں نہایت خوفناک اور تباہ کن ہوتے ہیں لیکن اگر ادب و متانت اور خلوص و سنجیدگی کے ساتھ کسی کام کا نفع نقصان اچھی طرح سمجھا دیا جائے۔ تو اس کا نتیجہ ضرور مطلب کے موافق نکلتا ہے۔

ایک متوکل عالم نے پانچہزار روپیہ کا عطیہ واپس کر دیا۔

ابوالفتح عبدالرحمن خازنی ابوالعلی خازن رئیس مرو (ایران) کا غلام تہا۔ عالم و فاضل خصوصاً علوم ہندسہ میں کامل مہارت رکھتا تہا۔ سلطان سنجر[1] سلجوقی اس پربہت ہی مہربان تھا۔ عبدالرحمن نے آخر عمر میں جب گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ تو سلطان نے ایک مرتبہ اس کے پاس پانچہزار روپے کے دینار بھیجے۔ اس نے سب واپس کر دیئے۔ اور کہلا بھیجا۔ میرا سالانہ خرچ صرف پندرہ روپے ہے صبح کو دو روٹیوں اور ہفتہ میں تین مرتبہ گوشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس وقت میرے پاس پچاس روپے موجود ہیں۔ اگر یہ سب خرچ ہو جائیں اور میں زندہ رہوں تو پہر خدا دینے والا ہے۔ آج کون ہے جو اس قناعت و بیغرضی کا نمونہ پیش کر سکے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا جاگیر لینے سے انکار

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی کے مشہور نام سے کون مسلمان ہے جو نا واقف ہے عارف کامل اور بلند پایہ خطیب تھے۔ فارسی اور عربی میں علامۂ دہر۔ فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین آپ کی مشہور کتابیں ہیں آپ کی بزرگی کا یہ عالم ہے کہ جب ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۱ء میں آپ کی زیارت پاک (بغداد شریف) کے سجادہ نشین حضرت شاہ ابراہیم ہندوستان میں تشریف لائے تھے۔ تو علاوہ جمہور مسلمانوں کے گورنمنٹ اور والیان ریاست تک نے آپ کی مہمان نوازی کی تھی۔ چنانچہ لاہور میں منجانب گورنمنٹ فریدکوٹ ہوس میں قیام ہوا تہا۔ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی وہ بزرگ ہیں جن کے نام پر غوثیہ سلسلہ غوثیہ وظائف اور غوثیہ مدارس جاری ہیں۔ اور جن کی گیارہویں ملک کے ہر حصہ میں دہوم دہام سے منائی جاتی ہے۔ وفات آپ کی ۵۶۱ھ میں ہوئی تہی۔ آپ کے تقدس اور آپ کے اخراجات کی وجہ سے سلطان سنجر نے جب صوبہ نیمروز آپ کے لئے وقف کرنا چاہا۔ تو آپنے یہ قطعہ لکھکر سلطان کو بہیج دیا ؎

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد　　　　با فقر گر بود ہوس ملک سنجرم
تا دانستم خبر دہد از ملک نیم شب　　　　صد ملک نیمروز بہ یک جو نمی خرم

[1] سنجر سلطان ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا تہا۔ لیکن باپ اور دادا سے کی طرح وسیع الحکومت نہیں ہوا ۵۲ھ نظام الملک طوسی حصہ دوم صفحہ ۶۲۰۔

اللہ اللہ کیا قناعت ہے۔ کیا صبر ہے اور کیا توکل ہے۔ صوفیائے عہد حاضرہ اس واقعہ سے سبق لیں۔

وزیر اعظم کی آزادانہ نصیحت بادشاہ کو

ایک[1] مرتبہ سلطان ملک شاہ سلجوقی نے ارادہ کیا۔ کہ جس قدر فوج فالتو ہے۔ اس کو الگ کر دیا جائے۔ کہ خزانہ پر بوجھ نہ رہے۔ نظام الملک طوسی نے جو اس کے باپ کے زمانہ سے سلطنت کا دستور معظم چلا آتا تھا عرض کیا۔ "یہ لوگ سپاہی ہیں۔ کاتب۔ تاجر اور خیاط نہیں ہیں۔ جو اپنی معاش کو قائم رکھ سکیں۔ بجز سپہ گری ان کا دوسرا پیشہ نہیں ہے۔ آخر یہ لوگ کہاں جائیں گے۔ ضرور ہے کہ کسی دوسری سلطنت میں رجوع کریں گے۔ یا کسی کو سردار بنا کر ملک میں غارتگری کریں گے۔ اور ان کی ذات سے اس قدر شورش ہوگی۔ کہ بزرگوں کے جمع کئے ہوئے خزانے خالی ہو جائیں گے اور امن عامہ میں خلل انداز ہوں گے۔ لہذا ان کا موقوف کرنا عقل وحکمت کے خلاف ہے۔" لیکن ملک شاہ نے نظام الملک کی اس نصیحت پر جو بغیر کسی غرض کے آزادانہ اور مخلصانہ طور پر کی گئی تھی۔ عمل نہ کیا اور فوجی رجسٹر سے سات ہزار جوانوں کا نام کاٹ دیا۔ یہ سب لوگ سلطان ملک شاہ کے بھائی تکش سے جا ملے۔ سلطان اس وقت رے میں تھا۔ باغیوں نے پوشنج۔ مرو۔ ترمذ وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور دار الخلافہ نیشاپور کے فتح کی تیاریاں کرنے لگے۔ نظام الملک اور ملک شاہ نے گو دار الخلافہ کو بچا لیا اور آخیر میں صلح بھی ہو گئی۔ مگر نتیجہ وہی ہوا جس کا اندیشہ نظام الملک نے ظاہر کیا تھا۔[2]

ایک غریب بیوہ عورت کی جرأت بادشاہ کے حضور میں

سلطان ملک شاہ ایک مرتبہ اصفہان کے جنگل میں شکار کھیل رہا تھا کسی گاؤں میں قیام ہوا۔ وہاں ایک غریب بیوہ کی گائے تھی جس کے دودھ سے تین بچوں کی پرورش ہوتی تھی۔ بادشاہی آدمیوں نے اس گائے کو ذبح کر کے خوب کباب بنائے۔ غریب بڑھیا کو خبر ہوئی۔ وہ بدحواس ہو گئی۔ بادشاہی آدمیوں کا مقابلہ! کوئی داد فریاد سننے کو تیار نہ تھا۔ اس پر لاوارث اور ایک غریب عورت۔ ساری رات اس نے پریشانی میں کاٹی۔ صبح ہوئی۔ دل میں خیال آیا۔ کہ کوئی نہیں سنتا تو نہ سہی کیا بادشاہ بھی نہ سنے گا۔ جس کو خدا نے غریبوں کو ظالموں سے نجات دینے کیلئے اتنی بڑی سلطنت دی ہے۔ بادشاہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہی معلوم ہوا۔ بادشاہ فلاں رستے سے شکار کو نکلیگا۔ چنانچہ زندرود (اصفہان کی مشہور نہر) کے پل پر جاکر کھڑی ہو گئی۔ جب سلطان اس پل پر آیا۔ تو بڑھیا نے ہمت اور جرأت سے کام لیکر کہا: "اے الپ ارسلان کے بیٹے میرا انصاف نہر کے پل پر کریگا۔ یا پل صراط پر۔ جو جگہ پسند ہو انتخاب کرے" بادشاہ کے ہمراہی یہ بےباکی دیکھکر حیرت زدہ رہ گئے۔ بادشاہ گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ اس عجیب و غریب وحیرت انگیز سوال کا اسپر

[1] یہ واقعہ [illegible] کا ہے اور مقام رے کا ہے جو ایران کا ایک مشہور شہر ہے [2] نظام الملک طوسی حصہ دوم صفحہ ۶۲۰

خاص اثر ہوا۔ بڑھیا سے کہا پل صراط کی طاقت نہیں ہے میں اسی جگہ فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہو۔ کیا کہتی ہے۔ بڑھیا نے اپنا سارا قصہ بیان کیا۔ بادشاہ نے لشکریوں کی اس نالائق حرکت پر۔ - - - - - - - - - - - - - - - - - - افسوس ظاہر کیا اور ایک گائے کے عوض میں اس کو ستر گائیں دلائیں اور مالامال کر دیا اور جب اس نے کہا تمہارے عدل و انصاف سے میں خوش اور میرا خدا اور رسول خوش ہے۔ تو گھوڑے پر سوار ہوا (نظام الملک طوسی حصہ دوم صفحہ ۶۸۶)

آہ! کیا زمانہ تھا۔ کہنے والے کیسے آزاد خیال تھے اور سننے والے کیسے عالی حوصلہ! اگر موجودہ تہذیب و شائستگی کے زمانہ میں کوئی شخص اس طرح بادشاہ کی سواری روک لے اور ایسی آزادانہ اس سے گفتگو کرے۔ تو پاگل خانہ بھجوا دیا جائے۔

امام غزالی کا طرز عمل بادشاہی درباروں اور بادشاہی عطیہ جات کے متعلق

حجۃ الاسلام امام غزالی[1] (اصل نام محمد بن محمد) علم کلام علم تصوف اور علم فلسفہ کے حقیقی امام تھے۔ انہوں نے ۴۹۹ھ میں مقام خلیل میں حضرت ابراہیم کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر تین باتوں کا عہد کیا۔ اکسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤں گا۔ دوم کسی بادشاہ کا عطیہ نہ لوں گا۔ سوم کسی سے مناظرہ و مباحثہ نہ کروں گا۔ امام صاحب کی بعض تصانیف کی وجہ سے اکثر لوگ ان کے مخالف تھے۔ سلطان[2] سنجر بن ملک شاہ سلجوقی اس زمانہ میں خراسان کا بادشاہ تھا۔ وہ خود صاحب علم نہ تھا۔ اس لئے بدگوؤں نے اس کو دبا لیا اور جبہ و دستار والوں نے جو کچھ کہا اس پر اس کو یقین آ گیا۔ امام کو بلوا بھیجا۔ انہوں نے ایک خط بادشاہ کو لکھا۔ میں نے عہد کیا ہے کہ کسی بادشاہ کے پاس نہ جاؤں گا۔ دس سال سے اس پر عمل کر رہا ہوں۔ سلطان شہید (ملک شاہ) نے ہمیشہ اس دعاگو کو معذور رکھا ہے۔ اب میں نے سنا ہے کہ مجلس عالی نے میری حاضری کا حکم دیا ہے۔ میں شاہی فرمان کے لحاظ سے مشہد رضا تک آیا ہوں لیکن بادشاہ نے نہ مانا۔ مجبوراً آئے۔ وزیر اعظم نے استقبال کیا سنجر نے معانقہ کے بعد تخت کے قریب جگہ دی۔ گفتگو کے خاتمہ کے بعد امام نے بادشاہ سے کہا۔ طوس کے لوگ پہلے ہی بدانتظامی اور ظلم کی وجہ سے تباہ تھے۔ اب سردی اور قحط کی وجہ سے بالکل برباد ہو گئے۔ ان پر رحم کر خدا تجھ پر بھی رحم کریگا۔ لوگوں کی گردنیں مصیبت سے ٹوٹی جاتی ہیں۔ اور تیرے گھوڑوں کی گردنیں

[1] نظام الملک طوسی حصہ دوم ص ۶۸۶ [2] ۴۵۰ھ میں طاہران واقعہ خراسان میں پیدا ہوئے۔ امام الحرمین (اصل نام عبدالملک) سے نیشاپور میں تحصیل علوم کی تکمیل کی ۱۴ جمادی الثانی ۵۰۵ھ میں وفات پائی [2] ملک شاہ سلجوقی بن الپ ارسلان کے تین بیٹے تھے۔ برکیارق۔ محمد سنجر۔ سنجر سب سے چھوٹا تھا۔ برکیارق نے ۴۹۸ھ میں وفات پائی۔ محمد مستقل بادشاہ ہوا۔ اور سنجر اس کا ولی عہد۔ محمد جب تک زندہ رہا۔ سنجر نے بالاستقلال حکومت کا دعوے نہیں کیا۔

طوق ہائے زرین کے بارے (الغزالی صفحہ ۲۶)

صدر الدین محمد بن فخر الملک بن نظام الملک سنجر کا وزیر تھا اس نے مدرسہ نظامیہ بغداد کی صدر مدرسی کے لئے امام کو ایک خط لکھا۔ دربار خلافت سے بھی نظامیہ کے درس کے لئے دعوت آئی تھی اور اس دعوت پر علاوہ خلیفہ بغداد مستظہر باللہ کے تمام ارکان خلافت کے دستخط تھے۔ امام صاحب نے ان خطوط دفراین کے جواب میں ایک طول طویل خط لکھا۔ اور بغداد نہ آنے کے متعدد عذر لکھے جن میں دو عذر یہ بھی تھے۔ کہ موجودہ ڈیڑھ سو طلبا کو جو مصروف تحصیل ہیں۔ بغداد جانے میں زحمت ہوگی میں نے عہد کیا ہے کہ کبھی مناظرہ و مباحثہ نہ کروں گا اور بغداد میں مباحثہ کے بغیر چارہ نہیں اس کے سوا دربار خلافت میں سلام کیلئے حاضر ہونا ہوگا۔ اور میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ میں مشاہرہ اور وظیفہ قبول نہیں کر سکتا۔ اور بغداد میں میری کوئی ایسی جایداد نہیں جس سے میرا گذارہ ہو سکے۔ غرض امام صاحب نے صاف انکار کر دیا۔

علماء وظائف کو اس بنا پر جائز سمجھتے تھے کہ قرون اولیٰ میں صحابہ اور تابعین کو سلطنت کی طرف سے وظائف ملتے تھے۔ اور وہ لوگ قبول کرتے تھے۔ امام صاحب اس استدلال کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اولاً تو اس زمانہ میں محصل سلطنت ایسے مشتبہ نہ تھے دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ اس زمانہ میں امرا اور حکام علماء کی استمالت اور رضا جوئی کے حاجت مند تھے۔ خود ان کی طرف سے درخواست اور آرزو ہوتی تھی۔ اور علماء میں سے کوئی شخص وظیفہ قبول کر لیتا تھا۔ تو امرا خود ممنون ہوتے تھے۔ اس وجہ سے صحابہ و تابعین کو باوجود وظیفہ خواری کے امر حق کے اظہار میں کبھی باک نہ ہوتا تھا۔ وہ بھرے دربار میں خلفائے بنی امیہ کو زجر و توبیخ کرتے تھے۔ اور خلفا ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ بخلاف اس کے آجکل (یعنی پانچویں صدی ہجری میں) وظائف کے حاصل کرنے کیلئے یہ امور اختیار کرنے پڑتے ہیں ۱۔ دربار کی آمدورفت ۲۔ دعا و ثنا ۳۔ بادشاہوں کے اغراض و مطالب میں اعانت ۴۔ جلوس وغیرہ میں شرکت۔ جان نثاری کا اظہار سلاطین کے عیوب کی پردہ پوشی۔ یہ شرط گنا کر امام صاحب لکھتے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک شرط کی بھی تعمیل رہجائے تو سلاطین ایک درہم بھی نہ دیں گے۔ گو مولوی صاحب کا رتبہ امام شافعی کے برابر ہو۔ سچ ہے ؎

اگر صد سال گبر آتش فروزد 	چو یکدم اندر آں افتد بسوزد

امام غزالی کا ہدایت نامہ بادشاہ خراسان کے نام

کس شخص کو جرأت ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کو تو کجا اس کے کسی ذمہ دار اہلکار ہی کو اس کے نقائص اس کے منہ پر بیان کر سکے۔ لیکن وہ لوگ جو بغرض رضائے

زندگی لیکر آئے ہیں جنہوں نے اظہار حق و صداقت کیلئے کے لئے ہر قسم کی تکالیف برداشت کرنے کیلئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ وہ ننگی تلواروں اور چمکتے ہوئے نیزوں اور گرجتی ہوئی توپوں میں بھی سچی بات کے ظاہر کرنے سے خوف نہیں کھاتے۔ انہی لوگوں میں امام غزالی بھی تھے جنہوں نے سلطان سنجر کے بڑے بھائی محمد بن ملک شاہ کو اس کی بادشاہت کے زمانہ میں ایک ہدایت نامہ بنام نصیحت الملوک لکھکر بھیجا تھا۔ اسمیں وہ لکھتے ہیں۔ حق اللہ (نماز روزہ حج زکوٰۃ) آسانی سے معاف ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خدا غفور الرحیم ہے لیکن حق العباد کے معاف ہونے کی کوئی تدبیر نہیں۔ لے بادشاہ دیکھ حضرت عمرؓ کو باوجود اپنے کمال احتیاط۔ عدل و انصاف کے قیامت کے مواخذہ سے کس قدر ڈرتے تھے۔ اور تیرا یہ حال ہے کہ تجکو اپنی رعایا کی کچھ پرواہ نہیں اور کچھ نہیں جانتا۔ کہ تیرے ملک والوں کا کیا حال ہے؟ صرف یہی تیرا کام نہیں کہ تو خود ظلم سے بچے۔ بلکہ اس بات کا بھی تو ذمہ وار ہے کہ تیرے غلام، خدم و حشم، عہدہ دار، عامل کسی پر ظلم نہ کرنے پائیں ایسا سلطان اس بات کا اندازہ کر لیا کرے کہ جو معاملہ تو اوروں کے ساتھ کرنا چاہتا ہے۔ اگر تیرے ساتھ کیا جائے تو مجھے پسند آئے یا نہیں اگر تو اپنے حق میں اسے جائز نہیں رکھتا اور وہی معاملہ اپنے زیر دستوں کے ساتھ جائز رکھنا چاہتا ہے۔ تو تو دغاباز و خائن ہے۔ علاوہ بادشاہ کے امام صاحب نے ان تمام وزراء کو جو وقتاً فوقتاً وزارت کے رتبہ پر پہنچے۔ نہایت آزادی اور دلیری سے عدل و انصاف کی تاکید میں خطوط اور ہدایت نامے لکھے ہیں۔ امام صاحب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ تمام قوم میں یہ روح پھونکنی چاہی۔ انہوں نے نہایت آزادی و بیباکی سے یہ خیال ظاہر کیا کہ سلاطین کی روک ٹوک ہر مسلمان کا فرض ہے احیاء العلوم میں سلاطین اور امراء کے مقابلہ میں امر بالمعروف کا ایک خاص باب ہے اسمیں لکھتے ہیں کہ سلاطین کی روک ٹوک میں، اگر ملکی فساد کا اندیشہ ہو تو ناجائز ہے لیکن اگر صرف اپنی جان و مال کا خطرہ ہو۔ تو نہ صرف جائز بلکہ نہایت مستحسن ہے۔ بزرگان سلف ہمیشہ اپنی جان کو خطرہ میں ڈالکر آزادی سے کام لیتے تھے۔ اور سلاطین اور امراء کو سر موقع پر روکتے اور ٹوکتے رہتے تھے۔ اور اس میں اگر کوئی شخص جان سے مارا جاتا تھا۔ تو خوش نصیب خیال کیا جاتا تھا۔ کیونکہ وہ شہادت کا درجہ پاتا تھا۔ (الغزالی صفحہ ۱۸۸)

باب ششم

دولت عثمانیہ (ٹرکی)

خوف سلطانی پر حمیت اسلامی کا غلبہ

دولت عثمانیہ کا بانی سلطان الغازی عثمان خان[1] اول ہوا ہے جس نے ۶۹۹ھ ۱۳۰۰ء سے ۷۲۶ھ ۱۳۲۶ء تک حکومت کی ہے ۔ ۷۶۳ھ تک شہنشاہان عثمانیہ کے ہاں اموال غنیمت کا شرعی پانچواں حصہ بیت المال سلطانی کے لئے نہیں نکالا جاتا تھا ۔ علمائے عہد اس شرعی حق تلفی کو دیکھتے تھے ۔ مگر بعض تو خوف سلطانی کی وجہ سے اور بعض بادشاہوں کو خوش رکھنے اور اپنے ذاتی اغراض کیلئے خاموش رہتے تھے جب سلطان عثمان خان کا پوتا سلطان مراد اول (ابن سلطان اورخان) ۷۶۱ھ میں تخت نشین ہوا ۔ ۷۶۳ھ تک اس کے عہد میں بھی کسی عالم وقت نے اسکی توجہ بیت المال کیطرف منعطف نہ کی ۔ تو سلطان مذکور کے عہد کے ایک مشہور عالم قرہ رستم کی حمیت اسلامی اور غیرت شرعی نے خوف سلطانی کو بالائے طاق رکھکر خلیل آفندی قاضی عسکر کو اس طرف توجہ دلائی اور کہا کہ جب بادشاہ اور امراء اس کا خیال نہ رکھیں گے اور جب قاضی اور علماء لوگ بادشاہوں کو انکی فروگذاشتوں پر توجہ نہ دلائیں گے تو اور کس کا فرض ہے اور کسکو ایسا کرنے کی جرات ہو سکتی ہے قرہ رستم کی بات میں چونکہ ذاتی غرض کوئی نہ تھی

[1] عثمانی ترکوں کی نسل یافث بن نوح سے چلتی ہے ۔ ۶۲۴ھ میں جبکہ چنگیز خانی حملوں نے ایشیا کو تہ و بالا کر رکھا تھا ۔ عثمان خان کا دادا امیر سلیمان شاہ بن قیا رالپ وسط ایشیا (صحرائے ماہان اطراف شہر مرو) سے نکلکر آذربائیجان کیطرف آیا ۔ ۶۲۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا ۔ اس کے چار بیٹوں میں ارطغرل صاحب اقبال نکلا ۔ جو اپنے قبیلہ کے ۴۰۰ گھروں کے ہمراہ (جن میں ۴۴۴ جنگجو سوار تھے) اناطولیہ کو وطن بنانے کی غرض سے روانہ ہوا ۔ یہاں آکر اس نے اپنے بیٹے صارو باتی بک کو ۶۳۰ھ میں سلطان علاؤالدین سلجوقی فرمانروائے روم کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا ۔ کہ تھوڑی سی سرسبز اراضی اپنی قوم کو آباد کرنے کے لئے عطا کی جائے ۔ سلطان نے دامان کوہ میں بہت سا علاقہ اسے بطور جاگیر عطا کیا ۔ ارطغرل نے اپنی فطری شجاعت سے بادشاہ کو اپنا گرویدہ کر کے اور بھی بہت سے علاقے حاصل کر لئے ۔ یہانتک کہ ۶۸۳ھ میں اس کا عروج کسی چھوٹی سی سلطنت سے کم نہ تھا ۔ نوے سال کی عمر میں اس نے وفات پائی ۔ عثمان خان اس کا قابل بیٹا اس کا جانشین ہوا ۔ سلطان علاؤالدین نے اسکو خلعت ۔ سفید نشان ۔ نقارہ ۔ اور ایک قرآن ترکی زبان میں بھیجکر اس کی آزادی و مختاری تسلیم کر لی ۔ سکہ رائج کرنے کی بھی اجازت دی ۔ اور خطبہ میں بھی سلطان کے ساتھ اس کا نام لیا جانے لگا ۔ غازی عثمان خان کی طاقت روز بروز بڑھ رہی تھی ۔ پاس ادب سے اس نے اپنے ولی نعمت کے خلاف کبھی سر نہ اٹھایا ۔ در دس کے مقابلہ میں سلجوقیہ خاندان خانہ جنگیوں اور عثمان خان کی پولیٹکل چالوں سے ہر لحظہ زوال پذیر ہو رہا تھا ۔ خاندان سلجوقی کا آخری تاجدار رکن الدین (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۷ پر دیکھو)

اور خلوص اور جوش وحمیت اسلامی کا ان سے اظہار ہو رہا تھا اس لئے قاضی پر اثر ہوا۔ اور اس نے جرأت کر کے سلطان المعظم کی توجہ اس فروگذاشت کی طرف منعطف کی اور کہا علمائے اسلام میں اس شرعی حق تلفی سے بہت کچھ ناراضگی پھیل رہی ہے۔ بادشاہ نے اجرائے خمس کا حکم دیدیا۔ اور چونکہ اس تحریک کے بانی قرہ رستم ہی تھے۔ اس لئے وہی خزانہ عامرہ میں مال غنیمت کا پانچواں حصہ علیحدہ کرنے کے نگران اور ذمہ دار مقرر ہوئے (تاریخ آل عثمان صفحہ ۴۷)

> وزیر اپنی وزارت اور بادشاہ اپنی سلطنت بھی دیدے۔ تو میں اپنے ارادہ کو ترک نہیں کر سکتا!

خیالی علم وعبادت کے کیڑے تھے۔ باوجود نحیف البدن ہونے کے عبادت اور تحریر کے کام میں رات دن مصروف رہتے تھے۔ اصل نام احمد بن موسیٰ الشہیر بالخیالی اور لقب شمس الدین تھا۔ وزیر محمود پاشا نے سلطان محمد خان دوم فاتح قسطنطنیہ (ٹرکی) سے سفارش کی۔ کہ خیالی کو دار العلوم ازنیق کا صدر مقرر فرمایا جائے۔ بادشاہ نے کہا یہ وہی خیالی نہیں ہے جس نے شرح عقاید پر حواشی لکھے ہیں۔ وزیر نے کہا ہاں وہی ہے فرمایا۔ ایسا عالم اجل ضرور اس دار التدریس میں آنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ وزیر نے خیالی کو خبر دی۔ وہ اس وقت حج کا ارادہ کر چکا تھا اس نے انکار کر دیا۔ وزیر نے بہت کچھ کہا سنا۔ کہ یہ موقع ہاتھ سے نکل جائیگا تقرب سلطانی کو غنیمت سمجھو۔ خیالی نے کہا اگر وزیر اپنی وزارت اور بادشاہ اپنی سلطنت بھی دیدے۔ تو میں اپنے اس نیک ارادے اور اس مبارک سفر کو ترک نہیں کر سکتا کیا جاہ طلبی کی جھلک دکھا کر عاقبت کی روسیاہی میرے نامۂ اعمال میں لکھنا چاہتے ہو۔ چنانچہ خیالی حج کو چلے گئے جب واپس آئے۔ تو شہنشاہ اور دستور اعظم پر ان کے استقلال اور ان کی آزادانہ گفتگو کا اثر بہت اچھا پڑ چکا تھا۔ آتے ہی صدر المدرس قرار پائے لیکن افسوس ہے بہت جلد عین عالم شباب میں بعمر ۳۳ سال دنیائے اسلام کا یہ مشہور ترین شخص انتقال کر گیا۔ مولانا عبد الحکیم[۵]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۶) سوم حب ۶۹۹ھ/۱۲۹۹ء میں بمقام قونیہ مارا گیا۔ تو عثمان خان نے سلطان کا لقب اختیار کر کے سلجوقی کھنڈروں پر دولت عثمانیہ کی بنیاد ڈالی۔

[۲] سلطان مراد اول کی حکومت ۷۶۱ھ سے ۷۶۹ھ تک رہی۔ بڑے بڑے جنگی جہاز اسی کے عہد میں تیار ہوئے۔ سرزمین یورپ میں ترکی فتوحات کی وسعت اور خاندان عثمانیہ کی عظمت وشوکت ترقی کر رہی تھی۔ اس لئے دار الخلافہ بروصہ سے تبدیل کر کے اڈریانوپل میں منتقل کیا گیا۔ فتح قسطنطنیہ (۸۵۷ھ بعہد سلطان محمد خان ثانی) تک یہی شہر دار الخلافہ رہا۔ سرویہ، بلغاریہ، رومیلیا اور ایشیائے کوچک کی آزاد حکومتیں سب اس نے مٹا دی تھیں۔ ۷۹۱ھ/۱۳۸۹ء میں سلطان مراد میدان جنگ کے کشتوں کا حال دیکھ رہا تھا کہ بلغاریہ کے ایک زخمی نے دست بوسی کے بہانے اسے شہید کر دیا۔

[۳] مدت حکومت از ۸۵۵ھ/۱۴۵۱ء لغایت ۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء خاندان عثمانیہ کا ساتواں تاجدار تھا۔

[۴] حدائق الحنفیہ حدیقہ نہم صفحہ ۳۲۸

[۵] آپ کے مفصل حالات کے لئے دیکھو ہماری کتاب "سوانح مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی"۔

سیالکوٹی نے آپ ہی کی کتاب شرح عقاید نفسی پر حاشیہ لکھا ہے۔ جو بہت مقبول و مشہور ہے اور جس کی نسبت یہ شعر مشہور ہے ؎

خیالات خیالی بس عظیم است   برائے حل او عبد الحکیم است

سلطان سلیم اول کے خوشامدی علماء اور آزاد خیال وزراء

۹۱۸ھ/۱۵۱۲ء میں آل عثمان کا نامور بادشاہ سلطان سلیم خان اول تخت پر بیٹھا۔ یہ سلطان بایزید خان (۸۸۶ھ لغایت ۹۱۸ھ) کا بیٹا اور سلطان محمد خان فاتح قسطنطنیہ کا پوتا تھا۔ ۴۶ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ ایران (شاہ اسمٰعیل صفوی) سے اس نے ۹۲۰ھ میں لڑائی کی اور کامیاب ہوا۔ ۹۲۲ھ میں مصر پر اس نے تسلط کر لیا۔ اور وہاں ایک مجلس شوریٰ انتظام حکومت کیلئے منعقد کی۔ ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم معہ چند امانات نبویہ کے (جو ابتک قسطنطنیہ میں موجود ہیں) خلیفہ محمد متوکل علی اللہ آخری خلیفہ عباسی کو اپنے ہمراہ لیکر قسطنطنیہ آگیا۔ خلافت عباسیہ یوں تو بنی بویہ اور سلجوقیوں کے عہد ہی میں کمزور ہو چکی تھی اور اس سے صرف بطور تبرک کام لیا جاتا تھا لیکن اتنا تھا کہ خلافت کا وجود قائم چلا آتا تھا۔ گو اس وجود کی حکومت آخری سلاطین مغلیہ کی طرح محلات کے اندر ہی ہوتی تھی۔ سلطان سلیم نے اس رہے سہے وجود کا نام ہی مٹا دینا چاہا۔ چنانچہ اس نے خلیفہ کو جسے وہ اپنا قیدی بناکر ہمراہ ہی لے آیا تھا۔ مجبور کیا کہ وہ خلافت سے دست برداری دیدے خلیفہ بے بس اور مجبور تھا۔ آخر اس کے قلم نے وہ الفاظ لکھے جو اس کا دل نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اسی زمانہ (۹۲۳ھ) سے خلافت اسلامیہ ترکی کے سلاطین میں چلی آتی ہے۔ سلطان سلیم کو خوش کرنے کے لئے علماء نے یہ فتوے لکھدیئے کہ جسقدر ممالک مفتوحہ کے اوقاف ہیں ان سب کے ضبط کرنیکا سلطان کو اختیار ہے لیکن سلطان نے ان فتاوے کے باوجود کسی وقف پر ہاتھ نہ ڈالا بلکہ انہیں اضافہ ہی کرتا گیا (تاریخ عثمانی صفحہ ۱۴۲)

جب سلطان سلیم فاتح مصر و خلافت کی حیثیت سے ۹۲۳ھ میں واپس قسطنطنیہ میں آرہا تھا۔ تو رستے میں اس کو خبر ملی کہ شاہ اسمٰعیل والئے ایران پھر آمادہ فساد ہے۔ اور سرحدات پر شورشیں پیدا کر رہا ہے۔ سلطان کی بڑی خواہش تھی کہ سلطنت صفویہ کا بھی نام و نشان مٹا دے۔ تاکہ اس کی طرف سے ہمیشہ کیلئے نجات مل جائے۔ مگر چند وزراء اس خیال کے تھے۔ جو مسلمانوں کا خون بہانا نہیں چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ سلطان اس نامور اسلامی سلطنت کو زندہ رہنے دے۔ آخر سلطان نے مشورہ کیا۔ تو ان وزراء نے سلطان کے جبر و قہر کے خوف کے باوجود اپنی آزادانہ رائے کا اظہار کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ اس وقت جزیرہ روڈس کی فتح نہایت زرین موقعہ ہے۔ سلطان نے کہا۔ لیٹر ے

چوروں کا ایک جزیرہ چھین لینے کی بجائے، مجکو وسیع اور زرخیز ممالک کی فتح کا خیال اچھا معلوم ہوتا ہے
وزراء نے بہت سے نشیب و فراز سمجھائے، اور عیسائی طاقتوں کی چالوں سے آگاہ کیا کہ وہ کسطرح
مسلمانوں کی تباہی کے درپے ہیں۔ آخر سلطان نے ارادہ ملتوی کر دیا۔ ۹۲۶ھ میں عین عالم شباب
میں اس شیر دل بلند ہمت اور عالی حوصلہ بادشاہ کا انتقال ہوگیا (تاریخ عثمانی صفحہ ۱۴۲)

ٹرکی کے ایک آزاد محب وطن کا انجام

سلطان عبدالحمید خان اول (۱۱۸۷ھ لغایت ۱۲۰۳ھ) ابن سلطان احمد خان سوم (۱۱۱۵ھ لغایت ۱۱۴۳ھ) کے بعد جب سلطان سلیم خان سوم ابن سلطان مصطفےٰ خان سوم (۱۲۰۳ھ لغایت ۱۲۲۲ھ) تخت حکومت پر بیٹھا ہے اس وقت سیاسی حالات میں سخت برہمی تھی۔ یوروپ کی چھوٹی
بڑی سب طاقتیں جو ابتدا ہی سے دولت عثمانیہ کی دشمن چلی آتی تھیں اور جو عیسائی ٹرکی رعایا کو بغاوت و
شورش پر آمادہ کرتی رہتی تھیں اب کچھ کچھ کامیاب ہو رہی تھیں۔ ان سے اسی زمانہ میں جنگ ہوئی
انگریزوں اور فرانسیسیوں نے بھی اسی زمانہ میں اپنی اندرونی و بیرونی مخالفت کا جوش دکھایا۔ محمد علی پاشا
اسی زمانہ میں مصر کا والی بنا۔ میدان جنگ میں تو ترک ثابت قدم رہے مگر اندرون ملک کی خرابیوں نے بادشاہ کو ہمیشہ پریشان
رکھا۔ ٹرکی کی ینی چری فوج نہایت خودسر تھی جسطرح سکھوں کے زمانہ حکومت میں فوج خالصہ جسکو چاہتی مہاراجہ پنجاب بنا دیتی اور جسے چاہتی
وزارت سپرد کر دیتی تھی اسیطرح ینی چری فوج کا حال تھا۔ سلطان نے جدید وضع کی یورپین فوج تیار
کر کے اس خودسر فوج کو برطرف کرنے کا ارادہ کیا۔ کچھ جدید اصلاحیں شروع بھی کیں۔ مگر شیخ الاسلام
عطاء اللہ آفندی اور صدر اعظم کے نائب نے اس خودسر فوج کے ساتھ ملکر ملک میں سلطان کے خلاف یہ
خیالات پھیلا دیئے کہ وہ اسلامی رسوم چھوڑ کر کفار کی پیروی کر رہا ہے۔ نتیجہ اس شورش عظیم کا یہ ہوا کہ
۱۲۔ ربیع الاول ۱۲۲۲ھ کو سلطان سلیم خان جس کی تحریکات و اصلاحات کی ناکامی نے دولت عثمانیہ
کو نصف صدی اور پیچھے ہٹا دیا تخت و تاج سے معزول کر دیئے گئے۔ جب نئے سلطان مصطفےٰ خان
چہارم (ابن سلطان عبدالحمید خان اول) کو بیعت کے لئے (جو سلطان معزول کا چچا زاد بھائی تھا)
مصطفےٰ پاشا بیرقدار وزیر کے پاس چند آدمی آئے۔ تو اس نے مصطفےٰ کی بادشاہی تسلیم کرنے سے
صاف انکار کر دیا۔ اور کسی ذاتی غرض کے لئے نہیں۔ بلکہ محض اس لئے کہ جس جدید رفتار کی پیروی
سلطان معزول کرنا چاہتا ہے سلطنت عثمانیہ کی قوت و شوکت کا مدار اسی پر ہے اور یہ کہ اس میں
کوئی بات اسلام کے خلاف نہیں ہے۔ نئے سلطان کو خبر ہوئی۔ تو اس نے غصہ میں آکر سلطان سلیم
اور اپنے حقیقی بھائی شہزادہ محمود کے خفیہ طور پر مروا دینے کا حکم دیا۔ کہ نہ بانس رہے نہ بانسری۔
سلطان سلیم تو بیچارا مارا گیا۔ مگر شہزادہ بیرقدار کی کوشش سے بچ رہا۔ آخر سلطان مصطفےٰ ایک

ایک سال بھی حکومت نہ کرنے پایا تھا۔ کہ بیرقدار نے کسی طریق سے اس کو گرفتار اور بعد میں معزول کرا کے شہزادہ محمود[ف۱] کو تخت نشین کرادیا۔ جو ۱۲۲۳ھ سے ۱۲۵۵ھ تک حکمران رہا۔

مصطفیٰ پاشا بیرقدار محض اَن پڑھ تھا۔ مگر اس کی دلیری حق گوئی۔ ملکی غیرت اور اسلامی حمیت نے دنیا کے بڑے بڑے لوگوں میں اس کا نام مشہور کر رکھا تھا۔ افسوس ہے ملکی ابتری اور بد نظمی نے اس کی پوری قدر و منزلت نہ ہونے دی۔ سلطان محمود کے زمانہ میں جب اس نے ینی چریوں کی اصلاح کرنی چاہی۔ تو وہ پھر بھڑک اُٹھے۔ انہوں نے بیرقدار کے محل کو گھیر لیا۔ بیرقدار نے اپنے آپ کو باغیوں کے حوالے کر دینے سے یہ بہتر سمجھا کہ اپنی جان پر کھیل جائے۔ چنانچہ اس نے بارود خانے میگزین میں آگ لگادی۔ اور خود بھی ساتھ ہی اُڑ گیا۔ یہ واقعہ ماہ رمضان ۱۲۲۳ھ کا ہے۔

ف۱ شہزادہ محمود (بن سلطان عبدالحمید اول) سلطان محمود دوم کے نام سے ۲۴ سال کی عمر میں ۱۲۲۳ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں بہت سی اندرونی بغاوتیں ہوتی رہیں۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان عبدالمجید خان دوم ۱۲۵۵ھ بعمر ۱۶ سال تخت نشین ہوا۔ روس (کریمیا) ڈنیوب مانا طولیہ سینوب وغیرہ کی لڑائیوں میں ٹرکی طاقت بہت کمزور ہوتی رہی۔ انگلستان فرانس وغیرہ سے معاہدے ہوئے۔ ۱۷ ذیقعد ۱۲۷۷ھ (مطابق ۲۴ مئی ۱۸۶۱ء) سلطان کا انتقال ہوگیا۔ ۱۲۷۰ھ میں سلطان نے مسجد نبوی صلعم کو از سر نو بنوایا تھا۔ چار سال میں اس کی تعمیر ختم ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کا بھائی سلطان عبدالعزیز خان ۱۸۶۱ء سے ۱۸۷۶ء تک حکمران رہا۔ اسی کے عہد میں (۱۷ ستمبر ۱۸۶۹ء) کو نہر سویز کا افتتاح ہوا۔ یورپ کی دراندازی نے اسے بہت کم چین لینے دیا۔ تاہم وہ ملک کے لئے بہت کچھ کرتا رہا۔ رہی حکومت کی دستی رکھنے کی وجہ سے قوم اس سے ناراض ہوگئی۔ اور آخر ۶ جمادی الاول ۱۲۹۳ھ کو اسے معزول کر دیا گیا۔ اس کے بعد سلطان مراد خان پنجم (ابن سلطان عبدالمجید خان اول) تخت نشین ہوا۔ مگر وہ بھی معزول کر دیا گیا۔ بعد ازاں یوم پنجشنبہ ۱۱ شعبان ۱۲۹۳ھ (۳۱ اگست ۱۸۷۶ء) کو سلطان مراد کے بھائی شہزادہ عبدالحمید آفندی کو سلطان عبدالحمید خان ثانی کے نام سے تخت پر بٹھایا گیا۔ حجاز ریلوے کی تعمیر اسی کے عہد میں ہوئی۔ انجمن اتحاد و ترقی نے ۲۷ اپریل ۱۹۰۹ء کو اسے بھی معزول کر دیا۔ اور اس کے بھائی رشاد آفندی کو سلطان محمد خامس کے نام سے تخت ملا۔ اسی سلطان کے زمانہ میں یورپ کی عالمگیر جنگ (جو ۱۹۱۴ء میں) شروع ہوگئی جس میں ٹرکی کو بھی جرمنی کے حلیف کی حیثیت سے شامل ہونا پڑا۔ دوران جنگ ہی میں سلطان کا انتقال ہوگیا۔ اب سلطان وحیدالدین خان تخت ٹرکی پر جلوہ فرما ہیں۔ لیکن در اصل حکومت اتحادیوں (انگلستان فرانس اٹلی) کی ہے۔ اس جنگ نے سلطنت عثمانیہ کو بالکل ادھ موا کر دیا ہے۔ شام عراق عرب اور مصر بھی چھن گئے۔ بوسنیا ہرزیگونیا اور کریٹ جنگ سے پہلے ہی جا چکے تھے۔ مصطفیٰ کمال پاشا ٹرکی کو آزاد کرانے کی فکر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا حامی و مددگار ہو۔

باب ہفتم

دولت ہسپانیہ

فصل اوّل دور اوّل

خلفائے بنی امیہ (دمشق)

ہسپانیہ کی حالت مسلمانوں سے پہلے

قبل از ولادت حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہسپانیہ وحشی قوموں سے آباد تھا۔ غاریں اور بدنما جھونپڑیاں ان کی قیام گاہیں تھیں۔ ہر قبیلہ کا الگ ایک سردار تھا۔ شہد بالوت شیریں اور دیگر خودرو پھلوں اور پیداواروں پر ان کا گذارہ تہا۔ چمڑا اور اونی لباس ان کی پوشش تھی۔ کسی قسم کا ہتھیار نہ ان کے پاس تہا اور نہ یہ بنانا جانتے تھے۔ یہ لوگ فینشین نسل سے تھے۔ وقت آیا کہ اہل کار تھیج ان کے جانشین بنے۔ اسپین میں ہر قسم کی کانیں موجود تھیں انہوں نے اسکی قدرتی پیداوار کو فروغ دیا۔ نقلی گھاس کی پیداوار سکھائی۔ اور ملک میں زیتون کے درخت لگائے۔ پہلی صدی مسیحی میں یہاں عیسائی مذہب کا رواج ہوا۔ ۴۰۹ء میں قوم گوتھ (عیسائی) نے ہسپانیہ پر قبضہ حاصل کیا۔ اس قوم کے بادشاہوں نے ملک میں ہر طرح کے سامان آسائش و ترقی

پیدا کئے لیکن ان کی باہمی خانہ جنگیوں سے ملک عموماً پریشان رہتا تہا ۔ ۶۵۰ء میں چنڈا سوئنٹو نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے رسی سوئنتو کو تخت پر بٹھا دیا تہا ۔ یہ وہ زمانہ تہا کہ مسلمان نہایت تیزر دی کے ساتہہ ملک پر ملک فتح کئے جا رہے تہے ۔ مصر میں اسلامی سلطنت قائم ہو چکی تہی ۔ اور مسلمان وہاں سے مورٹینیا تک پہیل گئے تہے ۔ جو گوتہہ قوم کے بادشاہ رسی سوئنٹو کے ماتحت تہا قبل اس کے کہ مسلمان اس سمندر کو عبور کریں ۔ جو افریقہ سے سپین کو جدا کرتا ہے ۔ رسی سوئنٹو فوت ہو گیا ۔ اور اس کی جگہ دامبا قوم کی خواہش کے مطابق تخت پر بیٹھا ۔ اس کے بعد اریگیو تخت پر بیٹھا ۔ جو ہسپانیہ کا ظالم اور بدنام بادشاہ تہا ۔ اس نے اپنی تخت نشینی کے لئے جتنے ظلم کئے ۔ ان سب کو اس پردہ میں چہپا یا کہ پادریوں اور مذہبی خیالات کے لوگوں کو ہمیشہ انعام و اکرام دیتا رہتا تہا ۔ ۶۸۰ء میں اس کے انتقال پر اس کا داماد اجیکا تخت پر بیٹھا اس کے ظلم و ستم سے یہودی لوگ کانپ اٹھے ۔ اس نے ان کو مذہب عیسائیت کی دعوت دی انہوں نے انکار کیا اور اس نے ان پر حد سے زیادہ سختیاں کیں اسی کے زمانہ میں اکثر مورز ہسپانوی مسلمان ہو چکے تھے ۔ ۶۹۸ء میں اس بادشاہ کا ٹولیڈو میں انتقال ہو گیا اجیکا کے بعد وٹیزا کو تخت ملا ۔ اس نے شاہی خاندان کے دیگر شہزادوں کو بہت تکلیفیں دیں کسی کی آنکہیں نکلوا ڈالیں کسی کو مروا دیا کسی کو جیل میں ڈالا ۔ ان حرکتوں سے لوگ بہڑک اٹھے ۔ جاگیردار اور امراء اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار ہو گئے ۔ پادری بہی اس سے ناراض تھے کیونکہ اس بادشاہ نے پادریوں کو شادیاں کرنے کا حکم دیا تھا اور تعداد ازدواج کا قائل تہا ۔ آخر اس کی جگہ چنڈا سوئنٹو کا پوتا روڈیرک تخت پر بیٹھا ۔ اس نے اپنے پیشرو کے بیٹوں کو تنگ کرنا شروع کیا ۔ وہ لڑکے اپنے پہوپہا کونٹ جولین جو انڈالوشیا وغیرہ مقامات کا فرمانروا تہا کے پاس چلے گئے جولین نے بظاہر سابق بادشاہ کے بیٹوں اور جدید بادشاہ میں صلح کرا دی ۔ مگر دلی کدورتیں برابر قائم رہیں ۔

اس زمانہ میں یہ دستور تہا کہ امراؤ شرفا اپنی بیٹیوں اور چہوٹے بیٹوں کو بادشاہی محلات میں بہیجا کرتے تھے تاکہ وہ اعلےٰ تربیت حاصل کر سکیں ۔ کونٹ جولین کی بہی ایک جوان کنواری لڑکی بادشاہ کی بیوی شہزادی اجیلو نا کے ہمراہ رہتی تھی ۔ روڈیرک نے ہوائے نفسانی سے مجبور ہو کر کونٹ جولین کی بیٹی فلورنڈا سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا ۔ چونکہ یہ تعلق بادشاہ نے زبردستی پیدا کیا تہا ۔ لڑکی نے اپنے باپ کو اطلاع دی ۔ وہ ٹولیڈو (دار الخلافہ) میں آیا ۔ اور فلورنڈا کو لیکر سیدھا افریقہ میں پہنچا ۔ جہاں مسلمانوں کی حکومت تھی ۔ وہاں ۷۱۰ء میں موسیٰ بن نصیر سے ملا ۔ اس سے عہد و پیمان کئے اور اس کو روڈیرک کی سزا دہی پر آمادہ کیا ۔ موسیٰ نے سپین کے بعد داخلہ

سے جو سبوطا اور تبنجیر میں تھے ہسپانیہ کے حالات دریافت کئے اس کو معلوم ہوا کہ لوگ اپنے بادشاہ سے اس کی خفیف الحرکتوں کی وجہ سے ناراض ہیں۔ اور رعایا قحط سالیوں اور وباؤں سے ناتوان وحقیر ہوگئی ہے خلیفہ ولید اس زمانہ میں مسلمانوں کا بادشاہ تہا اس کی اجازت سے موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو اُس ملک کی دیکھ بھال کے لئے بہیجا۔

اسپین میں مسلمانوں کے عروج کی ابتدا

طارق جولائی ۷۱۱ء میں چار جہازوں میں فوج سوار کر کے طاریفہ کی جانب روانہ ہوا۔ وہاں سے کونٹ جولین کے قلعہ میں گیا۔ جہاں اس کی بڑی خاطرداری ہوئی اور اسے معلوم ہوا کہ لوگ ڈون روڈیرک کے ظلم وستم سے بہت تنگ ہیں اور چونکہ مسلمانوں کے انصاف وعدل اور انکے حقوقِ مساوات کا عام چرچا تہا اسلئے لوگوں نے طارق کا بڑی خوشی سے استقبال کیا اور اس کو ہر قسم کے حالات سے آگاہ کیا۔ موسم بہار میں طارق نے پانچہزار فوج کے ساتہ حملہ شروع کر دیا۔ اور اپنے آپ کو ایک پہاڑ میں جس کا نام اس نے اپنے نام پر جبل الطارق (جبرالٹر) رکہا حصار بند کیا۔ اہل عرب کے حملہ کی اطلاع فوراً دربار ٹولیڈو میں پہنچی جہاں عربوں کے مقابلہ کے لئے ایک لاکھ لشکر جمع ہو گیا۔ طارق کی فوج لبعد کی مدد سے بارہ ہزار تک پہنچ گئی تہی گوڈالیٹ کے کناروں پر طارق اور روڈیرک کا مقابلہ ہوا اسی لڑائی میں گوتھ خاندان کا آخری بادشاہ قتل ہو گیا۔

جب طارق ٹولیڈو کی طرف روانہ ہوا۔ تو گوتھک دارالخلافہ کے باشندے اس کے استقبال کے لئے تیار تھے لیکن بایں ہمہ فاتح قوم کے خوف سے شہر کے اکثر زن ومرد بہاگ گئے۔ طارق کو خبر ہوئی۔ اس نے اس حالت میں شہر میں داخل ہونا مناسب نہ سمجہا اس نے باشندگان شہر کے ایک وکیل کو بلایا وہ رحم کا طالب ہوا طارق اس سے اور اس کے ہمراہیوں سے ملا ان کو تسلی دی۔ ہر طرح کا اطمینان دلایا اور شرائط ذیل ان کے سامنے پیش کیں (۱) جو آدمی شہر کو چہوڑنا چاہیں۔ وہ چہوڑ سکتے ہیں لیکن وہ اپنی جائداد اپنے ہمراہ نہیں لیجا سکتے (۲) جو لوگ شہر ہی میں رہنا چاہیں وہ اپنی جائداد کے بدستور مالک رہیں گے (۳) باشندوں کو اجازت ہے کہ اپنے رسومات مذہبی کی تعمیل اور گرجاگہروں کا استعمال آزادانہ طور سے کریں۔ لیکن ایک ملائم محصول ادا کریں اور جدید گرجاگہر اجازت لیکر بنائیں (۴) عیسائیوں کے مقدمات خاص ان کے مذہبی حکام فیصل کیا کریں گے۔ شہر کے باشندوں نے ان شرائط کو خوشی کے ساتھ تسلیم کیا اور طارق ٹولیڈو میں داخل ہوا۔ جہاں قوم گوتھ کے ۲۵ بادشاہوں نے تین سو سال تک حکومت کی تہی

طارق تو دارالخلافہ پہنچ گیا لیکن اس کا افسر موسیٰ سپہ سالار مریڈا کی تسخیر میں مصروف تہا جہاں

روڈیرک کی بیوہ شہزادی اجیلونا اور شاہی خاندان کے اکثر شاہزادے ہے رائے ء مطابق ۹۳ھ میں موسیٰ نے مریڈا پر قبضہ کر لیا۔ موسیٰ کا بیٹا عبدالعزیز اشبیلیہ دسوئل ہے کے باشندوں کی سرکوبی پر مامور تھا جب اس نوعمر سردار نے فتح پائی۔ تو موسیٰ نے فوج کو شہر کے لوٹنے کا حکم دیا مگر عبدالعزیز نے سپاہیوں کو لوٹ مار سے منع کر دیا۔ بلکہ ان کو سپین کے جنوب میں لیگیا تاکہ ان کی توجہ کسی اور طرف ہو جائے۔ عبدالعزیز مرسیا پہنچکر وہاں کے حاکم تھیوڈ ڈمیر پر بھی فتحیاب ہوا۔ تھیوڈ ڈمیر نے صلح کی۔ درخواست کی اور عربوں کے حالات دیکھنے کے لئے بھیس بدلکر خود ایلچیوں میں شامل ہو گیا۔ چنانچہ عبدالعزیز اور تھیوڈ ڈمیر کے درمیان جو عہد نامہ لکھا گیا۔ اس کی مندرجہ ذیل شرائط خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عیسائیوں کے مذہب میں کسی طرح کی دست اندازی نہ کی جائے گی۔ اور نہ ان کے مذہبی مقامات خراب کئے جائیں گے۔ یہ عہد نامہ ۔ رجب ۹۴ھ کو لکھا گیا۔ تھیوڈ ور کے سامنے مسلمانوں کی شکل نہایت بدنما اور خوفناک بیان کی گئی تھی۔ لیکن ان شرائط سے وہ نہایت مطمئن اور محظوظ ہوا اور اس نے اپنا مصنوعی لباس اتار دیا اور دونوں نے ایک ہی جگہ بیٹھکر اکٹھا کھانا کھایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ لڑکپن ہی سے بے تکلف دوست ہیں۔

گورنر ہسپانیہ کی معزولی رعایا کی شکایات پر!

خلیفہ سلیمان کے بعد عمر بن عبدالعزیز۔ ان کے بعد یزید ابن عبدالملک تخت دمشق کا مالک ہوا۔ اس زمانہ میں الحر بن سلیمان خلیفہ کی طرف سے امیر اسپین تھا۔ لیکن وہ نہایت جابر و سخت گیر حاکم تھا۔ دشمن تو دشمن دوست بھی اس سے نالاں تھے۔ کیا عیسائی اور کیا مسلمان سب اس کے ہاتھوں تنگ تھے۔ آخر سپین کے چند لوگوں نے جان پر کھیل کر خلیفہ کے دربار میں ایک مراسلت بھیجی۔ اس کے ظلم گنوائے اور اس کی ناانصافیوں کے واقعات لکھے۔ خلیفہ نے عرضی پڑھی اور فی الفور ایسے سخت گیر ناانصاف اور جابر حاکم کو جو تالیف قلوب کی پالیسی سے صریح ناواقف تھا معزول کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۰۱ھ کا ہے (تاریخ اسپین ص۱۲۱)

ہسپانیہ کے ظالم گورنر کی معزولی اور شہر میں تشہیر

۱۰۹ھ مطابق ۷۲۷ء میں خلیفہ دمشق کو معلوم ہوا کہ سرداروں میں رشوت ستانی کا بازار یہاں تک گرم ہو گیا ہے کہ جو روپیہ زیادہ دیتا ہے۔ وہ امیر اسپین مقرر ہو جاتا ہے گورنر میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں ان کو کوئی نہیں دیکھتا۔ ان دنوں سیران الہیثم بن عبید امیر قرطبہ کا رڈوا تھا۔ اس شخص کے ظلم و ستم کی بے انتہا شکائتیں خلیفہ

لہ یہی عبدالعزیز بن موسیٰ سپہ سالار نے روڈیرک آخری بادشاہ ٹولیڈو کی بیوہ اجیلونا سے شادی کی تھی۔ اور اسی شادی کی وجہ سے بحکم خلیفہ سلیمان اس نوجوان عرب سردار کی ہلاکت وقوع میں آئی تھی۔

کے گوشگذار ہوئیں خلیفہ نے محمد نام ایک شہزادہ کو تحقیقات کے لئے سپین میں روانہ کیا۔ شاہزادہ رعایا کے ہر چھوٹے بڑے آدمی سے ملا ایک عام اعلان کیا کہ جس کو امیر کے متعلق جو شکایت ہو وہ بلاخوف بیان کرے۔ چنانچہ شکائتوں کے انبار جمع ہو گئے۔ اور ساتھ ہی ظلم اور نا انصافیوں کے ثبوت بھی ملتے گئے۔ شاہزادہ نے خلیفہ کو رپورٹ کی خلیفہ نے حکم بھیجا کہ ایسے ظالم اور ناخدا ترس گورنر کو معزول کر کے گدھے پر سوار کیا جائے اور قرطبہ (کارڈوا) کے بازاروں میں اس کی تشہیر کر کے اس کو افریقیہ بھجوا دو۔ اس کا مال و اسباب ضبط کر لو۔ اور جن آدمیوں سے اس نے جبر ستانی سے روپیہ لیا ہے۔ ان کی صحیح فہرستیں مہیا کر کے جہاں تک ممکن ہو۔ ان کو واپس دلا دو یہی وہ باتیں تھیں جن سے مسلمانوں کی حکومت ہسپانیہ میں روز بروز پھیل رہی تھی عیسائی اور یہودی اس عدل و انصاف کو دیکھتے تھے۔ اور مسلمانوں کی بقائے دولت کی دعائیں مانگتے تھے صرف یورپ کی عیسائی حکومتیں ایسی تھیں جو مسلمانوں کے عروج و اقتدار کو خوف و ہراس کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ کیا آجکل بھی ظالم اور رشوت خوار حکام کو ایسی ہی سزائیں ملتی ہیں۔

دورِ اول کا خاتمہ

۱۲۴ھ مطابق ۷۴۲ء میں خاندان بنی امیہ کی قوت گھٹنے لگی بنی امیہ کی طاقت دراصل خلیفہ ہشام کے بعد ہی زوال پذیر ہونی شروع ہو گئی تھی ہسپانیہ بھی چونکہ خلفائے بنی امیہ (دمشق) کے ماتحت تھا اس لئے دیگر ماتحت ممالک کی طرح یہاں بھی خرابیاں پیدا ہوئیں۔ اور اکثر گروہوں نے سرکشی اختیار کی۔ اس زمانہ میں بنی امیہ کی طرف سے یوسف الفہری بن عبدالرحمان امیر ہسپانیہ تھا۔ وہ منتظم اور رحیم و فیاض تھا۔ مگر بنی امیہ و بنی عباس کی باہمی لڑائیاں اس قدر جڑھ پکڑ چکی تھیں۔ کہ کیسا ہی لائق حاکم ہوتا انتظام مشکل تھا۔ بلکہ جس قدر عرصہ گذرتا گیا۔ خرابیاں بڑھتی جاتی تھیں۔

معمر سرداران عرب (مقیم سپین) نے مشورہ کیا کہ جب تک یہاں خود مختار حکومت خلافت سے علیحدہ نہ قائم ہو گی۔ یہاں امن چین ہونا مشکل ہے چنانچہ کسی اموی شہزادہ کی تلاش ہوئی لیکن سفاح (سب سے پہلے عباسی خلیفہ) اور ابو مسلم خراسانی نے خاندان بنی امیہ کو چن چن کر قتل کیا تھا اس لئے کسی شہزادہ کا پتہ نہ مل سکا۔ آخر واہب بن ظہیر نے بتایا کہ ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن افریقیہ کے جنگلوں کے کنارے عباسیوں سے جان چھپائے بیٹھا ہے اور اس کا بالغ بیٹا اور اس کا جوان بھائی ابوالعباس سفاح کی افواج کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں چنانچہ قاصد بھیس بدل کر عبدالرحمان کے پاس پہنچے اور عہد و پیمان کر کے اس کو اپنے ہمراہ لے آئے۔

اس زمانہ میں عیسائیوں کی حکومت شمال مغرب کی طرف بہت تھوڑے حصہ میں تھی، باقی تمام سپین مسلمانوں کے قبضہ میں تھا مسلمانوں کا دورِ اول ۷۱۱ء سے ۷۵۵ء تک رہا اس عرصہ میں نو خلفا اور

۲۲ گورنروں نے اسپین میں حکومت کی

فصل دوم دوسرا دور

شاہان بنی امیہ (اسپین)

عبدالرحمان اول کے زمانہ میں مسلمانوں کی شجاعت کا حیرت انگیز واقعہ

شہزادہ عبدالرحمن[1]۔ عبدالرحمن اول کے نام سے ۷۵۶ھ میں تخت سپین پر بیٹھا۔ ملک میں بغاوتیں اور شورشیں بہت تھیں اس لئے ایک سال بلکہ اس سے زیادہ عرصہ فساد و شورش کے فرو کرنے میں صرف ہو گیا۔

سیوئل کا محاصرہ ایک دردناک مگر جرات انگیز واقعہ کی وجہ سے تاریخ سپین میں ہمیشہ یادگار رہیگا۔ واقعہ یہ ہے کہ امیر عبدالرحمان کا چچازاد بھائی عبدالملک فوج کا سپہ سالار تھا اس نے اپنے ایک فرزند قاسم کو جو لائق اور حسین و جمیل تہا۔ ایک حصہ فوج کا افسر مقرر کر کے دشمن کے مقابلہ پر بھیجا۔ وہ گیا۔ لیکن دشمن کی جرار فوج سے خوف کھا کر واپس آگیا۔ عبدالملک کو بیٹے کی اس حرکت پر سخت طیش آیا۔ اور کہا تو نے مسلمانوں کا نام ڈبو دیا۔ یہاں آنے سے وہاں مرجانا بہتر تہا۔ لے نامرد تو مروان کی نسل سے نہیں ہے نہ تو میرا بیٹا ہے عبدالملک نے اپنے ہاتھ سے اپنے لخت جگر کو کھینچ کر نیزہ مارا اور اسے ہلاک کر دیا اور حکم دیا کہ اس کی لاش کو اس کے سامنے سے ہٹا لیا جائے۔ یہ کہکر خود دشمن کے مقابلہ پر گیا اور فتحیاب ہو کر واپس آیا اس واقعہ سے تمام عیسائی سرکش اور مسلمان خود سر گروہ سیدہے ہو گئے۔

---

[1] عبدالرحمان بن معاویہ بن ہاشم بن عبدالملک بن مروان۔ جب العباس سفاح کے آدمی دریائے فرات کے کنارے شہزادگان امیہ کی تلاش میں آئے۔ تو عبدالرحمان غیر حاضر ہونیکی وجہ سے بچ رہا۔ البتہ پچاس اموی شہزادے تیغ اجل کا شکار ہو گئے وہاں میں عبدالرحمان کا خوردسال لڑکا اور ایک بہائی بہی تہا۔ یہاں سے بہاگ کر وہ بیابان مصر میں گیا۔ بدوؤں اور چرواہوں کے ساتھ اس کی رہائش ہونے لگی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ بارقہ میں آیا۔ جہاں ابن حبیب اس کے بزرگوں کا پروردہ حاکم تہا۔ لیکن یہ معلوم کر کے کہ ابن حبیب نئے خلیفہ کو خوش کرنے کے لئے عبدالرحمان کی گرفتاری کے فکر میں ہے یہاں سے بہی بہاگ گیا۔ اور طاہارت دافریقیہ کے شیوخ زنیٹ کے پاس پہنچا جنہوں نے اس کی بڑی خاطر کی۔ یہیں اس کو سپین کے قاصد بہی ملے جنہوں نے اس کو ہسپانیہ کی بادشاہی کی دعوت دی۔ یہ بادشاہ ۷۸۸ء میں ۳۲ سال حکمران رہنے کے بعد انتقال کر گیا۔

بادشاہ کی نصیحتیں اپنے بیٹے کو!

عبدالرحمان کے بعد ہاشم بعمر ۳۲ سال مسند نشین ہوا۔ اس بادشاہ نے علما و اطبا کی دستگیری کی عربی مدارس ملک میں جاری کئے۔ تمام ملک میں تعلیم مفت کر دی اور سارا خرچ خزانہ پر ڈالا ۔ ۷۹۶ء میں اس نے وفات پائی۔ مرنے سے قبل الحکم اپنے بیٹے کو بلایا۔ جو اس وقت ۲۲ سالہ نوجوان شہزادہ تھا۔ اس سے کہا اے فرزند سلطنت اور حکومت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے جب چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے جب تو اس عطایائے ربانی سے فیض یاب ہو۔ تو اس کی اس نعمت کا شکر کر اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی مخلوق کے ساتھ نیکی کر خصوصاً ان کے ساتھ جو تمہاری حفاظت میں ہیں امیر اور غریب کے ساتھ برابر عدل کر ظلم مت روا رکھ۔ ظلم تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ اپنی رعایا پر مہربان رہ اور حکومت صرف ان لوگوں کو عطا کر۔ جو صفات پسندیدہ رکھتے ہوں ایسے وزرا اور عمال حکومت کو بے رحمی سے سزا دے۔ جو رعایا پر سختی کریں اور محصولات (ٹیکس) کی زیادتی سے رعایا کو ہمیشہ تباہ حال رکھیں۔ جب تو فوج کشی پر مجبور ہو۔ تو یاد رکھ کہ ہمارا لشکر محافظ ملک ہے جو وعدہ ہو وہ پورا ہو۔ کام نکلنے اور ٹال دینے کے لئے نہ ہو اے فرزند اس بات سے مت غافل رہ۔ کہ رعایا کی محبت ملک کی حفاظت ہے اور رعایا کی ناراضگی و حقارت زوال سلطنت کا باعث ہے۔ رعایا میں سے سب سے زیادہ خبر گیری کے قابل کاشتکاروں کا فرقہ ہے۔ یہ وہ محنتی اور جفاکش لوگ ہیں۔ جو ہماری روزی کے لئے زمین سے غلہ نکالتے ہیں اور ہم اپنے محلوں میں آرام سے بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ ان کی زراعت ان کے باغات اور ان کی ہر قسم کی پیداوار کو پامالی اور تباہی سے بچانا ہر بادشاہ کا فرض ہے۔ اے فرزند اگر میری باتوں پر عمل کرو گے۔ تو رعایا بھی خوشحال اور آباد رہیگی اور تمہارا بھی روئے زمین کے نامور بادشاہوں میں شمار ہوگا (تاریخ اسپین صفحہ ۲۲۵ و ۲۲۶)

بادشاہ اور غریب عورت کا مقدمہ قاضی کی کچہری میں

الحکم باپ کے مرنے پر سنہ ۷۹۶ء مطابق ۱۸۰ھ میں تخت پر بیٹھا اور ۸۲۲ء یعنی چھبیس سال تک حکومت کرتا رہا۔ الحکم سے لوگوں کو بہت کچھ توقعات تھیں۔ وہ حکمرانی کے قابل تھا۔ مگر طبیعت کا بڑا سخت تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے دشمنوں کے تین سو سروں کو اپنے محل پر لٹکوایا تھا۔ اس لئے کسی کو اس کے سامنے بولنے کی طاقت نہ تھی۔ باایں ہمہ اس کے عہد حکومت میں جرات و حق گوئی اور فیاضی کا ایک بےنظیر واقعہ گذرا ہے۔ جو تاریخ سپین میں تو بڑی تفصیل سے درج ہے۔ مگر یہاں خلاصۃً درج کیا جاتا ہے۔

الحکم کو ایک مرتبہ ایسی جگہ بنگلہ بنانے کا خیال ہوا جو آب و ہوا کے لحاظ سے تو بہت اچھی تھی لیکن ایک بیوہ عورت کے قبضہ میں تھی۔ جو اپنی کٹیا بنا کر وہاں زندگی کے دن کاٹ رہی تھی۔ خلیفہ نے اس کا مکان خریدنا چاہا۔ لیکن اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ آخر زبردستی وہ زمین لے لی گئی۔ اور وہاں بادشاہ نے اپنا

ایک خوش نما بنگلہ تعمیر کرایا۔ عورت ہر چند بیوہ تھی اور غریب تھی۔ لیکن اسلام نے جو حقوق مساوات و آزادی کے عطا کئے تھے ان سے آگاہ تھی۔ اس نے محکمہ قضا میں بادشاہ پر استغاثہ دائر کر دیا۔ اور قاضی سے کہا۔ ایک غریب بیوہ کا مقابلہ بادشاہ سے ہے انصاف کی توقع کم ہے۔ لیکن اگر تم آزادی اور جرأت اور اپنے ان اختیارات سے جو تم کو حاصل ہیں انصاف کرو گے۔ تو میں کبھی اپنے حق سے محروم نہیں رہ سکتی۔ قاضی نے کہا۔ اے بوڑھیا بےفکر رہ میں عدل و انصاف کی کرسی پر بادشاہ اور ایک غریب عورت کو ایک ہی نظر سے دیکھوں گا۔ قاضی بادشاہ کی تند مزاجی اور اس کی طبیعت کی تلخی سے واقف تھا۔ اس نے ضابطہ اور قانون کے ساتھ دوسری تدابیر سے بھی کام نکالنا چاہا۔ چنانچہ جب بادشاہ اپنے بنگلہ اور محل کا ملاحظہ کر رہا اور باغات کو دیکھ رہا تھا۔ قاضی ایک گدھا معہ خالی بورئیے کے ہانکتا ہوا خلیفہ کے پاس لیگیا اور اس سے اجازت طلب کی۔ کہ میں اس جگہ کی مٹی لینے آیا ہوں۔ خلیفہ نے اجازت دیدی۔ جب قاضی نے بورا مٹی سے بھر لیا۔ تو خلیفہ سے کہا۔ مجھے تھوڑی سی مدد دیجئے۔ کہ میں بورے کو گدھے پر رکھ لوں۔ خلیفہ قاضی کے تمسخر پر خوش ہوتا رہا۔ بوجھ اٹھانے میں اس نے مدد دی۔ لیکن بہت بھاری ہونے کی وجہ سے بورا اُٹھ نہ سکا۔ قاضی نے کہا جب آپ ایک بورے کا بوجھ دوسرے کی مدد سے بھی نہیں اٹھا سکتے۔ تو اس دن جب احکم الحاکمین ذرا ذرا حساب لیگا۔ اور جب عدل و انصاف گدا و پادشاہ اور فقیر و غنی سب کو ایک قطار میں کھڑا کر لیگا۔ اور جب گدڑی پوش اپنے اعمال حسنہ کی وجہ سے ناانصاف پادشاہوں پر سبقت لیجائیں گے۔ آپ ساری زمین کا بوجھ کس طرح اٹھا سکیں گے۔ اور جب قیامت کے دن وہ غریب بوڑھیا جس کا مکان زبردستی چھین کر اور گرا کر آپ نے یہ محل تیار کرایا ہے۔ خدا کی جناب میں جو آہ مظلوماں کی داد رسی کی خاطر اجابت و قبولیت کو استقبال اور پیشوائی کے لئے دور تک آگے روانہ کر دیتا ہے۔ اپنا استغاثہ پیش کرے گی۔ تو آپ وہاں کیا جواب دیں گے؟

خلیفہ الحکم۔ قاضی کی یہ تقریر سنکر کانپ اٹھا۔ اور اس کی حق گوئی و جرأت کی تعریف کی۔ اور چونکہ اس زمین پر جو اس نے زبردستی حاصل کی تھی اب محل تیار ہو چکا تھا۔ اس لئے بادشاہ نے وہ محل اور باغ معہ تمام ساز و سامان جو لاکھوں روپوں کی ملکیت کا تھا۔ اس غریب بوڑھیا کو دیدیا جس سے وہ مالا مال ہو گئی۔

بادشاہ کا علمی مباحثہ علماء سے اختلاف پر

الحکم کا پوتا محمد عبداللہ اپنے باپ عبدالرحمٰن دوم کی وفات کے بعد ۸۵۲ء میں ہسپانیہ کا فرمانروا ہوا۔ رحمدلی۔ عدل اور شجاعت میں بےنظیر تھا اس کے زمانہ میں اندلوشیا و اسپین کے عالموں میں یہانتک اختلاف ہو گیا۔ کہ بادشاہ تک ایک دوسرے کی شکائتیں پہنچیں

علمائے قرطبہ کا زور تھا۔ دار الخلافہ میں رہنے کی وجہ سے اکثر علماء کی بادشاہ تک رسائی تھی۔ اس لئے حافظ عبد الرحمان باقی بن مجالد (باشندہ اندلوشیا) کو اپنی عزت کا بہت خطرہ تھا۔

علمائے قرطبہ نے بادشاہ سے کہا۔ کہ حافظ باقی فتنہ و فساد پیدا کرتا ہے۔ اور اس قسم کی تعلیم دیتا ہے جو آیات و احادیث کے خلاف ہے ہمارے موید تیرہ سو اور اس کے صرف ۲۸۴ علماء ہیں۔ اور ان میں بھی جو اصل علماء کہلانے کے مستحق ہیں صرف دس ہیں۔ بادشاہ خود بھی عالم تھا اس نے کہا۔ کہ میں حافظ باقی کو بلا تحقیقات نہ جلاوطن کر سکتا ہوں نہ قید اور نہ کوئی اور سزا دے سکتا ہوں۔ میں ہر فرقہ کی دلائل خود سنوں گا۔ چنانچہ وقت مقررہ پر حافظ باقی اور بڑے بڑے علماء شاہی محل جمع ہوئے بادشاہ نے ابو حبیبہ کی کتاب کو خود دیکھا اور جانچا اور جس طرح وہ ابو حبیبہ کی شرح کرتے تھے۔ اسکو سُنا۔ اور بعد میں کہا۔ ہر دو فرقہ میں جو اختلاف ہے۔ وہ نہایت ضعیف ہے۔ اور بالکل خفیف باتوں میں ہے اس اختلاف سے اصول آیات قرآنی اور احادیث احکامی میں کوئی ہرج واقعہ نہیں ہوتا حافظ باقی کے مسائل بالکل صحیح ہیں اس کے وعظ اور درس میں دست اندازی کرنا نہ صرف ناانصافی ہے۔ بلکہ لوگوں کو روشن ضمیری اور شائستگی اختیار کرنے سے منع کرنا ہے۔ علمائے قرطبہ یہ سُنکر خاموش ہوگئے

بادشاہ کی برسہار موت	محمد ہسپانیہ کے بہترین مسلمان بادشاہوں میں تھا۔ ۳۵ سال کی حکمرانی کے بعد ۸۸۶ء میں اسکا انتقال ہوا اس کی موت کا واقعہ نہایت عجیب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ کیسا

رقیق القلب اور خدا کا خوف رکھنے اور موت کو یاد کرنے اور عبرت انگیز حالات سے متاثر ہونیوالا تھا بادشاہ ایک دن معہ مصاحبین کے شاہی محلات کے باغات کی سیر کر رہا تھا۔ ایک مصاحب جابین نے کہا۔ زندگی کا لطف صرف بادشاہوں کے لئے ہی ہے۔ خوشی اور عیش فقط انہی کے لئے ہے[۲]۔ خوش نما باغات عمدہ محلات ہر قسم کی تفریحات ان کو حاصل ہیں لیکن موت ایک ایسی زبردست چیز ہے کہ عیش و عشرت کا تمام کارخانہ درہم برہم کر دیتی ہے۔ اور طاقتور بادشاہ ایک دہقانی مزدور کی طرح موت کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔ بادشاہ نے کہا طاہر بینوں کو بادشاہ مثل خوشبودار پھولوں کے دکھائی دیتے ہیں لیکن کیا ان کو معلوم نہیں ہے کہ گلاب کے پھولوں کے ساتھ تیز اور نوکدار کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ موت بیشک سب قصے تمام کر دیتی ہے۔ لیکن موت ان لوگوں کے لئے حیات ابدی اور مسرت روحانی کا باعث ہے۔ جو دنیا میں نیکنام رہے اور نیک کام کرتے رہے ہیں اگر موت نہ ہوتی۔ تو میں سپین کا بادشاہ

---

[۱] اپنے وقت کے[۱] نامی علما اور شاگردان احمد بن محمد بن حنبل کے فیض یافتہ تھے۔ قرطبہ میں اپنے ہم وطنوں کو کتب ابوبکر اور کتب ابو حبیبہ پڑھایا کرتے تھے [۲] بقول غالب ع بنا ہے عیش تجمل حسین خاں کے لئے۔

کس طرح ہوتا اور میں ہمیشہ کی زندگی لیکر آتا تو میرے بعد اوروں کو تخت کس طرح مل سکتا۔

اس کے بعد مجلس برخاست ہو گئی۔ بادشاہ آرام کرنے کے لئے محلات میں گیا اور سو گیا لیکن جب خدام نے دیکھا کہ بادشاہ حسب معمول نماز کو بھی نہیں اٹھا۔ تو انہیں فکر دامنگیر ہوا۔ وہ خوابگاہ میں گئے۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ کچھ ایسا سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے۔

بادشاہ نے انتقام کی بجائے معافی کو ترجیح دی

عبداللہ اپنے باپ المنذر خلف محمد کے بعد ۳۰۰ھ میں بادشاہ ہوا اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اکثر لوگوں کو رہا کیا خصوصاً پولٹیکل قیدیوں پر بہت مہربانی کی۔ ان کی جایدادیں بھی واگذار کردیں بشر لیف شیخ سلیمان بن الباغہ نے ایک مرتبہ عبداللہ سے بغاوت کی تھی۔ لیکن بادشاہ نے اپنی فطری فیاضی کے تقاضے سے اس کا قصور معاف کردیا تھا ۲۹۰ھ میں سلیمان نے بادشاہ کی ایک ہجو لکھی جو سارے ملک میں پھیل گئی۔ اس ہجو میں بادشاہ کو خچر اور وزراء کو خچربان بنایا گیا تھا عبداللہ نے سلیمان کو بلایا اور کہا سلیمان میری عنایات خراب زمین پر پڑیں اس لئے ضائع گئیں میں نہ خواستگار تعریف ہوں نہ ہجو کے قابل۔ گو یہ دونوں باتیں میرے نزدیک یکساں ہیں۔ بغاوت بہت بڑا جرم ہے۔ لیکن میں نے تجھے معاف کردیا گو اس معافی کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا لیکن میں انتقام پر درگذر کردینے کو ترجیح دیتا ہوں۔ میری ہجو کے شعر میرے سامنے پڑھو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ایک ایک شعر کے صلہ میں ایک ایک ہزار روپیہ دونگا خچر تو پھر بھی ایک کارآمد جانور ہے۔ تو مجھ پر جس قدر بڑا الزام لگاتا میں اسیقدر زیادہ اپنی عنایات کا بوجھ تجھ پر ڈالتا۔ سلیمان بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا اور زار زار روتا تھا اور معافی مانگتا تھا۔ بادشاہ نے معاف کیا اور پھر وہ تادم مرگ وفادار رہا۔ لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش۔

بادشاہ نے رعایا کے فواید پر بیٹے کو قربان کردیا

عبداللہ کے بعد ۹۱۳ء میں اس کا پوتا عبدالرحمٰن سوم ہسپانیہ کا بادشاہ ہوا عبدالرحمٰن کے دو بیٹے تھے۔ الحکم اور عبداللہ۔ دونوں قابل اور ممتاز تھے۔ لیکن بادشاہ نے الحکم کو اپنا ولی عہد قرار دیا۔ ابن عبدالدار عبداللہ کا ایک اولوالعزم رفیق تھا۔ اس کو بادشاہ سے اس امر کی شکایت تھی کہ اس نے اسے قاضی القضاۃ کا عہدہ نہیں دیا تھا۔ عبدالدار نے عبداللہ کو بہکایا۔ اور اسے بغاوت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ایک ساعت نحس میں بادشاہ اور الحکم دونوں کو قتل کرنے کی خوفناک سازش کی گئی۔ عبدالرحمان کو بھی خبر ہو گئی۔ اس نے ایک معتبر سردار کو معہ کافی فوج کے کارڈوا میں روانہ کیا۔ جہاں شہزادہ معہ اپنے رفیق عبدالدار کے گرفتار کر لیا گیا۔ جب بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو اس نے پوچھا۔ کیا اس وجہ سے آزردہ ہو۔ کہ تم بادشاہ

نہیں ہو۔ شہزادہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بادشاہ کے حکم سے دونو الگ الگ کمروں میں بند کر دیئے گئے۔ عبدالدار تو رات ہی رات خودکشی کر کے مرگیا۔ شہزادے کے الزام کے متعلق تحقیقات ہوئی۔ جرم صاف اور صریح تھا ....

.... جب شہزادے کے قتل کا فتویٰ صادر ہو گیا۔ تو اس کے بھائی الحکم نے جو ولیعہد تھا اور اپنے بھائی سے بڑی محبت رکھتا تھا رحم کی سفارش کی بادشاہ نے سفارش نامنظور کی۔ اور کہا تمہاری سفارش اور التجا بجا ہے۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں اور اس کی موت کو ٹھنڈے دل سے دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ لیکن میں بادشاہ ہوں۔ مجھکو آئندہ کا خیال بھی رہنا چاہیئے۔ اس کے دل کی خلش کبھی نہ جائے گی۔ میرے بعد تم دونوں ہمیشہ لڑتے رہو گے تم دونوں کا انجام تو جو ہو سو ہو لیکن رعایا تباہ و برباد ہو جائے گی۔ کتنی مائیں اپنے بچوں کو روئیں گی۔ کتنی عورتیں بیوہ ہوں گی۔ اور کتنے بچے یتیم ہو جائیں گے۔ ملک میں قحط سالی اور فصلوں کی تباہی دائمی بدامنی پیدا کر دے گی۔ جب ان باتوں کی طرف میرا خیال جاتا ہے۔ تو میں کانپ اٹھتا ہوں۔ اس لئے ہزارہا لوگوں کو بے خانمان۔ ہزاروں عورتوں کو بیوہ اور ہزاروں بچوں کو یتیم بنانے کی بجائے بہتر ہے کہ ایک ہی شخص کا جو بانئ فساد ہے۔ خاتمہ کر دیا جائے۔

اس کے علاوہ ایک دوسری بات بھی ہے۔ اگر کوئی اور شخص بادشاہ اور اس کے ولیعہد کی جان لینے کی کوشش کرے تو اس کی سزا پھانسی ہے اگر وہی جرم بادشاہ کا ایک بیٹا کرے تو کیوں رعایت کی جائے۔ اس لئے میں انصاف کے لئے ایک نظیر قائم کرنا چاہتا ہوں۔

میں اپنے اس نوجوان فرزند کے لئے نہایت روؤں گا۔ اور جب تک زندگی ہے روتا رہوں گا لیکن اے الحکم نہ تمہارے آنسو۔ نہ میرا رونا اور نہ میرے تمام خاندان کی سفارشیں میرے اس بدقسمت بیٹے کو اس صریح جرم کی سزا پانے سے بچا سکتی ہیں۔

چنانچہ عبداللہ اسی شب قتل کیا گیا۔ اور دوسرے دن اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوا۔ یہ واقعہ ۳۲۹ھ کا ہے۔

عبدالرحمان اپنے بیٹے کے غم سے کبھی فارغ نہ رہا۔ اس کا رنج و غم نامعلوم طور پر روز بروز بڑھتا گیا۔ مرنے سے ایک سال پیشتر اس نے گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ آخر یہ عادل بادشاہ ۳۶۱ھ میں بعمر ۷۳ سال اکیاون برس سلطنت کر کے انتقال کر گیا۔

مسلمان بادشاہوں کے احکام فوجی بھرتی اور دشمن سے سلوک کے متعلق	الحکم دوم اپنے باپ عبدالرحمان سوم کے بعد ۹۶۱ء مطابق ۳۵۰ھ میں تخت پر بیٹھا۔ ۹۶۳ء میں جب اس کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے لگا۔ تو اس نے اس خیال سے کہ ممکن ہے افسران فوج اور فوجی سپاہی ان احکام کو بھول گئے ہوں جو اسلام

نے اعدا کو دعوت اسلام اور بصورت دیگر جنگ کے موقعہ پر صادر کئے ہیں۔ الحکم نے ان احکام کی نقلیں تمام ملک اور تمام فوج میں مشتہر کرا دیں تاکہ ان احکام کے رو سے کوئی شخص کسی قسم کی بیضابطگی اور ناشائستہ حرکت نہ کرنے پائے جس سے اسلام پر کوئی حرف آسکے۔

یہ احکام حسب ذیل تھے۔

تمام اعدا کو دعوت اسلام دی جاتی ہے کہ وہ خوشی سے مذہب اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں۔ جب تک دشمن کی تعداد دگنی نہ ہو میدان جنگ سے بھاگنا نہایت رسوائی اور بدنامی ہے اور اس کی سخت سزا ہوگی۔

دشمن کے ملک پر حملہ یا قبضہ کرتے وقت عورتوں اور بچوں اور مذہبی لوگوں اور گوشہ نشینوں کو کوئی تکلیف نہ دی جائے بلکہ ہر طرح ان کی حفاظت کی جائے۔ اگر دشمن کو ایک مرتبہ "امان جان" دیدی گئی ہے اور اس سے اس کی جان بخشی کا وعدہ کر لیا گیا ہے تو از روئے مذہب وعدہ کی پابندی فرض ہے یہانتک کہ اگر ایک سردار نے پناہ دی ہو۔ تو تمام سرداروں پر اس کی تعمیل لازمی ہے۔

افسروں کو چاہیئے کہ تقسیم مال غنیمت میں کسی قسم کی رعایت یا طرفداری نہ کریں۔ سپاہی خواہ کسی مذہب کا ہو اس کو اس کا حصہ برابر ملنا چاہیئے۔ البتہ اگر کسی نے مقررہ خدمت سے زیادہ کام کیا ہو۔ تو اس کا معاوضہ اس کو الگ ملنا چاہیئے۔

جہاد کے لئے فوج کی ضرورت ہے لیکن یاد رہے کہ بھرتی میں کسی قسم کی سختی نہ ہو جس آدمی کے ماں باپ بقید حیات ہوں۔ اس کو بغیر ماں باپ کی اجازت کے لڑائی میں شامل ہونے کی سخت ممانعت ہے (تاریخ سپین صفحہ ۴۲۸)

الحکم کے ایسے ہی احکام تھے کہ مسلمان تو ایک طرف عیسائی اس کے گرویدہ تھے۔ بلکہ اکثر عیسائی امرا سپین کے مسیحی حصص اور فرانس کی عیسائی حکومت سے بیزار ہو کر الحکم کے دربار میں آتے تھے اور حسب مراتب نشو و نما پاتے تھے۔

سپین میں سب سے پہلے الحکم ہی نے پیمائش اور مردم شماری کرائی تھی۔ آبپاشی کا محکمہ قائم کرایا اس کے زمانہ میں صرف دارالسلطنت قرطبہ ہی میں سلطنت کی طرف سے پچاس شفاخانے اور اتنی

دار العلوم تھے جہاں ہر خاص و عام کو مفت دوائیں اور مفت تعلیم ملتی تھی۔ بعمر ۶۳ سال۔ سولہ سال حکومت کرنے کے بعد ۹۷۶ء میں یہ بادشاہ انتقال کر گیا۔

مسلمانوں کا سلوک یہودیوں سے

بزمانہ الحکم ۹۶۷ء میں دریائی ڈاکوؤں نے ایک یہودی عالم رب موسیٰ اور اس کے بیٹے رب نوح کو گرفتار کر لیا۔ اور قرطبہ میں اونے پونے بیچ گئے۔ یہودیوں کو خبر ہوئی۔ انہوں نے اپنے ہم قوم کو غلامی سے نجات دلوا دی اور اپنے مدرسہ میں معلم مقرر کر دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد رب موسیٰ کو وطن کی یاد آئی۔ وہ واپس جانے کی تیاریاں کرنے لگے بادشاہ کو خبر ہوئی۔ اس نے اس کے ساتھ شاہانہ سلوک کیا۔ ہر قسم کی رعائتیں دیں اور قرطبہ ہی میں رہنے کی ترغیب دی۔ یہود شرفا اور امرا کو بلایا۔ اور اپنی خوشی کا اظہار کیا کہ تم لوگ اپنے مذہب کے اتنے بڑے عالم و فاضل رکھتے ہو۔ ایسا عالم تم میں موجود ہو۔ تو تمہیں اپنے بچوں کو دار السلطنت سے باہر بھیجنے کی کیا ضرورت ہے چنانچہ رب موسیٰ مرتے دم تک قرطبہ ہی میں رہا۔

الحکم کے بعد بنی امیہ کے بادشاہوں نے جب اسلام کی حقیقی پیروی چھوڑ دی۔ تو ان کی سلطنت بھی رفتہ رفتہ کمزور ہونے لگی۔ آخر ہاشم سوم المعتد باللہ (۱۰۳۱ء مطابق ۴۲۲ھ) کے زمانہ میں عیسائیوں نے پر پرزے نکالنے شروع کئے انہوں نے اکثر ممالک مسلمانوں سے لے لئے اور قرطبہ کی سلطنت اعظم ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگی۔

فصل سوم تیسرا دور

خاندان جوہر بن محمد

جب (۱۰۳۱ء میں) قرطبہ میں خاندان امیہ کی کامل بربادی ہو چکی[۱]۔ تو امرائے شہر نے جوہر بن محمد بن جوہر کو جو ایک اعلےٰ خاندان سے تھا اپنا بادشاہ منتخب کیا۔ جوہر نے شاہی محلات میں داخل ہونے سے پیشتر اس محافظ فوج کو یک لخت برخاست کر دیا۔ جو ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتی تھی۔ اور

[۱] اس بادشاہ کے زمانہ میں اور اس سے کچھ پہلے خاندان امیہ کی خانہ جنگیوں اور ان کی کمزوریوں سے فایدہ اٹھا کر سپین کے مختلف صوبوں میں الگ الگ حکومتیں ہو گئیں۔ سیویل۔ ٹولیڈو۔ زاراغوزہ۔ ہویسکا۔ گرے نیڈا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۴ پر)

جس سے رعایا ہمیشہ بھڑک اٹھا کرتی تھی۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی مخبروں اور جاسوسوں کا محکمہ ہی اڑا دیا۔ اور کہا یہ لوگ جھوٹے مقدمات بناتے اور فتنہ فرو کرنے کی بجائے ملک میں فتنہ و فساد پیدا کرتے رہتے ہیں تاکہ ان کی کارگزاریاں ظاہر ہوتی رہیں۔

اس نے اپنی مملکت میں سرکاری وکیل مقرر کئے جن کو خزانہ سے تنخواہ ملتی تھی۔ قابل قاضی عدالتوں میں جج بنائے نیم حکیموں اور جاہل طبیبوں اور طبابت کے جھوٹے مدعیوں کو جو بلا علم و لیاقت جہلا کی اموات کا باعث ہوتے تھے۔ اپنے ملک سے جبرًا باہر نکال دیا۔ اور دارالسلطنت میں طبابت کا ایک اعلیٰ مدرسہ (کالج) قائم کیا۔ جہاں طبیبوں اور حکیموں کا امتحان ہوتا تھا۔ جو ملک کے سرکاری شفاخانوں میں تعینات کئے جاتے تھے

جوہر کے حکم سے دارالخلافہ اور بڑے بڑے شہروں میں ہر قسم کی اجناس کا کافی ذخیرہ موجود و محفوظ رہتا تھا۔ ۲۲۲ء کے قریب جوہر کے مرنے پر اس کا بیٹا محمد بادشاہ ہوا۔

مسلمان بادشاہ کی طرف سے عیسائی بادشاہ کی خاطر داریاں

محمد بن جوہر کے زمانہ کا ذکر ہے کہ المامون بادشاہ ٹولیڈو کے پاس شاہزادہ الفنزد بن فرڈی نینڈو[۲] اپنے بھائی ڈون سانچو بادشاہ کاسٹیل دلیون کے خوف سے پناہ گزین ہوا تھا۔ مامون جانتا تھا کہ شہزادہ مسلمانوں کے جانی دشمن کا بیٹا ہے۔ مگر چونکہ وہ پناہ گزین ہوا تھا۔ اس نے اس کو اپنے محل کے قریب ایک عالیشان مکان دیا۔ اعلےٰ درجہ پر اس کی مہمانداری کی۔ کئی اور عیسائی رئیس بھی اس کے ہمراہ تھے۔ اس کا تمام سامان اس کے مذہب کے مطابق تھا۔ بادشاہ اکثر اس کو شکار میں اپنے ہمراہ لیجاتا تھا۔ بادشاہ کی دیکھا دیکھی۔ اکثر اور مسلمان رؤسا بھی اس کو اپنے جلسوں میں مدعو کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ المامون اور اس کے درباریوں نے عیسائیوں کے خلاف ایک مشورہ کیا۔ کہ ان کی طاقت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس سے کس طرح نجات حاصل کرنی چاہئے۔ اسی مشورہ میں یہ تجویز بھی پاس ہوئی۔ کہ عیسائیوں کے سب سے بڑے شہر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۳) مالاگا اور کئی اور صوبوں میں مختلف عرب اقوام حاکم ہوگئیں۔ بادشاہ کا رڈوا (قرطبہ) کو پہلے تو عیسائیوں سے لڑنا پڑتا تھا اب مسلمانوں کے ساتھ بھی اس کو لڑنا پڑا جس سے مسلمانوں کی طاقت روز بروز کمزور ہوتی گئی خاندان امیہ کا ایک شہزادہ تھا۔ اس نے کہا کہ مجھے حکومت کا ایک مرتبہ موقعہ دو۔ اگر مجھے کسی کام کا نہ دیکھو تو بیشک مجھے تخت سے اتار دو۔ لیکن اہل دربار نے تسلیم نہ کیا اور بالآخر جوہر کو منتخب کیا گیا۔

[۲] فرڈی نینڈ اس زمانہ میں سپین و پرتگال میں عیسائیوں کا ایک زبردست بادشاہ تھا۔ بنی امیہ کے زوال سپین کے دنوں میں اس نے بڑے بڑے صوبے فتح کرلئے تھے۔ مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ ٹولیڈو پر بھی ایک مرتبہ فوج کشی کرنی چاہی تھی۔ مگر المامون نے تحفے تحائف بھیج کر اپنی حکومت بچا لی تھی۔

(کاسٹیل) میں رسد کی آمد بند کردی جائے۔ اور اس کے گرد جسقدر ملک ہے سب کو ویران کر دیا جائے
یہ خبر النزد اور اس کے ہمراہی عیسائیوں کو بھی ہوگئی۔ امرائے دربار نے المامون کو صلاح دی۔ کہ ایسے
خطرناک مہمانوں کو مار آستین بنانے کی بجائے قتل کر دینا زیادہ مناسب ہے۔ اندیشہ ہے۔ کہ ہمارا
راز فاش ہو جائیگا۔ لیکن المامون نے اپنے وزرار کی رائے سے اختلاف کیا اور کہا اسلام اس عہد شکنی
اور مہمان کشی کی اجازت نہیں دیتا۔

۱۰۷۲ء میں ڈون سانچو کے قتل ہونے پر النزد کی بہن اراکا نے ٹولیڈو میں اس کے پاس قاصد
بھیجا۔ کہ جس طرح ہو بھیس بدلکر نکلو اور بادشاہی حاصل کرو۔ اگر ٹولیڈو کے بادشاہ کو معلوم ہوگیا۔
کہ کاسٹیل کا تخت خالی ہے۔ تو وہ حملہ کر دے گا۔ النزد المامون کے احسانات سے دبا ہوا تھا
اس نے بغیر اطلاع کے جانا مناسب نہ سمجھا۔ المامون نے تخت کی مبارکباد دی اور کہا۔ کہ میری کوئی خاص
شرط نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ میرے اور میرے بیٹے کے ساتھ تمہاری وفاداری میں کوئی فرق نہ آئے
جب النزد کی رخصت کا وقت آیا۔ تو بڑے بڑے سرداروں کے ہمراہ اپنی سرحد تک اس کو پہنچانے
آیا۔ اور بیش قیمت تحفے تحائف دیکر رخصت کیا۔

۱۰۷۷ء میں المامون کے بعد ہاشم اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ مگر اس کو صرف دو ہی سال سلطنت
نصیب ہوئی۔ ۱۰۷۹ء میں المامون کا دوسرا بیٹا یحییٰ تخت پر بیٹھا۔ اس کی ناروا حرکتوں سے عیسائی
اور مسلمان بھڑک اٹھے۔ آخر النزو نے اپنے ولی نعمت اور محسن المامون کے بیٹے پر فوجکشی کی محاصرہ
چھ سال تک رہا۔ باشندگان ٹولیڈو نے مجبور ہو کر شہر عیسائیوں کے حوالے کر دیا۔ یحییٰ والنشیا
(ویلنشیا) چلا گیا اور ۱۰۸۵ء میں قدیم گوتھک دارالخلافت سپین جو ۳۷۲ سال تک مسلمانوں کے
قبضہ میں رہا تھا۔ پھر عیسائیوں کے قبضہ میں آگیا۔

ابن عابد بادشاہ سیویل (اشبیلیہ) تھا۔ اس نے مسلمان شاہزادگان سپین کے پاس قاصد
بھیجے کہ عیسائی مثل رعد کے گرج رہے اور مثل بجلی کے کڑک رہے ہیں۔ اسلام ان کے خوف سے تباہی
میں ہے اس لئے ہم سب کو مل کے عیسائیوں خصوصاً النزد کی ترقی کو روکنا چاہیئے۔
سپین میں مسلمانوں کا نیرادہ ۱۰۳۱ء سے ۱۰۹۰ء تک رہا۔

فصل چہارم دور چہارم

حکومت المرادیہ

گیارہویں صدی عیسوی میں مراکش (افریقہ) میں یوسف بن تاشفین بانی قبیلہ المرادیہ[1] کی شہرت دور تک پھیل گئی تھی۔ مسلمانان سپین نے باہمی صلاح و مشورہ سے یوسف کو اپنا نجات دہندہ[2] قرار دیکر اپنے قاصد اس کے بلانے کے لئے بھیجے۔

یوسف دس ہزار فوج لیکر سپین کی حدود میں داخل ہوا۔ لڑائی ہوئی۔ الفنز وزخمی ہو کر قید ہو گیا۔ مگر مسلمانوں کی غفلت اور عیسائیوں کی حکمت عملیوں سے بھاگ نکلا۔ بہر حال فتح مسلمانوں کو ہوئی۔ یعنی یہ ایک سنبھالا تھا۔ باوجود فتح کے سیوئل کے بادشاہ ابن عابد کی غیرت و حمیت اور خودداری یہانتک مٹ گئی تھی۔ کہ اس نے الفنز و سے صلح کی درخواست کی اور اپنی دختر زیدہ کی شادی اس کے ساتھ کردی۔ اور جہیز میں تین بڑے بڑے شہر اس کے حوالے کئے یوسف کو خبر ہوئی۔ اس نے ابن عابد کو گرفتار کر کے مع اس کے بقیہ خاندان کے افریقہ میں بھیج دیا جہاں اس کو اس کی بے غیرتی و بے حمیتی کی یہ سزا دی کہ اس کا گذارہ نہایت قلیل مقرر کیا۔ اس کی لڑکیاں چرخہ کات کر اور کپڑا سیکر باپ کا پیٹ پالتی تھیں آخر تین چار برس کے بعد وہ مر گیا۔

سیوئل لینے کے بعد یوسف والنشیا کی طرف گیا۔ جہاں یحیٰی بن المامون سابق بادشاہ غرناطہ و ٹولیڈو حکمران تھا۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کا خیر خواہ بنکر یحیٰی کی مدد کی۔ مگر یوسف کامیاب ہوا اور یحیٰی میدان جنگ میں مارا گیا۔

---

[1] عرب کی دو قومیں لمتونا اور غودالا اپنے مویشیوں کے ساتھ افریقہ کے بیابانوں میں آئیں۔ غودالا قوم کرد ان سے ایک عالم کو اپنے ہمراہ لے آئی۔ وہ عالم مسلمان تھا۔ اس تمام قوم نے اس عالم کا مذہب قبول کر لیا جس زمانہ میں ابن عابد بادشاہ سیوئل اور ہسپانیہ کے دیگر مسلمانوں نے اپنے قاصد یوسف کے پاس بھیجے۔ وہ مراکو میں حکمران تھا اور اسی قوم کا حاکم تھا مراکو اس کے چچازاد بھائی اور حاکم پیشین ابو بکر نے آباد کیا تھا۔

[2] کارڈوا کے قاضی اور ابن عابد بادشاہ سیوئل کے فرزند "رشید" نے اپنے ملک میں اغیار کے بلانے سے اپنے باپ کو منع کیا تھا اور کہا تھا ان کے عقاید ہم سے مختلف ہیں۔ اور یوسف اس مدد کے معاوضہ میں اجزائے اس ہی طلب کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ ہمیں عیسائیوں سے زیادہ تنگ کریگا۔ مگر دربار نے ان دونوں کی باتیں نہ سنیں۔

اب نوبت یہانتک پہنچ گئی تھی کہ خاندان المرادیہ نے سپین میں ایک نمایاں طاقت حاصل کر لی تھی اور سوائے زاراغوزہ کی اسلامی حکومت کے تمام اسلامی سپین پہر ایک مرتبہ ایک ہی سلطنت کے ماتحت ہو گیا تھا۔

یوسف نے ۴۰ سال افریقیہ اور ۲۰ سال سپین میں حکمرانی کی ایک سو سال کی عمر میں ۱۱۰۶ء میں اس نے مراکو میں انتقال کیا۔ فرقہ المرادیہ ۱۰۹۱ء میں ہسپانیہ پر حکمران ہوا۔ اور صرف ۵۶ سال حکومت کرنے کے بعد نہ صرف ہسپانیہ بلکہ اپنے اصلی ملک افریقیہ سے بہی محروم ہو گیا۔

یوسف کے بعد اس کا بیٹا علی سپین کی اسلامی حکومت کا فرمانروا مقرر ہوا۔ وہ خود تو اپنے باپ کی طرح عموماً مراکو ہی میں رہتا تھا سپین میں اس کے بھائی وغیرہ صوبجات کے حاکم مقرر ہوتے تھے۔

قبیلہ المرادیہ ہر چند مسلمان تھا مگر ہسپانوی مسلمان ان کے سلوک کے ہمیشہ شاکی رہے خصوصاً یوسف کے بعد یہ شکایات بہت بڑھ گئیں خلفائے بنی امیہ کا قاعدہ تھا کہ وہ خزانے داد و دہش کے لئے وقف رکھتے تھے علم و فضل کی انہوں نے قدردانی کی ملک کو مہذب و بارونق بنا دیا لیکن المرادیہ حکام علم سے چنداں دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ اور نہ انہوں نے خلفائے بنی امیہ کی طرح سپین کو اپنا وطن ہی بنایا تہا۔ بلکہ سپین کی تمام دولت پنشنوں اور تنخواہوں اور بادشاہوں کے تحفے تحائف اور نذرانوں کی صورت میں سمندر پار افریقیہ پہنچ رہی تھی۔ افریقیہ اقوام صحرائی سے آباد تہا سپین ایک مہذب اور ترقی یافتہ ملک تہا۔ اس لئے اہل سپین (عیسائی خواہ مسلمان) ہمیشہ برانگیختہ رہتے تھے۔

علی بن یوسف کے عہد کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے اور اسی واقعہ نے انتہائی صورت اختیار کر کے اس کی سلطنت کا بھی خاتمہ کر دیا۔

علی نے حکم دیا کہ امام غزالی کی تمام کتابوں کو جلا دیا جائے۔ ان کا پڑھنا پڑھانا ایک ملکی جرم قرار پایا۔ الغزالی کے شاگردوں میں عبداللہ نامی ایک عالم نے عبدالمومن نام ایک لڑکے کو فیض کے لئے اپنے ہمراہ لیا قرآن و حدیث کی اسے تعلیم دی۔ اور بڑے بڑے علماء کی تفسیریں اسے پڑھائیں۔ یہاں ایک جماعت پیدا کر کے وہ مراکو میں گیا۔ عید کا دن تھا۔ سب لوگ مراکو کی عالیشان مسجد میں جمع تھے۔ جہاں علی کھڑا تہا۔ عبداللہ جسارت کر کے وہاں پہنچا۔ اور بادشاہ کے برابر کی صف میں کھڑا ہو گیا۔ ایک درباری نے منع کیا کہ تم بادشاہ کے روبرو کھڑے ہو۔ عبداللہ نے کہا۔ خانہ خدا میں فقیر اور بادشاہ کا کیا سوال! یہاں

سب برابر ہیں۔ اسی مطلب کی چند آیتیں بھی اس نے پڑھیں ۔اس کے استقلال اور اس کی خوش بیانی کا لوگوں پر بڑا اثر ہوا علی نے کہا اگر تم سیاح ہو تو ملک کی خوب سیر کرو۔ تم کو آسائشیں بہم پہنچائی جائیں گی۔ اگر بزرگ گوشہ نشین ہو۔ تو بھی بتاؤ تمہیں مکان دیا جائے گا۔ عبداللہ نے بغیر پس وپیش کے جواب دیا میرا کام آپ کے خیالات وقیاسات سے بلند و بالاتر ہے میں خدائے پاک کا کلام آزادی کے ساتھ لوگوں کو سنانا چاہتا ہوں۔

علی نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر اس کے پیچھے قاضیوں اور عالموں اور عام لوگوں کی خفیہ پولیس چھوڑ دی۔ جنہوں نے بادشاہ کو رپورٹ کی کہ اگر بادشاہ اپنے طلائی محلات میں رہنا چاہتا ہے۔ تو عبداللہ کو آہنی پنجرہ میں بند کردے لیکن علی نے اس رپورٹ پر چنداں توجہ نہ کی۔ اور عبداللہ اپنے درس اور وعظ میں برابر مصروف رہا جب علماء اور قاضی اس کے آزادانہ وعظ سے زیادہ گھبرا گئے۔ تو بادشاہ کو مختلف ذریعہ سے بھڑکایا گیا۔ آخر حکم ہوا کہ عبداللہ کو زندہ یا مُردہ جس طرح ہو گرفتار کیا جائے۔ عبداللہ کو بھی خبر ہوگئی۔ وہ بھاگ کر فوراً اسپین میں چلا آیا۔ جو اس کا اصلی وطن تھا جس زمانہ میں یہ امور افریقہ میں ظاہر ہو رہے تھے علی کی سلطنت سپین میں اندر ہی اندر رعایا کی ناراضگی کی وجہ سے واس لئے کہ ملک کی تمام دولت افریقہ میں کھچی چلی جا رہی تھی) کمزور ہو رہی تھی عیسائی سلطنتیں اس موقعہ سے خوب فائدہ اٹھا رہی تھیں۔ جہاں اسلامی احکام جاری تھے۔ وہاں تثلیث کا سکہ بیٹھ رہا تھا۔

عبداللہ کے مرنے کے بعد عبدالمومن اس کا شاگرد جو علم وفضل اور جرأت و بے باکی میں اس سے کم نہیں تھا۔ اس کا جانشین ہوا۔ ادھر علی کے بعد اس کا بیٹا تاشفین اور پھر اس کے بعد اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا۔ عبدالمومن کی طاقت افریقہ میں بڑھ رہی تھی۔ اور المرادیہ کی حکومت زوال پذیر تھی۔ عبدالمومن نے فیض اور مراکو دونوں پر قبضہ کرلیا۔ اور آخر سارے افریقہ پر اس کا پرچم لہرانے لگا۔

عبدالمومن نے جو عبداللہ المشہور مہدی کا جانشین تھا۔ المرادیہ کے سب سے آخری بادشاہ ابراہیم گرفتار کرلیا جو بالکل نوعمر تھا۔ اس کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا نہیں تھا۔ لیکن اپنے درباریوں کے اصرار سے اس نے اس نوعمر بادشاہ کو مع اس کے تمام رشتہ داروں کے ۱۱۴۶ء میں قتل کرکے المرادیہ کی بادشاہی کا خاتمہ کردیا۔

فصل پنجم پانچواں دور

خاندان المہدیہ

جس طرح سپین کی عیسائی حکومتوں نے المرادیہ کے حملہ سپین کے وقت یحییٰ کو مدد دی تھی اسی طرح اب المہدیہ کے حملہ کے وقت انہوں نے المرادیہ حکام کو مدد دی۔ لیکن اپنے نتائج کے لحاظ سے عیسائیوں کی یہ خود غرضانہ اعانتیں ہر موقعہ پر بیہودہ ثابت ہوئیں۔

قدیم مؤرخ (مسلمان) المہدیہ اور المرادیہ دونوں سے یکساں نفرت رکھتے تھے۔ وہ عیسائیوں کو اس لئے ترجیح دیتے تھے کہ گو وہ ہم مذہب نہیں ہیں۔ لیکن ہم وطن ہیں۔ ہمارا رہنا سہنا جینا مرنا سب انہی کے ساتھ ہے۔ ملک کا روپیہ ملک ہی میں رہتا ہے۔ غیر حکومت جو آئے گی۔ وہ ملک میں قحط و افلاس پیدا کرے گی۔ اس لئے کہ روپیہ اور جنس کھینچ کر وہ اپنے ملک میں لیجاتی ہے۔

۱۱۴۶ء میں عبدالمومن نے سپین کا رخ کیا۔ حملہ نہایت سخت تھا۔ عیسائی تاب نہ لا سکے بکثرت عیسائی قیدی مراکو پہنچائے گئے۔ چار سال کے بعد وہ دوسرے حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا کہ دیواجل نے اس کو دبوچ لیا۔ عبدالمومن لڑائی میں جفاکش اور فتح مند اور حالت امن میں مدبر تھا۔ علم ادب کا بڑا شائق تھا۔ خشک مزاج قبیلہ المرادیہ نے علم کی طرف کوئی توجہ نہ کی مگر عبدالمومن نے اشاعت علم اور درستئ اخلاق کو اپنا مقدم فرض سمجھا۔ عبدالمومن کے بعد اس کا بیٹا یوسف اور یوسف کے بعد یعقوب تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانہ (۱۱۹۵ء) میں بمقام الارکوس (سپین) عیسائیوں سے اس کی خونریز لڑائی ہوئی۔ یعقوب جنگ کی رات (۱۹۔ جولائی) دوزانو جانماز پر بیٹھا رہا۔ اور خدائے واحد سے اس کی برتری اور اشاعت توحید کے نام لیوؤں کی کامیابی و سلامتی کی دعا مانگتا رہا۔ عیسائی بدترین شکست اور ناقابل تلافی نقصان اٹھا کر بھاگ گئے۔ اور یعقوب مظفر و منصور پہلے الارکوس اور پھر سیویل میں داخل ہوا۔ اسی عظیم الشان فتح نے یعقوب کو المنصور کے نام سے مشہور کر دیا۔ یعقوب نے کمال فراخدلی سے اس موقعہ پر ۲۰ ہزار عیسائی قیدیوں کو بلا فدیہ رہا کر دیا۔ مراکو میں واپس آنے

پر اس کا انتقال ہو گیا۔ اور اسکی جگہ محمد ابو عبداللہ اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا۔
عیسائی اس شکست و نقصان کی ذلت و ندامت سے کبھی غافل نہ رہے مگر محمد نے سپین آنیکا خیال ہی چھوڑ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی مسلمانوں پر سخت ظلم کرنے لگے۔ آخر محمد مراکو سے باہر نکلا جب سپین میں داخل ہوا۔ تو معلوم ہوا تمام عیسائی طاقتیں باوجود باہمی مخالفتوں کے مسلمانوں کے مقابلہ میں متفق و متحد ہو گئی ہیں۔ تاہم اس نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور جان سلامت لیکر بھاگ گیا۔
مسلمانوں نے عیسائیوں پر فتح پاکر جو سلوک ان کے ساتھ کیا ہسپانیہ کی تاریخ اس سے بار احسانات سے دبی ہوئی ہے لیکن عیسائیوں نے فتح کے بعد جو سلوک مسلمانوں سے کیا۔ اس کو ایک عیسائی مصنف الفاظ ذیل میں لکھتا ہے "سپاہی انسانیت اور عیسائیت کو بھول گئے تھے۔ عیسائیوں نے خوفناک خونریزی کی۔ جوان اور فوجی تو الگ۔ ہزارہا ایسے لوگ بھی قتل کئے گئے جو اپنی حفاظت کرنے کے ناقابل تھے" یعنی بیمار ضعیف۔ اپاہج اور بچے تھے۔ اور عورتیں بھی ان میں شامل تھیں۔ یہاں تک کہ بعض مسلمانوں نے مسجد اعظم میں بہ امید رحم پناہ لی لیکن وہ زندہ جلا دیئے گئے۔ ایک اور عیسائی مصنف لکھتا ہے۔ افسوس تمام آدمی بلا لحاظ عمر و سن یا جنس یعنی ذکور و اناث کی تمیز کے قتل کر دیئے گئے یہ خونریزی دیکھکر عیسائی بادشاہ کاؤل ہی کانپ اٹھا۔ اس نے عام معافی کا اعلان کرنا چاہا۔ لیکن پادریوں اور بشپوں کے تعصب اور جوش نے بادشاہ کو اس کے ارادہ سے باز رکھا[1]
درحقیقت اسی زمانہ سے مسلمانوں کی طاقت سپین میں کمزور ہونی شروع ہو گئی۔ محمد کے جانشینوں میں المامون نام ایک مہدوی شہزادہ اولوالعزم اور صائب الرائے تھا۔ لیکن ایک مسلمان سردار شیخ یحیٰی ابن الناصر نے عیسائیوں کی مدد سے اس کو پھر افریقہ جانے پر مجبور کر دیا۔ المامون پھر ایک مرتبہ اپنی کھوئی ہوئی طاقت بحال کرنے کے لئے سپین میں آیا لیکن شکست کھا کر واپس گیا۔ اور پھر سپین میں نہیں آیا۔ اس کے ساتھ ہی سپین میں خاندان المہدیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

---

[1] تاریخ سپین صفحہ ۶۴۹ و ۶۵۰۔

فصل ششم چھپا دوسرا

خاندان ابن ہود و ابن الاحمر

خاندان المہدیہ کی تباہی پر سب سے پہلے سیویل (اشبیلیہ) پھر غرناطہ اور پھر کئی اور اسلامی حکومتیں خود مختار ہوگئیں۔ بادشاہان زاراغوزہ کی نسل سے ابوعبداللہ محمد بن یوسف ابن ہود ایک ہوشیار شہزادہ انقلاب زمانہ سے اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا تھا۔ اس نے ایک گروہ پیدا کیا اور مسلمانوں کو المہدیہ کے مظالم سنا سنا کر اپنا طرفدار بنا لیا اور رفتہ رفتہ ایک مستقل سلطنت کا بانی ہوگیا۔ صوبہ بلنسیہ والنشیا میں ابھی تک المہدیہ حاکم موجود تھا۔ طوائف الملوکی سے فائدہ اٹھا کر شیخ جمیل بن زیان نے اس کو وہاں سے نکال دیا اور خود والنشیا کا حاکم ہوگیا۔ آٹھ برس تک اس نے باستقلال حکومت کی تھی کہ عیسائیوں نے اس صوبہ کو فتح کر لیا اور پچاس ہزار سے زیادہ مسلمانوں کو وہاں سے جلاوطن ہونے پر مجبور کیا۔ ان میں سے بعض ریاست غرناطہ اور بعض افریقیہ کو چلے گئے۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کی یہ سب سے پہلی جلاوطنی تھی۔

مسلمانوں کی دوسری جلاوطنی فرڈی ننینڈ بادشاہ کاسٹیل کے زمانہ میں ہوئی۔ ابن ہود یعنی ابوعبداللہ کو اس کے عیسائی سفیر نے اس موقعہ پر بڑا دھوکہ دیا۔ آخر اسے مغلوب ہو کر یہ ذلت انگیز شرائط قبول کرنی پڑیں کہ مسلمان سوائے جان سلامت لیجانے کے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں چنانچہ مسلمان اپنا مال و اسباب۔ اراضی، مکانات۔ کارخانے اور جائیدادیں چھوڑ کر انڈالوشیا میں پناہ گزین ہو گئے۔ جہاں ابھی تک اسلامی حکومت تھی مگر برائے نام تھی۔ اور عیسائیت کے زور و جبر سے چند دنوں کی مہمان نظر آ رہی تھی۔ خاندان بنی امیہ نے جو اعلیٰ ترین مسجد کارڈووا (قرطبہ) میں تعمیر کی تھی۔ اب وہاں گرجا گھر کا کام لیا جانے لگا۔ مدارس اور دارالعلوم عیسائی سپاہیوں سے بھر گئے اور خاندان بنی امیہ کے دارالخلافہ کے عظیم الشان

کتب خانے عیسائیوں کے ہاتھ میں چلے گئے۔ فرڈی نینڈ نے مسلمانوں کو جلا وطن کرنے کے بعد سپین کے ہر ایک حصہ اور جنوبی فرانس سے عیسائی بلا کر وہاں آباد کئے اور مسلمانوں کی جائیداد اِنہیں بیدردی کے ساتھ مفت تقسیم کیں۔

ابن ہود اسی غم میں دفعتہً بغیر کسی بیماری کے مرگیا۔ اس کی موت مسلمانوں کے لئے ایک اور پیغام مصیبت لائی۔ یعنی تھوڑے ہی دنوں کے بعد عابد الدولہ جو اس کا بھائی اور جانشین تھا مرگیا۔ اسی اثنا میں محمد بن نذیر ابن الاحمر (امیر ارجونہ اور جائن) نے غرناطہ میں اپنی سلطنت قائم کرلی۔ ڈون جیمی جس نے ابن ہود کے زمانہ میں مسلمانوں کو سپین سے سب سے پہلے جلا وطن کیا تھا اب پھر انگریزوں اور فرانسیسیوں کی مدد سے والنیشیا کی طرف بڑھا۔ جہاں مسلمانوں کی حکومت تھی۔ اور ظاہر یہ کیا۔ کہ میں یہ ملک اصلی حقدار کو دلاؤں گا جس کو موجودہ بادشاہ نے خارج البلد کر دیا ہے۔ اس فریب اور بہانے سے اس نے اکثر مسلمان بھی اپنی فوج میں ملائے بالنسیہ (والنیشیا) کا بادشاہ اتنی قوتوں کا کس طرح مقابلہ کر سکتا تھا خصوصاً جبکہ مسلمان بھی جو اس کے اپنے ہم مذہب تھے۔ عیسائی سلطنتوں کی ابلہ فریبیوں میں آکر اور ان کے وعدوں کو وحی آسمانی سمجھکر مسلم کشی پر آمادہ تھے۔ آخر والنیشیا جب فتح ہو گیا۔ اور جب ڈون جیمی نے کوئی خود مختار اسلامی حکومت قائم کرنے کی بجائے اپنی مملکت میں اسے شامل کرلیا۔ تو مسلمانوں کو اپنی حماقت پر افسوس آیا۔ ڈون جیمی نے قبضہ حاصل کرتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں کو والنیشیا سے جسے مسلمان ہمیشہ اپنے گیتوں میں دنیا وی بہشت بیان کرتے رہے ہیں۔ جلا وطن کرنا شروع کر دیا چنانچہ مسلمان والنیشیا کی دلکش سرزمین اور اس کے صاف چشموں کو بحسرت و افسوس الوداع کہتے ہوئے باہر نکل آئے ؎

سینہ بریاں چشم گریاں سینہ سوزاں دل اداس
آئے ہم کشمیر سے پر آہ کس حسرت کے ساتھ

اشبیلیہ (سیویل) کی اسلامی حکومت عیسائیوں کی نظروں میں کھٹک رہی تھی۔ اور فرڈی نینڈ نے بلا ضرورت وہاں حملہ کر دیا۔ اور ساتھ ہی الاحمر بادشاہ غرناطہ کو لکھا۔ کہ سیویل کی اسلامی حکومت کو تباہ کرنے کے لئے فوج لیکر خود میرے پاس آؤ۔ الاحمر نے اس حکم

بہت پیچ وتاب کھایا۔ وہ جانتا تھا۔ کہ سیوئل کی تباہی سے عیسائی طاقتیں اور بھی مضبوط اور مستحکم ہوتی جائیں گی۔ مگر عیسائیوں کا اس زمانہ میں اس قدر زور تھا۔ اور اخلاقی جرأت مسلمانوں سے اس قدر کم ہو رہی تھی بلکہ ہو چکی تھی کہ الاحمر خود فوج لیکر میدان جنگ میں گیا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کہ فتح کے بعد بادشاہ کے محلات میں فرڈی ننیڈ نے اقامت اختیار کی۔ برجوں پر صلیبیں لگائی گئیں مسجدوں میں تصویریں رکھی گئیں۔ اولیا کرام کی قبریں منہدم کر دی گئیں۔ یہ سب کچھ ہوا مسلمانوں کی حالت پر اس کو افسوس بھی آیا۔ لیکن یہ خیال اس کے دل میں ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں آیا۔ کہ میں نے وہ کام کیا ہے۔ کہ دنیا کے جس اسلامی حصہ میں میری اس قوم فروشی اور ملت کشی کی خبر پہنچ گئی تو دنیا جہاں کی تمام لعنتیں مجھ پر پڑیں گی۔ اور جو جوابدہی اس باطل پرستی کی قیامت کے دن خداوند کریم کی جناب میں ہوگی۔ وہ ان دنیاوی ملامتوں اور لعنتوں کے علاوہ ہے۔

فرڈی ننیڈ بادشاہ کاسٹیل نے مسلمانوں کو سیویل سے جلا وطن ہو جانے کی مہلت ایک ماہ تک دی تھی۔ کئی مسلمان غرناطہ میں چلے آئے۔ اور کئی سیوطا میں چلے گئے۔ یہ طاقت ور عیسائی بادشاہ مسلمانوں کا پیچھا افریقہ تک کرنے کو تیار تھا۔ مگر مئی ۱۲۵۲ء میں موت نے اس کے تمام ارادوں پر پانی پھیر دیا۔

محمد الاحمر کا ضمیر یہاں تک مردہ ہو گیا تھا۔ کہ وہ ہر سال فرڈی ننیڈ کا عرس کرتا تھا۔ اس کے امرا سیوئل میں آتے تھے اور متوفی عیسائی بادشاہ کی قبر پر موم بتیاں روشن کرتے اور مجاوروں کو تحفے تحائف دیتے تھے۔ الاحمر نے فرڈی ننیڈ کے بیٹے الفنزو دہم کے ساتھ ملکر کئی اور مسلمان ریاستوں کو بھی تہ وبالا کر دیا اور الغارو کا مالدار اور زرخیز صوبہ بھی مسلمانوں سے چھین کر عیسائیوں کو دلا دیا تھا۔

آخر محمد الاحمر کو ہوش آیا۔ کہ اسلامی حکومتیں ایک ایک کرکے مٹائی جا رہی ہیں۔ اب صرف میری سلطنت باقی ہے اور وہ بھی زیادہ دیر تک سلامت رہتی نظر نہیں آتی۔ اس نے وزرا امرا کو بلایا اور کہا کہ آپس کی خانہ جنگیوں سے ہم انتہائی ذلت کو پہنچ چکے ہیں عیسائی اب بقیہ مسلمانوں کو بھی سپین سے نکال دینے کے درپے ہیں۔ اس لئے سب

لوگ میرے بیٹے کی رفاقت اور وفاداری کا حلف اٹھائیں تاکہ میں اطمینان سے عیسائیوں کے دفعیہ کا انتظام کر سکوں۔

بنی اسقلی اولاس ایک قبیلے کے تین مسلمان گورنروں نے الاحمر کی دعوت کو نامنظور کیا۔ اور لکھا کہ ہماری جو کچھ ذلت ہو رہی ہے اور آئندہ ہونے والی ہے۔ وہ سب تمہاری ہی ملت کشی اور اخلاقی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست۔ اس لئے ہم ایسے غاصب اور مسلم کش بادشاہ کا ساتھ کبھی نہیں دے سکتے۔

الفنزو بادشاہ کاسٹیل نے مسلمانوں کے اس اختلاف سے فائدہ اٹھا کر زیریز۔ میڈینہ سہڈونیہ۔ رنڈا۔ سولاکا۔ نبرنزا۔ آرتوس وغیرہ مشہور شہروں سے مسلمانوں کو جلاوطن کر دیا اور کسی چیز بلکہ ضروری اشیائے زندگی کو بھی ہمراہ لیجانے کی عزت نہ دی۔

مسلمانوں کی ذلت کو انتہا تک پہنچانے کے بعد الاحمر آخر وفات پا گیا۔ اس کی وفات بھی ڈون فلپ بادشاہ کاسٹیل (الفنزو) کے بھائی کی گود میں ہوئی جس سے اس کی عیسائیت پرستی کمال طور پر ظاہر ہو رہی ہے۔ باوجود اس کے لوگوں نے اس کے مرثیئے لکھے۔ اس کو اسلام کا ایک زبردست بادشاہ ظاہر کیا۔ اس کی قبر پر ایک کتبہ لگایا جس میں اس کی نیکیاں اور خوبیاں لکھی گئی تھیں۔ یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ سپین میں جب مسلمانوں پر زوال کی مصیبتیں آرہی اور ان کو جلاوطنی کی سزائیں مل رہی تھیں۔ تو ان کے اسباب بھی ساتھ ہی پیدا ہو رہے تھے۔ ان کے اخلاق بالکل مردہ ہو چکے تھے۔ اسلامی حمیت و شجاعت ان کو جواب دے چکی تھی۔ حریت و حق گوئی ان سے رخصت ہو چکی تھی۔ اور ان کی جگہ خوشامد۔ غداری۔ حکام پرستی۔ جاہ طلبی۔ ضمیر فروشی اور قوم کشی کے جرم ان میں پیدا ہو رہے تھے۔

الاحمر کے بعد محمد اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا۔ الفنزو نے اس کو نائٹ کا خطاب دیا۔ اور سیویل میں مدعو کیا۔ محمد کی وہاں بڑی خاطر ہوئی۔ شاہی محل رہنے کو ملا۔ ملکہ اس کی نوعمر بیٹیاں اور صاحب حسن و جمال دوشیزہ لڑکیاں اس کی خاطر داری میں رات دن اس کے پاس رہتی تھیں۔ باوجود اس عیش و عشرت اور ان خاطر داریوں کے جب اسے علم ہوا کہ بنی اسقلی اولاس کی رعایا سیویل میں پناہ لیتی ہے اور اولاس کے گورنروں سے بادشاہ سیویل کا راہ و رسم ہے

تو وہ بظاہر تو خوش لیکن باطن میں برداشتہ خاطر غرناطہ میں واپس آگیا۔ اور ابو یوسف کو افریقیہ سے اپنی مدد کے لئے بلایا۔

یہ وقت عیسائیوں پر بڑی مصیبت کا تھا۔ پادریوں نے مذہب کے نام سے پھر جہاد کا اعلان کیا۔ اس جنگ میں آٹھ ہزار عیسائی مارے گئے۔ سردار فوج ڈون ننیو جب قتل ہو گیا۔ تو محمد نے اس کا سر چاندی کے ایک برتن میں رکھکر بہ عزت و احترام قرطبہ میں دفن ہونے کے لئے بھیجدیا۔

ابو یوسف نے ایک اور جنگ میں عیسائیوں کو کامل شکست دی مگر ایک واقعہ پر محمد اور ابو یوسف کے آدمیوں میں اختلاف ہو گیا۔ اور ابو یوسف واپس چلا گیا۔

۱۲۸۴ء میں النسو اور ۱۲۹۵ء میں اس کے بیٹے سینچو بادشاہ کاسٹیل نے وفات پائی۔ سینچو کے عہد میں محمد نے اپنی طاقت کچھ مستحکم کر لی تھی۔ ۱۳۰۲ء میں اس کے انتقال پر اس کا بیٹا ابو عبد اللہ محمد بادشاہ ہوا۔ یہ بادشاہ علم و ہنر کا عاشق تھا۔ اس کے عہد میں مردہ علوم دینی و دنیاوی پھر زندہ ہو گئے۔ وہ خود ساری رات مطالعہ علم اور علمی مباحث میں بسر کر دیتا تھا۔ کتب بینی کے کثرت استعمال سے اس کی بینائی میں بھی فرق آگیا تھا۔ اس زمانہ میں فرڈی ننیڈ (وفات ۷ ستمبر ۱۳۱۲ء) کاسٹیل کا بادشاہ تھا ۱۳۰۸ء میں اس نے جبرالٹر کے مسلمانوں پر بے خبری میں حملہ کیا۔ وہاں فوج ناکافی تھی۔ اس لئے جبرالٹر بہت جلد فتح ہو گیا۔ فرڈی ننیڈ نے حکم دیا کہ تمام مسلمان یہاں سے نکال دیئے جائیں چنانچہ سارے آدمی افریقیہ کو چلے گئے۔ جہاں اب تک ع نشان ان کے باقی ہیں جبرالٹر پر۔ ان جلاوطنوں میں ایک بہت بوڑھا آدمی بھی تھا۔ اس نے فرڈ ننیڈ سے کہا میں اپنی عمر کے آخری لمحوں میں پھر جلاوطن ہوتا ہوں۔ تیرے پردادا فرڈی ننیڈ نے سب سے پہلے مجھکو سیویل سے نکالا میں شریز میں آیا۔ وہاں سے تیرے دادا النسو نے جلاوطن کر دیا پھر میں کاریفا میں جو مسلمانوں کا محبوب ترین مقام تھا آیا سو وہاں سے جب تیرے باپ سینچو نے تمام مسلمانوں کو جلاوطن کر دیا۔ تو میں یہاں چلا آیا۔ یہاں تم نے دم نہیں لینے دیا۔ کیا خدا بھی مجھے اپنی وسیع زمین سے جواب دیدیگا۔

گرے نیڈا (غرناطہ) میں مسلمانوں کے آخری جاہ وجلال کی علامت ایک جامع مسجد ہے جو ابو عبداللہ نے ۱۳۰۶ء میں تعمیر کرائی۔

غرناطہ (گرے نیڈا) کا اسلامی دربار شان وشکوہ اور کثرت علماء میں بنی امیہ سپین کا ہم پلہ نہیں تھا۔ تاہم الاحمر کے جانشینوں نے بڑے بڑے عالم پیدا کیے۔ مگر مسلمانان سپین کی خانہ جنگیوں۔ ان کی اخلاقی کمزوریوں عیش پرستیوں اور جاہ طلبیوں سے سپین کی اسلامی حکومتیں روز بروز مٹ رہی تھیں اب صرف غرناطہ ہی رہ گئی تھی۔ وہ عیسائی متعصب حکمرانوں کی نظروں سے کب تک بچ سکتی تھی چنانچہ چودھویں صدی عیسوی نے اپنا نصف دورہ ختم کرنے سے پیشتر اسپین کی عظیم الشان اسلامی سلطنت کے ان کھنڈرات کو بھی مٹا دیا جس کی بنیاد خلیفہ ولید کے زمانہ (۷۱۱ء) میں طارق بن زیاد نے نہایت رعب داب شان وشوکت اور جاہ وجلال سے رکھی تھی۔ عیسائی حکومتوں نے نہ صرف اسلامی سلطنت ہی کا سپین سے خاتمہ کر دیا۔ بلکہ وقتاً فوقتاً جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے مسلمانوں کو بھی جلا وطن کرتے رہے اور اب یہ حال ہے کہ جہاں سات سو سال تک مسلمانوں کا پرچم لہرایا تھا۔ آج وہاں ایک بھی مسلمان نظر نہیں آتا ؎

کوئی قرطبہ[1] کے کھنڈر جا کے دیکھے　　　مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے　　　خلافت کو زیر و زبر جا کے دیکھے
جلال ان کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا
ہویدا ہے غرناطہ[2] سے ہیبت ان کی　　　عیاں ہے بلنسیہ[3] سے شوکت ان کی
بطلیوس[4] کو یاد ہے عظمت ان کی　　　ٹپکتی ہے تاوس میں حسرت ان کی
نصیب ان کا اشبیلیہ[5] میں ہے سوتا
شب و روز ہے قرطبہ ان کو روتا　　　(حالی)

۱؎ قرطبہ (کارڈووا) ۲؎ غرناطہ (گرے نیڈا) ۳؎ بلنسیہ (ویلنشیا) ۴؎ بطلیوس (بڈیجوز) ۵؎ اشبیلیہ (سیوئل)

باب ہشتم

دولت ایوبیہ

سلطان صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس

فتح بیت المقدس کے بعد عیسائیوں کے ظلم مسلمانوں پر

جب ۱۰۹۹ء مطابق ۴۹۱ھ میں عیسائیوں نے یروشلیم پر فتح پائی تو مغلوب مسلمان عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ جو ظالمانہ حسرت ناک جگر دوز اور زہرہ شگاف سلوک انہوں نے کیا۔ تہذیب و شائستگی آج تک اس پر آنسو بہا رہی ہے یہ دردناک کیفیت عیسائی اور مسلمان مورخوں نے صلیبی جنگوں کے ضمن میں باوضاحت لکھی ہے۔ ہم یہاں ایک فرانسیسی مصنف میچاڈ کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے۔ گلی۔کوچوں اور گھروں اور مسجدوں اور خانقاہوں میں جہاں جہاں مسلمان نظر آئے ان کا قتل عام شروع ہو گیا جب عیسائی مسجد عمرؓ پر قابض ہو گئے تو دیکھا کہ وہ مسلمان عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ عیسائی سوار اور پیادے اس میں داخل ہو گئے۔ اس مہیب ہنگامہ کے درمیان سوائے گریہ وزاری اور موت کی چیخوں کے کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ ریمنڈ دی اگلیس کا یہ چشمدید واقعہ اور بیان ہے

[1] از حیات صلاح الدین مصنفہ خان بہادر قاضی سراج الدین احمد بیرسٹرایٹ لا صفحہ ۴۲۔

کہ مسجد کے اندر اور صحن میں عیسائی سواروں کے گھوڑے خون میں گھٹنوں تک ڈوبے ہوئے تھے اور یروشلیم کے گلی کوچے اور مسجد بے گور و کفن لاشوں سے اٹے پڑے تھے۔

اس قتل عام سے جو مسلمان بچ رہے ان کی نسبت تیسرے دن کی کونسل نے موت کا فتویٰ دیدیا۔ میجاڈ لکھتا ہے جب مسلمانوں کو اس فتویٰ کا علم ہوا۔ تو بعضوں نے شہر پناہ سے کود کر موت سے بچنے کی ناکام کوشش کی کئی اجل گرفتہ گروہ در گروہ محلوں اور میناروں خاصکر مسجدوں میں جا گھسے لیکن عیسائیوں نے ان کو کہیں بھی پناہ نہ لینے دی۔ لاشوں کے ڈھیر ہر جگہ نظر آرہے تھے۔ جو مسلمان بچ رہے تھے۔ ان کو حکم ہوا کہ بازاروں اور گلیوں میں لاشوں کے جو انبار ہیں۔ ان کو خندقیں کھود کر دفن کریں۔ تاکہ رستے صاف ہوں اور وبائی بیماری نہ پیدا ہو جائے۔ مسلمان روتے تھے اور لاشوں کو اٹھا اٹھا کر باہر لیجاتے تھے۔ یہ خونریزی برابر ایک ہفتہ تک جاری رہی۔ مشرقی اور لاطینی مورخ مسلمان مقتولوں کی تعداد بیان کرنے میں متفق ہیں۔ کہ ستر ہزار سے زیادہ مسلمان قتل کئے گئے۔ لوٹ مار اور مکانوں اور مسجدوں کا زبردستی قبضہ اس غارتگری کے علاوہ تھا۔

مسلمانوں کا انصاف و عدل عیسائیوں کیساتھ فتح بیت المقدس کے بعد

گنتی کے ان چند مسلمانوں نے جو عیسائیوں کے ہاتھوں سے بچکر بھاگ نکلے تھے۔ مسلمانوں کے شہروں میں اس بیدردانہ قتل عام اور بیرحمانہ خونریزی اور مسلمانوں کی تباہی اور ان کی جگر خراش مصیبت کی خبریں پہنچائیں۔ دمشق کے قاضی نے خلیفہ کے روبرو اپنی ڈاڑھی نوچ ڈالی۔ اور سب درباری مسلمانوں کی اس تباہی و رسوائی اور بیت المقدس جیسے پاک مقام کے ہاتھوں سے نکل جانے پر جو حضرت عمر کے وقت سے ابتک مسلمانوں کے قبضہ میں چلا آرہا تھا زار قطار رونے لگے۔ مگر خلیفہ بغداد کے پاس آنسوؤں اور دعاؤں کے سوا اور کیا تھا۔ تاہم مسلمانوں کے دلوں میں یہ آگ سلگتی رہی۔ ۵۶۸ھ میں ملک العادل نورالدین زنگی نے مسلمانوں کی تباہی کے حالات سنکر بیت المقدس کو فتح کرنیکا ارادہ کیا مگر اس کی موت نے اس کو مہلت نہ دی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نورالدین زنگی کی طرف سے مصر کا حاکم تھا۔ نورالدین کے بعد اس کا گیارہ سالہ بیٹا رہگیا۔ صلاح الدین نے اس کا خطبہ جاری رکھا۔ اور اس کو اطلاع

دی۔ مگر نالائق درباریوں کی وجہ سے مصر اور شام کے تعلقات خراب ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ صلاح الدین[1] کو آخر شام پر چڑھائی کرنی پڑی جس سے اس کے ملک میں بہت سی توسیع ہو گئی

مسلمانوں کی بہت سی خانہ جنگیوں سے فایدہ اٹھا کر یروشلیم کے عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا ۵۶۶ھ مطابق ۱۱۷۰ء میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی مڈبھیڑ ہوئی۔ ایک دو لڑائیوں کے بعد عیسائیوں اور مسلمانوں میں دو سال کے لئے صلح ہو گئی۔ مگر کرک (جو عرب اور فلسطین کی سرحدات پر واقعہ ہے) کا عیسائی رئیس عہد و پیمان اور ایمان و انسانیت کی حقیقت پرکاہ سے بھی کم سمجھتا تھا۔ وہ مسلمان حاجیوں کے کارروان لوٹ لیتا۔ اور کسی قول اور کسی وعدہ کا کوئی پاس نہ کرتا۔ صلاح الدین نے عیسائی بادشاہ بالڈون سے بارہا ان زیادتیوں کی شکایت کی۔ مگر اس نے کبھی کوئی قابل اطمینان جواب نہ دیا جب سلطان کو معلوم ہوا کہ رئیس کرک بیشمار بیگناہ اور بے ضرر حاجیوں اور تاجروں اور ان کی عورتوں اور معصوم بچوں کو قید کر لیتا اور ان میں سے اکثروں کو قتل بھی کر ڈالتا ہے۔ تو اس نے آخر ہتھیار اٹھائے۔ کئی سالوں کی متواتر خونریز لڑائیوں کے بعد بروز جمعہ ۱۷ ربیع الاول ۵۸۳ھ کو سلطان صلاح الدین نے بیت المقدس کو فتح کر لیا۔

صلاح الدین کو عیسائیوں کے وہ ظلم خوب یاد تھے۔ جو انہوں نے بیت المقدس میں داخلہ کے وقت مسلمانوں پر روا رکھے تھے۔ سلطان نے قسم کھائی تھی۔ کہ میں بھی عیسائیوں کے ساتھ وہی سلوک کروں گا۔ جو انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا ہے۔ عیسائی بھی اپنے اعمال سے بے خبر نہ تھے۔ وہ خوب جانتے تھے۔ کہ ہمارے بزرگوں نے آج سے بانوے سال پیشتر کس قیامت کے ظلم و ستم مفتوح و مغلوب اور بے بس و بیکس مسلمانوں کے ساتھ کئے تھے۔ اس لئے ان کو اپنی بیدردانہ موت اور اپنی ذلت و رسوائی کا کامل یقین تھا۔ وہ خونی منظر جہاں شہدا کی لاشیں عرصہ تک بے گور و کفن پڑی رہیں؛ اور وہ بلند اور سنگین دیواریں جہاں سے شیرخوار بچوں کو نیچے پھینکا گیا۔ وہ گھر جہاں عفت و عصمت کی پردہ دری کی گئی۔ اس وقت سلطان کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ مگر اس نے یونانی اور شامی عیسائیوں کے سوا باقی تمام عیسائیوں کو زر مخلصی (جزیہ بشرح دس دینار فی مرد پانچ فی عورت اور دو دینار فی بچہ) ادا کرنے کے بعد یروشلیم سے نکل جانے کا حکم دیا۔ عیسائیوں کو ایسے نرم سلوک کی ہرگز توقع نہ تھی انہوں نے بہت خوشی منائی۔ کہ جان بچی لاکھوں پائے۔ لیکن جب میعاد

[1] اس کا باپ نجم الدین ایوب اور چچا اسد الدین شیرکوہ بڑے نامی گنے گئے ہیں۔ صلاح الدین ۵۳۲ھ میں پیدا ہوا۔ پہلے دمشق کا کوتوال ہوا پھر مصر کا گورنر پھر وزیر شام اور پھر بادشاہ شام ہوا۔ مصر، شام، عراق، بحرین، یمن اور افریقہ کے بعض صوبے اس کے ماتحت تھے ۲۷ صفر ۵۸۹ھ کو وفات پا گیا۔

مقررہ کے بعد یروشلیم سے روانہ ہونے کا دن آیا۔ تو انہوں نے رنج وغم کی وجہ سے مسیح کی قبر کو اپنے آنسوؤں سے تر کر دیا۔ سلطان صلاح الدین ایک تخت پر بیٹھا ہوا عیسائیوں کی روانگی کی کیفیت دیکھ رہا تھا۔ بڑے بڑے پادری گرجاؤں کے قیمتی سامان اٹھائے ہوئے ہیں۔ یروشلیم کی ملکہ معہ بہت سی عورتوں کے ہمراہ آئی جن کی گودوں میں ان کے بچے تھے۔ اور وہ دردناک چیخیں مار رہی تھیں۔ ان عورتوں نے صلاح الدین کے تخت کے قریب آ کر کہا۔ اگر تم ہمارے خاوندوں کو رہا کر دو تو ہماری جلاوطنی کی مصیبتیں کم ہو جائیں گی۔ سلطان کے دل پر اس دردناک فریاد کا جو اثر ہوا۔ وہ فرانسیسی مورخ جاڈ کے الفاظ ہی میں لکھا جاتا ہے[1] سلطان نے بچے ان کی ماؤں کے پاس اور خاوند ان کی بیویوں کے پاس پہنچا دیئے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا زرفدیہ کسی نے ادا نہیں کیا تھا۔ سلطان کے بھائی ملک عادل نے دو ہزار قیدیوں کا زرمخلصی اپنے پاس سے ادا کر کے ان سب کو رہا کر دیا۔ اور اپنے بھائی کو شہر کے فتح کرنے میں اپنی خدمات یاد دلا کر اپنے حصہ غنیمت کا ایک ہزار عیسائی غلام اور حاصل کیا۔ اور کمال فراخدلی و فیاضی سے ان سب کو بھی رہا کر دیا۔ سلطان نے کہا میرے بھائی نے اپنی خیرات کی ہے۔ میں یہ خیرات کرتا ہوں کہ تمام معمر آدمی جو شہر میں ہیں آزاد کر دیئے جائیں۔ علاوہ ازیں غریبوں اور یتیموں کی بہت بڑی تعداد کو آزادی کی نعمت عطا کی۔ جب سلطان نے دیکھا کہ بعضوں نے اپنے کندھوں پر اپنے ضعیف العمر والدین اٹھائے ہوئے ہیں۔ تو اس نظارہ کو دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔ ان کی سعادت مندی کی تعریف کر کے ان کو تحائف اور انعامات دیئے اور ان کو اجازت دی کہ شہر میں رہ کر عیسائی حاجیوں کی خبرگیری اور خدمت کریں۔ اور ایسے لوگوں کو مدد دیں۔ جو سخت بیماری کے باعث اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہیں[1]۔ کیا اپنے دشمنوں کے لیے اور ایسے خونخوار اور بے رحم دشمنوں کے ساتھ جنہوں نے عورتوں اور بچوں تک کو تہ تیغ کر دیا ہو اس قسم کی فیاضی ایسے رحم و احسان اور ایسے نیک سلوک کی نظیر دنیا کی کسی تاریخ میں بھی مل سکتی ہے؟ اسلام نے خاتمہ جنگ کے بعد خونریزی کو جائز قرار نہیں دیا جب فتنہ کا استیصال خاطر خواہ ہو جائے تو اسیران جنگ نہ قید رہ سکتے ہیں اور نہ ان میں سے کوئی شخص بلا وجہ قتل کیا جا سکتا ہے۔ سلطان نے سنت رسول اللہ پر عمل کیا اور عیسائیوں کو معاف کر کے اسلام کی لاج رکھ لی۔

ہم صرف رعایا کے خزانچی ہیں ہم ان کے نگہبان اور ان کے باپ نہ محافظ ہیں	سلطان صلاح الدین مصر و شام کی وسیع و زرخیز سلطنتوں کا مالک ہے لیکن جب اس کا انتقال ہوتا ہے۔ تو اس کے خزانہ سے صرف ۴۷ درہم ناصری اور ایک دینار نکلتا ہے۔ اور تابوت و کفن دمشق کا نامور عالم قاضی فاضل مہیا کرتا ہے

[1] حیات صلاح الدین صفحہ ۱۴۴ و ۱۴۵۔

جس نے رزق حلال سے اپنے ہاتھ کی کمائی یعنی محنت مزدوری سے یہ چیزیں بہم پہنچائی تھیں۔ ایک مرتبہ ۵۷۰ھ میں سلطان کا ہاتھ بہت تنگ تہا۔ اس نے اپنے بھائی ملک عادل سے ۱½ لاکھ دینار بطور قرض مانگا۔ ملک عادل نے کہا۔ اگر معاوضہ میں حلب عنایت ہو۔ تو حاضر ہوں۔ سلطان نے کہا بہت بہتر۔ دوسرے دن ملک عادل نے کہا۔ بیعنامہ تحریر کر دیجیے۔ سلطان نے ناخوش ہو کر کہا "کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے۔ کہ سلطنتیں بہی فروخت ہوا کرتی ہیں۔ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ مکان مکینوں اور سکونتیں ساکنین کا حق ہیں۔ ہم تو رعایا کے خزانچی اہل دین کے نگہبان اور ان کے مالوں کے محافظ ہیں۔ یہ روپیہ اور زر اور مال نہ میرا ہے نہ تمہارا۔ یہ انہی کا حق ہے جن سے ہم کسی نہ کسی رنگ میں (بصورت ز. مالیہ یا جزیہ) وصول کرتے ہیں۔ جو شخص میرے پاس آکر اپنا حق ظاہر کرتا ہے۔ وہ مجھ پر احسان کرتا ہے۔ کہ اپنا مال مجھ سے لیکر مجھے سبکدوش کرتا ہے اور اپنی امانت مجھ سے واپس لیتا ہے"!

سلطان صلاح الدین اور اس کا بہائی قاضی کے حضور میں!!

فاتح بیت المقدس جس نے تمام عیسائی طاقتوں کی مجتمع فوجوں کو شکست دی تھی تعلیم اسلام کے سامنے بالکل بے بس نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ اس کے نہایت عزیز چچازاد بہائی تقی الدین پر کسی نے دعوے کیا۔ باوجود بادشاہ کا عزیز ہونیکے تقی الدین ایک مدعاعلیہ کی طرح عدالت میں طلب کیا گیا۔ مدعی کے مقابل میں کھڑا کر کے اس کے حلفی بیانات لئے گئے۔ اور شریعت کے مطابق فیصلہ کیا گیا۔ اسیطرح ایک تاجر مسمی عمر خلاطی نے خود سلطان پر دعوی کیا۔ کہ اس کا ایک غلام سلطان کے قبضہ میں آکر مر گیا ہے۔ اس کے پاس بہت سی دولت ہے جو میرا حق ہے۔ سلطان نے اس کا دعوے باقاعدہ سماعت کرنے کا حکم دیا۔ جب مقدمہ قاضی کے سامنے پیش ہوا۔ تو سلطان خود مدعی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ مقدمہ میں حسب دستور کارروائی ہوئی مگر مدعی کا دعوی ثابت نہ ہوا۔ اور اسے اپنی جہوٹی کوشش پر بہت شرمندگی ہوئی۔ بادشاہ نے اسکی ندامت ہٹانے کے لئے اپنے پاس سے اس کو کچھ رقم دیدی۔

سلطان صلاح الدین کی انصاف پسندی کا ایک واقعہ

نور الدین زنگی کے زمانہ میں سلطان صلاح الدین دمشق کا کوتوال تھا اور کمال الدین شہرزوری دمشق کا حاکم اور قاضی۔ صلاح الدین کے جو فیصلے خلاف شریعت یا غلط ہوتے تھے۔ کمال الدین ان کو مرافع یعنی اپیل میں توڑ دیتا تھا۔ ان وجوہات سے کچھ جھگڑا آپس میں رہتا تھا جب یاوری قسمت سے وہ کوتوال بادشاہ ہو گیا۔ تو بجائے اس کے کہ وہ ان تنازعات اور رنجشوں کو یاد کرتا اس نے نہ صرف کمال الدین کو بدستور قاضی اور حاکم دمشق رہنے دیا۔ بلکہ اس کی بزرگی و قابلیت اور اس کی جرأت و دلیری کی تعریف کی۔ اور اس کو اور

اس کے بھتیجے ضیاء الدین کو ہمیشہ تحائف و نقد انعامات اور جاگیرات سے سرافراز کرتا رہا۔

باب ششم

سلاطین الجزائر و مراکش (افریقہ)

ملک الجزائر (افریقہ) پر اسلامی حکومت کی ابتدا عہد خلافت سیدنا عثمان بن عفان سے شروع ہوتی ہے۔ آپ کے حکم سے عبد اللہ بن سعد عامل مصر نے ۲۸ھ میں ۲۰ ہزار جرار فوج کے ساتھ الجزائر پر قبضہ کر لیا۔ خلافت راشدہ اور خلفائے بنی امیہ و عباسیہ کے بعد بنی زیری خاندان نے ۳۶۱ھ سے ۵۴۳ھ تک اور حکومت موحدین مراکش نے ۵۵۴ھ سے ۶۶۹ھ تک الجزائر میں آزادانہ حکومت کی ہے۔ ۹۱۵ھ میں کچھ عرصہ کے لئے اسپین کی مسیحی حکومت بھی اس پر قابض ہو گئی۔ مگر نتیجہ (الجزائر) کے ایک محب وطن امیر عروج پاشا باربروس اور اس کے بھائی خیر الدین پاشا نے پھر الجزائر پر قبضہ کر لیا۔ ۹۱۷ھ میں سلطان سلیم اول (ترکی) نے سواحل بربر جب اپنے زیر اقتدار کر لئے تو خیر الدین پاشا کو وزیر جنگ اور امیر البحر اول کا عہدہ عطا کیا اور الجزائر پر اپنے والی (گورنر) مقرر کئے۔ جو قریباً خود مختار رہتے تھے۔ انہی عاملوں یا گورنروں میں ایک نامی گورنر حسین پاشا (عہد حکومت ۱۲۳۶ھ تا ۱۲۴۶ھ) گذرا ہے۔ اس نے ایک مرتبہ ایک مراسلہ فرنچ سفیر متعینہ الجزائر کے پاس بھیجا کہ حکومت فرانس سے اس کا جواب جلد منگا دے قریباً ایک ماہ کے بعد عید الفطر کے موقعہ پر فرنچ سفیر دوسرے سفراء کے ہمراہ والی کے دربار میں آیا حسین پاشا نے پوچھا اب تک ہمارے مراسلہ کا جواب کیوں نہ آیا۔ سفیر نے کچھ بے ڈھب جواب دیا مترجم کی سفیر سے کچھ چشمک تھی۔ اس نے اس کا مفہوم اور بھی درشت الفاظ میں بیان کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ والی نے فرنچ کونسل جنرل کے سر پر ایک چھڑی دے ماری سادہ

مخلصانہ مشورہ قبول نہ کرنے سے سلطنت گنوا دی

شاہ فرانس کو بھی سخت سست کہا علی رضا پاشا مؤلف کتاب "حوادث الجزائر" کا باپ بھی

حاضر دربار تھا۔ اس نے جرأت کر کے پاشا کو اس کی غلطی سے آگاہ کیا اور کہا مجھے اس غلطی کا انجام بہت بُرا نظر آرہا ہے۔ اُدھر پاشا کو اظہار ندامت کے لئے کہا۔ اور یہ بھی تاکید کی کہ اب مناسب یہی ہے کہ جنگی استحکامات اور بیڑہ کی درستی کی طرف فوراً توجہ کی جائے۔ تاکہ الجزائر جو ہمارا وطن ہے اور جس کی خاکِ پاک سے ہم پیدا ہوئے ہیں کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو۔ پاشا کے ارکان مملکت نے جو اس کا دماغ خوشامدانہ باتوں اور اُس کی جھوٹی تعریفوں سے فلک الافلاک تک پہنچا چکے تھے۔ پاشا پر اس قابل قدر مشورہ کا کوئی اثر نہ ہونے دیا۔ آخر فرنچ جنگی بیڑہ نے الجزائر پر حملہ کر کے پاشا کو گرفتار کر لیا[1] اور جب اسے پیرس لے گئے۔ تو اُسے اپنے خوشامدی اہل دربار پر نہایت غصہ آیا۔ مگر اب سب کچھ بعد از وقت تھا۔

مغرب الاقصیٰ یا بلاد مغرب (افریقیہ) میں مندرجہ ذیل چار ملک ہیں۔ طرابلس۔ ٹیونس۔ الجزائر۔ مراکش۔ ان میں مراکش افریقیہ کی نہایت قدیم اور زبردست اسلامی سلطنت رہی ہے ایک زمانہ تھا۔ کہ یورپ کی بعض سلطنتیں (سویڈن و ڈنمارک) اس کو خراج دیتی تھیں اور قریباً تمام یورپین طاقتیں اس سے خوف کھاتی تھیں۔

مراکش میں ۹۱۵ھ سے ۱۰۶۹ھ تک اشراف بنی سعد کی حکومت رہی ہے اس خاندان کا ساتواں بادشاہ شریف ابوالمعانی زیدان تھا۔ جو ۱۰۱۲ھ سے ۱۰۳۲ھ تک مراکش کا فرمانروا رہا ہے۔ اسکی ساری عمر بھائیوں اور باغیوں سے لڑتے بھڑتے گذر گئی۔ اس کا ایک بھائی شیخ بن المنصور ۱۰۱۸ھ میں فلپ سوم بادشاہ ہسپانیہ سے کمک لینے لگا۔ اور اس کے پاس اپنے بیٹوں کو بطور رہن چھوڑ کر فوج بھرتی کرنے کے لئے روپیہ لایا۔

ایک بے حمیت اور دشمن وطن بادشاہ کا انجام

جب شیخ کمک لیکر واپس آیا تو اس کا بیٹا عبداللہ فاس (دارالخلافہ مراکش) پر متسلط ہو چکا تھا۔ شیخ نے شاہ سپین سے یہ وعدہ بھی کیا تھا۔ کہ وہ عرائش کا مشہور بندرگاہ العرائش ہسپانیہ کو دیدے گا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی۔ وہ ناراض ہوئے۔ کہ ایسے عیسائی بادشاہ سے کیوں مدد لی گئی ہے جس کے خاندان نے اپنی سلطنت میں مسلمانوں کا نام و نشان تک مٹا دیا ہے۔ اور جس نے مسلمانوں پر اس قدر تشدد کئے ہیں۔ کہ سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نیز ان کو یہ بھی رنج ہوا۔ کہ ایسا اہم بندرگاہ کیوں دیا جاتا ہے۔ اور اپنے وطن سے کیوں عداوت کی جاتی ہے شیخ کے مراجعت وطن پر کئی علماء مبارکباد عرض کرنے کے لئے اس کے پاس گئے۔ لوگوں

[1] تاریخ بلاد الجزائر مصنفہ کرنل اسمٰعیل بیگ سرہنگ (ترجمہ عربی کتاب)

کو خبر ہوئی۔ انہوں نے ایسے عالموں پر لعن طعن کا اظہار کیا۔ بلکہ جلسوں میں تقریروں میں تحریروں میں علانیہ اپنی ناراضگی ظاہر کی۔ شیخ نے یہ صورت دیکھکر علماء سے فتویٰ طلب کیا۔ چند علماء نے شیخ کے موافق فتویٰ دیا اور لکھا شہزادوں کا جو آل رسول ہیں (اور جو سپین میں رہن تھے) قتل ہونا ہرگز مناسب نہیں۔ اور بندرگاہ العرائش ان کے فدیہ میں دیدینا لازم ہے۔ مگر عام طور پر علماء نے یا تو جواب لکھنے سے انکار کر دیا یا لکھا تو ان الفاظ کے ساتھ کہ اگر وطن کی عزت اور اسلام کی حرمت کیلئے کسی مسلمان کا خون ہوتا ہے تو جائز ہے۔ ایک دو کے فدائے اسلام ہو جانے سے لاکھوں مسلمان غیر مسلمانوں کے ظلم و ستم سے بچ جائیں گے۔ شیخ نے کسی کی بات نہ مانی اور اپنی ضد کے مقابلہ میں اہل ملک کی آواز کی کوئی پرواہ نہ کی۔ مسلمان اس کے خلاف مذہب افعال سے پہلے ہی ناراض تھے۔ اس حرکت نے ان کو اور برانگیختہ کر دیا خصوصاً اس بات نے کہ شیخ نے مخالف رائے دینے والوں کو بہت تکلیف دی۔ ایسی ہی وجوہ سے شیخ کو ۱۰۲۲ھ میں لوگوں نے قتل کر دیا۔[۱]

مسلمان بادشاہوں کے احکام غیر مسلم رعایا کے لئے!

ساتویں صدی ہجری کے آخر دور میں سرزمین حجاز سے ایک صالح اور متقی بزرگ مولی حسن بن قاسم خطۂ مغرب میں آئے۔ اس زمانہ میں مراکو پر دولت مرینیہ کی حکومت تھی۔ سلجماسہ کے لوگوں اور خود حکومت نے بھی آپ کو آنکھوں پر بٹھایا۔ مولی ابوالحسن علی شریف اسی خاندان کے معزز فرد تھے جن کو اہل غرناطہ (مسلمانان ہسپانیہ) نے عیسائی حملہ آوروں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر طلب کیا تھا۔ اور اندلس کا شیخ المجاہدین بنایا تھا۔ سید علی المنتہیٰ بھی اسی نامی تقدس مآب خاندان سے تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے جو حلیہ تقویٰ و اصلاح اور جامۂ فضائل و کمال سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ اپنے مظلوم مسلمانوں کی حفاظت ننگ و ناموس کیلئے اپنی جانوں کو گرجتی ہوئی توپوں اور چمکتی ہوئی تلواروں کے سپرد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس للہیت کا یہ ثمرہ دیا۔ کہ سید علی المنتہیٰ کے فرزند شریف محمد نے تاج سلطنت اپنے سر پر رکھا۔ اسی کی نسل سے مراکش کا ایک نامور فرمانروا مولیٰ بن محمد بن عبدالرحمان گذرا ہے۔ اس زمانہ میں یہودیوں پر جو اپنی ساہوکارانہ و تاجرانہ چالوں سے مسلمانوں کا خون چوستے رہتے تھے مسلمانوں نے سختی شروع کی۔ جب مولیٰ محمد کو علم ہوا۔ اور شاہ انگلستان نے بھی اپنا سفیر اسی سختی پر توجہ دلانے کے لئے مولیٰ محمد کے دربار میں بھیجا

---

[۱] تاریخ مملکت مراکش (ترجمہ عربی) صفحہ ۱۴۰

تو اس نے ایک امان نامہ اس مضمون کا شائع کیا: "ہم اپنے تمام خدام عمال اور رعایا کو اس بات کی ہدایت کرتے ہیں کہ وہ حق و انصاف کے پابند رہیں اور خدا و رسول کے مقدس احکام کی پابندی کر کے یہودیوں پر کسی طرح کا ظلم و ستم نکریں۔ بیشہ ور یہودیوں سے خوش معاملگی کا برتاؤ کریں۔ ہماری رعایا حکام میں سے جو شخص یہودیوں پر ظلم و ستم کریگا ہم اس کو سخت سزا دیں گے۔ مورخہ ۲۶ شعبان ۱۲۸۰ھ (تاریخ مملکت مراکش صفحہ ۱۸۹)

مساوات کی یہ کیسی اعلے نعمت تھی۔ جو ایک پابند اسلام مسلمان بادشاہ نے اپنی رعایا کے ایک فرقہ کو عطا کی۔ لیکن یہودی اس سلطانی امان نامہ اور یوروپ کے سفیروں کی حمایت سے شوخ و گستاخ ہو گئے۔ اور سرکاری احکام و حکام کو پس پشت ڈالنے لگے۔ مولی محمد نے پھر ایک اور اعلان اس مضمون کا جاری کیا۔ کہ امان نامہ کے مطابق صرف انہی یہودیوں کیساتھ برتاؤ ہوگا۔ جو نیک چلن ہوں گے اور قوانین سلطانی کے ماتحت رہیں گے۔ شریر اور بدچلن اور فتنہ پرداز یہودیوں کو انہی طریقوں سے سزا دی جائے گی جس طرح عام ملکی رعایا کو ملتی ہے اس کے بعد یہودیوں کا جوش بہت کچھ دب گیا۔

موجودہ سلطان مراکو اسی خاندان سے ہے۔

باب دہم

دولت غزنویہ و خاندان غلاماں و خلجی تغلق وغیرہ

فصل اوّل

دولت غزنویہ و غوریہ

وزیر کا آزادانہ جواب بادشاہ کو

سلطان[1] محمود غزنوی ظاہری حسن و جمال سے محروم تہا۔ ایکدن اس نے آئینہ میں صورت دیکھی۔ اپنی بدصورتی کو دیکھکر بہت متفکر ہوا۔ وزیر سے کہا مشہور ہے کہ بادشاہوں کا مُنہ دیکھنے سے آنکھوں میں بینائی زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ وزیر تہا عقلمند اس نے خوشامد اور چاپلوسی سے قطع نظر کرکے صاف صاف کہا آپ جو فرماتے ہیں۔ وہ بالکل ٹھیک ہے لیکن آپ اگر خصائل پسندیدہ رکھیں گے۔ اور لوگوں کو اپنے اخلاق سے خوش کرتے رہیں گے۔ تو آپ باوجود اس شکل و صورت کے تمام دنیا کے محبوب ہو جائینگے۔

[1] پیدائش ۳۶۷ھ وفات ۴۲۱ھ عمر ۶۳ سال مدت سلطنت ۳۵ سال دفن مقام غزنی افغانستان

محمود وزیر کے اس کلام سے بہت خوش ہوا (تاریخ فرشتہ ذکر سلاطین غزنویہ)

محمود غزنوی کے روبرو ایک معمولی شخص کا آزادانہ کلام

۳۹۶ھ میں تسخیر ملتان کے بعد جب سلطان محمود غزنی گیا۔ تو وہاں بلخ کی بغاوت کا چرچا تھا۔ اور ہرچند کہ موسم سرما تھا سردی اور برف کا زور تھا۔ اکثر امرا اور فوج کا بڑا حصہ جانے کو تیار نہ تھے۔ لیکن محمود کے اقبال کے آگے کسی نے دم نہ مارا۔ ایک رات رستے میں جہاں برف عظیم اور سرمائے شدید کا زور تھا قیام فرمایا۔ بادشاہ اور سرداران فوج نے گرمی کا خوب انتظام کر لیا۔ سلطان نے ایک آدمی سے از راہ تمسخر کہا۔ باہر جاؤ اور میری طرف سے سردی سے کہو۔ اب گرمی کا اتنا زور ہے کہ ہم سردی کا جامہ بدن سے اتارنے کو تیار ہیں وہ شخص تھوڑے عرصہ کے بعد واپس آیا۔ اور بولا۔ میں نے سردی کو کہہ دیا تھا۔ وہ کہتی ہے کیا ہوا اگر میرا ہاتھ سلطان اور اس کے مقربوں تک نہیں پہنچا۔ لیکن شاگرد پیشہ اور عام سپاہیوں کی تو آج رات ایسی خبریں لوں گی کہ جیتے رہیں گے تو یاد رکھیں گے۔ اور کچھ تعجب نہیں اگر صبح کو بادشاہ اور ان کے مقربوں کو اپنے اپنے گھوڑوں کی آپ ہی خدمت کرنی پڑے۔ تاریخ فرشتہ میں بحوالہ تاریخ یمینی لکھا ہے۔ اگرچہ بادشاہ نے بظاہر خوش طبعی دکھا کر کچھ نہ کہا لیکن دل میں وہ بڑا متاثر ہوا اور وہیں سے واپس آگیا۔

ایک دولتمند شخص پر سلطان محمود کا الزام

سلطان محمود کو آخر عمر میں زر سے بہت محبت ہو گئی تھی۔ نیشاپور میں سُنا ایک آدمی بہت دولتمند ہے۔ اس پر ملحد اور قرامطی ہونے کا الزام لگا کر اس کو بلوا بھیجا جب وہ حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اس کے الحاد پر اس کو سخت سست کہا۔ اس نے کہا اے سلطان! مجھے ملحد اور قرامطی نہ کہو۔ مجھ میں جو عیب ہے سب مجھے معلوم ہے۔ سلطان نے کہا۔ تم خود ہی کہہ دو۔ اس نے کہا سو عیب کا ایک عیب تو یہ ہے کہ مالدار ہوں اور دولت کثرت سے رکھتا ہوں۔ یہ روپیہ جس نے مجھے اس دربار میں ذلیل کرایا ہے۔ مجھ سے لے لو اور مجھے بدنام نہ کرو۔ سلطان محمود نے تمام مال اس سے لے کر اس کو ایک سند لکھ دی۔ کہ اس کے اعتقاد ملحدانہ نہیں ہیں۔

سلطان محمود کا ایک بے مثال انصاف

سلطان محمود کا ایک بھانجا تھا۔ اس کا ایک شخص کی عورت کے ساتھ ناجائز تعلق تھا۔ اس شخص نے بہت داد فریاد کی لیکن کسی نے نہ سُنی! قاضی۔ وزیر امیر کوئی بھی شاہزادہ کے مقابلہ میں اس غریب کی نہ سنتا تھا۔ آخر وہ شخص خود جرأت وہمت کر کے سلطان تک پہنچا۔ اور نہایت دلیری سے تمام داستان اپنے دُکھ درد کی بیان کی۔ سلطان نے اس کا اطمینان کیا اور کہا کہ اس راز سے کسی کو آگاہ نہ کرو جب پھر وہ تمہارے مکان پر

آئے تو سیدھے میرے پاس پہنچو۔ بادشاہ نے دربانوں کو بھی تاکید کر دی۔ کہ جب یہ شخص آئے فوراً مجھے خبر کر دو۔ خواہ میں کسی حال میں ہوں۔ غرض جب شاہزادہ حسب عادت گیا۔ اور اس شخص کو اس کے مکان سے باہر نکالکر اس کی عورت کے پاس جا بیٹھا۔ تو اس نے سلطان کو خبر کی۔ سلطان خود آیا۔ اور سارا ماجرا اپنی آنکھ سے دیکھکر بھانجے کا سر تلوار کے ایک ہی وار سے الگ کر دیا (تاریخ فرشتہ)

غزنوی بادشاہ خرقانی درویش کے حضور میں | خرقان (صوبہ جرجان) میں ایک بوریا نشین نیستان فقر کا شیر گذرا ہے نام ان کا ابوالحسن تھا۔ ۳۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۲۵ھ میں انتقال فرما گئے۔ آپ کے مفصل حالات سے صرف ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا۔ کہ غزنی کا باجبروت بادشاہ سلطان محمود غازی کس ذوق وشوق اور کس اخلاص اور عقیدت سے خرقانی درویش کے حضور میں آتا ہے۔ اور اپنی خوش بختی اور خوش عقیدگی کی وجہ سے کیسا بامراد و کامیاب ہو کر واپس جاتا ہے۔ ایک درویش اور شہنشاہ کی ملاقات اور ان کی باتوں میں جو راز و نیاز اور نکات و رموز ہیں ان پر غور کرو اور دیکھو کہ صوفیائے سلف میں کیا امتیاز و اختصاص تھا اور کونسی روحانی طاقت تھی۔ کہ عوام تو الگ بادشاہ اور شہنشاہ ان کی پا بوسی کو فخر سمجھتے تھے۔ ہماری بدقسمتی سے آج روحانی طاقتوں میں بھی کمی آگئی ہے اور عقیدت و ارادت میں بھی خود غرضی اور خود مطلبی کے جذبات شدت سے پائے جاتے ہیں۔

محمود خرقانی درویش کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتا تھا لیکن مصالح ملکی کے لحاظ سے ساتھ ہی اس کی یہ بھی خواہش تھی۔ کہ درویش کے پاس خود جانے سے شاہی رعب داب میں فرق آنے کا اندیشہ ہے اس لئے کوئی ایسی ترکیب ہو۔ کہ وہ خود میرے پاس چلکر آجائیں۔ لیکن اس تجویز میں محمود کو کامیابی نہ ہو سکی۔ آخر کسی شوریدہ سر کی گوشمالی کے بہانے خدم وحشم لیکر خود ہی غزنی سے باہر نکلا جب خرقان کے نزدیک پہنچا۔ تو ایک قاصد کو حضرت کی خدمت میں یہ سکھا کر بھیجا۔ کہ تم اپنی طرف سے کہنا۔ کہ سلطان غزنی سے چلکر آپ کی زیارت کو آیا ہے۔ اور وہ بادشاہ ہے۔ آپ اگر زیادہ نہیں تو شاہی خیمہ تک ہی قدم رنجہ فرمائیں۔ بادشاہ نے قاصد سے یہ بھی کہدیا تھا۔ کہ اگر وہ اس پر بھی خیمہ تک آنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ تو ان کو قرآن کریم کی یہ آیت پڑھکر سنا دینا واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم قاصد پڑھا پڑھایا تھا۔ اس نے کمال خوش اسلوبی اور پورے فرائض کے ساتھ حق پیغامبری ادا کیا۔ حضرت نے جواب میں صرف یہی فرمایا کہ مجھے معذور رکھو قاصد نے آیت مذکور پڑھکر اس کی تفسیر کرنی چاہی۔ آپ نے فرمایا محمود سے

جاکر کہدو کہ میں اطیعوا اللہ میں ایسا مستغرق ہوں کہ اطیعوا الرسول تک پہنچ سکنے کے لئے نادم و شرمسار ہوں۔ پہر اولی الامر منکم کا ذکر ہی کیا ہے۔ قاصد نے واپس آکر محمود سے اسیطرح کہدیا۔ محمود یہ سنتے ہی آبدیدہ ہوکر ملاقات کے لئے بیتاب ہوگیا۔ اور کہا واقعی یہ ایسے درویش نہیں ہیں جیسے عوام ہوتے ہیں اور جیسا ہم نے خیال کیا تہا۔ تاہم مزید احتیاط و آزمائش کے لئے اس نے شاہانہ لباس تو ایاز کو پہنایا اور ایاز کا لباس خود پہنا۔ اور دس نوجوان لونڈیوں کو بھی مردانہ لباس پہناکر اپنے ہمراہ لیا۔ جب شاہی محلات اور فلک نما عالیشان ایوانوں کے رہنے والے ایک درویش کی کٹیا میں پہنچے۔ تو السلام علیکم کے الفاظ سے مہر سکوت کو توڑا۔ حضرت نے بیٹھے ہی بیٹھے بغیر کسی تعظیم کے جواب میں وعلیکم السلام فرمایا۔ محمود نے جو ایاز کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ کہا آپ نے بادشاہ کو تعظیم نہیں دی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تو ایک جال ہے۔ محمود نے متبسم ہوکر کہا کاش آپ جیسے پرند اس جال میں پھنس سکتے۔ حضرت نے محمود کا ہاتھ پکڑ کر مسند کے برابر بٹھایا۔ اور باقی ہمراہیوں میں سے باوجودیکہ ایاز شاہانہ لباس پہنے ہوئے تہا کسی طرف توجہ بہی نہ کی۔

محمود۔ حضرت کچہہ فرمایئے۔

درویش۔ پہلے نامحرموں کو باہر نکال دو۔

چنانچہ بادشاہ کے حکم سے تمام لونڈیاں جو مردانہ لباس پہنے ہوئے تھیں باہر ہوگئیں۔

محمود۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے حالات واقوال سے کچہہ بیان فرمایئے۔

درویش۔ حضرت بایزید بسطامی کے اقوال سننے کی تاب ہے تو سنو وہ فرماتے ہیں جس نے مجہے دیکہا۔ وہ اپنی بدبختی سے بے خطر ہوگیا۔

محمود۔ آنحضرت صلعم کو ابوجہل۔ ابولہب اور کتنے منکروں نے دیکھا اور وہ بدبخت کے بدبخت ہی رہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کا درجہ کیا آنحضرت صلعم سے بلند ہے کہ ان کو دیکہتے ہی بدبختی کا اثر زایل ہوجاتا ہے۔

درویش۔ بس اسی لئے کہتے تھے۔ کہ حضرت بایزید کا کوئی قول سناؤ۔ ان کے اور دیگر صوفیائے کاملین کے اقوال سننے کی وہی لوگ تاب لاسکتے ہیں۔ جو اس رنگ میں رنگے ہوئے ہوں۔ ع

سرفروشی کی تمنا ہے تو سر پیدا کر

درویش۔ محمود یہ تحقیق یاد رکھ کہ آنحضرت صلعم کو سوائے ان کے چار یار اور اصحاب کبار کے کسی نے حقیقی معنوں میں نہیں دیکہا۔ اگر ابوجہل اور ابولہب اور دیگر منکرین اس نظر سے دیکہتے جس کو

قرآن کریم میں وَتَرٰهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ[1] کہا گیا ہے۔ تو فی الواقعہ وہ بھی اپنی بدبختی کے اثر سے محفوظ رہتے۔

محمود (مطمئن ہو کر) یا حضرت اب مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔

درویش۔ چار باتوں کا خیال رکھو (۱) ممنوعات سے پرہیز (۲) نماز باجماعت (۳) سخاوت (۴) حقتعالیٰ کی مخلوق پر شفقت و مہربانی۔

محمود۔ حضرت دعا فرمائیے۔

درویش۔ اللّٰھم اغفر للمومنین والمومنٰت

محمود۔ کچھ میرے لئے۔

درویش۔ محمود عاقبت محمود باد۔

اس کے بعد محمود نے ایک توڑا اشرفیوں کا پیش کیا آپ نے اس کے جواب میں جو کی ایک روٹی محمود کے آگے رکھدی اور فرمایا اس کو کھاؤ۔ محمود نے ایک لقمہ توڑ کر چبایا لیکن نوالہ حلق سے نیچے نہ اترا آپ نے فرمایا شائد نوالہ حلق میں اٹکتا ہے۔ محمود نے کہا۔ ایسا ہی ہے۔ فرمایا کیا چاہتے ہو کہ اشرفیوں کا یہ توڑا بھی اسیطرح میرے حلق میں اٹک جائے۔ اس کو اٹھالو۔

محمود۔ حضرت کچھ تو قبول فرمائیے۔

درویش۔ میرے لئے یہ حرام ہے۔ اب اس پر اصرار نہ کرو۔

محمود۔ اگر میری نذر قبول نہیں فرمائی جاتی۔ تو مجھے ہی کچھ تبرک عنایت فرمایا جائے۔

آپ نے اپنا ایک پیراہن یا خرقہ محمود کو عنایت فرمایا۔ یہ وہی خرقہ تھا جو سلطان محمود حملہ سومنات کے وقت ہندوستان میں اپنے ہمراہ لایا تھا۔ جس کو پہنکر اس نے فتح سومنات کی دعا بارگاہ الٰہی میں مانگی تھی۔

جب محمود رخصت ہو کر چلنے لگا۔ تو حضرت ابوالحسن خرقانیؒ اس کی تعظیم کو اٹھے۔ محمود نے عرض کیا حضرت جب میں حاضر ہوا تھا۔ تو میری طرف مطلق التفات نہ فرمائی گئی تھی۔ اور اب یہ تعظیم و تکریم کیسی؟ آپ نے فرمایا محمود! تم جب آئے تھے۔ تو شاہانہ جاہ و جلال تمہاری رگ رگ میں سمایا تھا تمہیں اپنا رعب دکھانا بھی مقصود تھا اور فقیر کی آزمائش بھی مدنظر تھی۔ اس لئے فقیر نے تمہاری بادشاہی کی پرواہ نہیں کی اور اب کہ تم انکساری و درویشی لئے جاتے ہو۔ تمہاری تعظیم لازمی و ضروری ہے۔

[1] اے میرے پیارے محبوب تو ان کو دیکھتا ہے۔ جو تیری طرف نظر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ تجکو نہیں دیکھتے۔

سپہ سالار افواج کو شراب پینے پر درے

علی نوشتگین سپہ سالار پچاس ہزار فوج پر افسری کرتا تھا۔ ایکدن نشہ کی حالت میں تھا کر سو سواروں کے جھرمٹ میں جھومتا جھامتا نکلا اور سپاہیانہ جوش میں محتسب کی بھی کوئی پرواہ نہ کی جب محتسب نے آپ کو بدمستی کی حالت میں دیکھا حکم دیا۔ گھوڑے سے اتار لو۔ اسکے بعد خود گھوڑے سے اتر کر اپنے ہاتھ سے درے لگائے۔ سوار اور پیادے کھڑے تکتے تھے اور دم نہ مار سکتے تھے۔ سپہ سالار کو سخت ندامت تھی کہ نشے کی حالت میں گھر سے باہر کیوں نکلا۔ بادشاہ کو سپہ سالار کے شراب پینے کی تو خبر تھی۔ مگر محتسب کے ملنے اور حد شرعی جاری کرنے کا علم نہ تھا۔ دوسرے دن علی نوشتگین جب سلطان کے پاس آیا۔ تو سلطان نے محتسب کے ادائے فرض کے لئے اپنے سپہ سالار کی پیٹھ کھولکر دیکھی۔ تو اس پر دروں کے نشان موجود تھے۔ یہ سنکر فرمایا۔ توبہ کرو۔ اب کبھی گھر سے جھومتے ہوئے نہ نکلنا۔ (نظام الملک طوسی حصہ دوم صفحہ ۲۳۵)

کیا آج بھی کسی محتسب یا کوتوال یا کسی اور بڑے حاکم کی مجال ہے کہ اس طرح ایک سپہ سالار کو اس کے جرم پر علانیہ سزا دینا تو کجا۔ اس کو گرفتار کرنے یا اس سے بازپرس کرنے کی جرات بھی کر سکے۔

ایک بڑھیا کی دلیری سلطان کے سامنے

سلطان محمود کے زمانہ میں کوچ (بلوچ کرمان کے پہاڑی جرگوں) کے قزاقوں نے رباط اور دیر کچھین (اصفہان) میں ڈاکہ ڈالا۔ ایک بڑھیا کا مال و اسباب بھی لٹ گیا۔ اس نے سلطان سے فریاد کی۔ تو خدا کی طرف سے ہمارا محافظ اور نگہبان ہے۔ یا میرا مال دلا یا اس کا معاوضہ عطا کر۔ سلطان نے کہا مجھے خبر نہیں ہے۔ کہ دیر کچھین کہاں ہے۔ بڑھیا بولی اے سلطان اس قدر ملک فتح کر کہ تو ان کے جغرافیہ سے تو واقف ہو سکے اور ان کا انتظام کر سکے۔ سلطان نے اس جواب کو تسلیم کر کے پھر کہا۔ یہ لوگ کہاں سے آئے تھے۔ اور کون تھے۔ بڑھیا نے کہا کوچ بلوچ کے ڈاکو تھے۔ جو کرمان کے قریب ہے۔ سلطان نے کہا۔ وہ ملک تو میری سرحد سے باہر ہے۔ اس کا میں کیا انتظام کر سکتا ہوں۔ بڑھیا نے کہا کیا اسی عدل وانصاف پر شہنشاہی کا دعوےٰ ہے۔ وہ بادشاہ کیا۔ جو اپنی سلطنت کا انتظام نہ کر سکے۔ اور وہ چرواہا کیسا جو اپنی بکریوں کو بھیڑیئے سے نہ بچا سکے۔ اس حالت میں میرا تنہا او ضعیف ہونا اور تیرا فوج اور لشکر رکھنا دونوں برابر ہیں۔ سلطان محمود نے جب بڑھیا کے یہ جوانمردانہ کپکپا دینے والے کلمات سنے۔ تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کو بہت کچھ دے دلا کر رخصت کیا اور ابو علی الیاس امیر کرمان کو لکھا کہ مفسدوں اور ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے ہمارے حضور میں بھیج دو یا مال ڈکیتی برآمد کر کے قزاقوں کو پھانسی دیدو۔ تاکہ آئندہ وہ میرے ملک میں

لوٹ مار نہ کر سکیں۔ ورنہ یاد رکھو کرمان بمقابلہ سومنات بہت نزدیک ہے۔ امیر کرمان سلطان کے خوف سے ایک جرار فوج لیکر گیا۔ دس ہزار بلوچی قتل ہوئے۔ اور بے انتہا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ امیر ابو علی نے سب سامان غزنی بھجوا دیا۔ اور سلطان نے منادی کرا دی۔ تمام ملک سے لوگ آتے تھے اور اپنا مال پہچان کر لیجاتے تھے۔ سلطان نے ایک اور کام یہ کیا۔ کہ ملک سے ہر قسم کی خبریں منگوانے کے لئے پرچہ نویس مقرر کر دیئے۔ تاکہ حاکموں کے ظلم و ستم اور تغافل اور ملک کے حالات کی خبر ملتی رہے ایک بڑھیا کی آزادی اور جرات نے ملک کو کس قدر فایدہ پہنچایا۔ ڈاکوؤں سے ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی اور چھینا ہوا مال بھی واپس آگیا (نظام الملک طوسی حصہ دوم صفحہ ٢٥٦)

شہاب الدین غوری اور حمیت وغیرت اسلامی

سلطان شہاب الدین غوری[1] کو جب ٥٨٧ھ میں ہند کے راجاؤں نے شکست دی تو دوسرے سال یعنی ٥٨٨ھ میں وہ پھر ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن کسی کو اس نے اپنے اصل ارادہ سے آگاہ نہ کیا۔ جب پشاور پہنچا۔ تو ایک پیر مرد غور نے ہاتھ باندھکر کہا۔ کچھ معلوم نہیں ہوتا سلطان کہاں جاتا ہے اور کیا ارادہ رکھتا ہے۔ سلطان نے کہا۔ جب سے میں نے ہند کے راجاؤں سے شکست کہائی ہے۔ بتقاضائے غیرت و حمیت اسلامی میں اس دن سے آجتک اپنی عورت کے پاس نہیں گیا۔ اور نہ میں کبھی خوشی کے جلسوں میں شریک ہوا ہوں۔ جبتک شکست کی بدنامی کے داغ کو مٹا نہ لوں مجھے ایکدم بھی چین نہیں مل سکتا۔ اس پیر مرد نے کہا۔ امرائے جان نثار (غور خلج اور خراسانی جو ہندوستان سے شکست کھا کر بھاگے تھے۔ اور جن پر بادشاہ ناراض تھا) اسلام و کلام سے محروم ہیں۔ وہ جان فروشی کی تلافی کو آمادہ ہیں۔ ان کے جرائم بخشے جائیں تو الطاف خسروانہ سے بعید نہیں ہے۔ سلطان کو اس کی تقریر اور جرات پسند آئی اور سب کے قصور معاف ہو گئے۔

بادشاہ کے بیٹے کی ہلاکت اس کے استاد کے ہاتھوں

سلطان تاج الدین[2] یلدوز غزنی اور لاہور کا بادشاہ تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک بڑا تھا جو فارغ التحصیل تھا۔ ایک چھوٹا تھا اسے معلم کے سپرد کیا۔ ایکدن شہزادہ نے سبق یاد نہ کیا۔ استاد کے پاس ایک کوڑا تھا۔ اس نے اس کے سر پر زور

---

[1] زوال دولت غزنویہ کے بعد خاندان غور کی سلطنت شروع ہوتی ہے۔ شہاب الدین ٥٩٩ھ میں تخت پر بیٹھا اور ۳ شعبان ٦٠٢ھ کو پنجاب میں گکھڑوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔

[2] سلطان معز الدین ملقب بہ شہاب الدین غوری کا ترک غلام تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری خود لاولد تھا۔ مگر اس کے شہوا اور تربیت یافتہ غلاموں سلطان قطب الدین ایبک سلطان تاج الدین یلدوز سلطان ناصر الدین قباچہ اختیار الدین محمد خلجی اور بہاء الدین طغرل کی سلطنتوں کی وجہ سے ہمیشہ اس کا نام تاریخ میں روشن چلا آتا ہے سلطان قطب الدین ایبک نے ٦٠٢ھ میں تاج الدین یلدوز کی بیٹی سے شادی کر لی تھی مگر خسر اور داماد کے تعلقات کشیدہ ہی رہے۔ سلطان قطب الدین ایبک نے لاہور میں انتقال کیا اسکا مزار انار کلی میں موجود تھا۔

سے مارا شہزادے کی اجل آپہونچی تھی ایک ہی ضرب سے آناً فاناً مر گیا جب اس اندوہناک واقعہ کی
خبر بادشاہ کو ہوئی ۔حواس بجا نہ رہے ہوش آیا تو حکم دیا معلم کو زادراہ دیکر رخصت کردو ۔اور تاکید
کی کہ شاہزادے کی ماں کو خبر ہونے تک جس طرح ممکن ہو میری مملکت سے باہر چلے جاؤ ۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان یلدوز علم کی اور عالموں کی کیسی قدر کرتا تھا ۔
وہ سمجھتا تھا کہ استاد نے عمداً شہزادہ کو ہلاک نہیں کیا ۔لڑکے نے سبق یاد نہیں کیا ۔ استاد
غصہ اور طیش میں مار بیٹھا ۔ بیٹے کی اجل اسی طرح تھی وہ مر گیا ۔

کیا آج بھی اگر کسی استاد سے ایسا واقعہ ہو جائے ۔ تو وہ بخشا جا سکتا ہے ۔ اس زمانہ کے
استاد اس قسم کے تھے کہ لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اپنی ساری عمریں وقف کر دیتے تھے ۔ وہ
سوائے درس و تدریس کے کوئی کام نہ کرتے تھے حکومت ان کے خرچ کی متکفل ہوتی تھی ۔ اور تعلیم مفت
دی جاتی تھی ۔ شاگردوں کی یہ حالت تھی کہ استادوں کے نقش قدم پر آنکھیں بچھاتے تھے ۔ بادشاہ
اور والدین کے بعد سب سے زیادہ حق اپنے استاد کا سمجھتے تھے ۔ شاگرد امیر ہو یا غریب ، فقیر ہو یا شاہزادہ
استاد کو واجب العزت سمجھتا اور اس کی جوتیاں سیدھی کرنا باعث فخر جانتا تھا ۔

اس زمانہ میں انہی باتوں اور انہی اصولوں کی وجہ سے جور استاد کو مہر پدر پر ترجیح دی جاتی تھی ۔
سلطان تاج الدین یلدوز سلطان شمس الدین التمش کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے گرفتار ہو گیا
اور بحالت قید نو برس کی حکومت کے بعد انتقال کر گیا ۔

فصل دوم

خاندان غلامان و خلجی

بادشاہی میں فقیری

ناصر الدین خلف شمس الدین التمش اپنے بھائیوں اور اپنی مشہور جوان ہمت بہن سلطانہ
رضیہ کے بعد ۶۴۴ھ میں تخت دہلی پر بیٹھا بیت المال میں لاکھوں اور کروڑوں روپے
موجود تھے ۔ اگر وہ چاہتا تو اپنی تنخواہ مقرر کر سکتا تھا ۔ مگر ناصر الدین نے اپنا گذارہ دلباس ۔

خوراک اور ضروریات) اپنی کمائی پر رکھا۔ اُس زمانہ میں ہندوستان میں چھاپے خانے نہ تھے، ہر کتاب اپنے ہاتھ سے لکھنی پڑتی تھی۔ اس لئے کتابیں بہت کمیاب تھیں اور بڑی بڑی قیمتیں پاتی تھیں۔ ناصر الدین عربی اور فارسی کی کتابیں نقل کر کے اپنی روزی کماتا تھا۔ ناصر الدین بہت بڑا عالم اور اپنے وقت کا خطاط تھا۔ غریب آدمیوں کی طرح اپنی زندگی بسر کرتا۔ اور جو کچھ درکار ہوتا۔ کتابیں نقل کر کے کما لیتا اور خزانے کو ہاتھ تک نہ لگاتا۔ اس کی پرائیویٹ زندگی بالکل فقیرانہ تھی۔ اس کی طبیعت میں انکسار بہت تھا۔ کسی کی مطلق دل شکنی نہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کوئی درباری بادشاہ کی خدمت میں آیا۔ ایک قلمی کتاب بادشاہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی۔ سامنے ہی پڑی تھی وہ اٹھا کے دیکھنے لگا۔ اور کچھ سہو کتابت بتائی۔ آپ نے قلم اٹھایا اور جس طرح اس نے کہا۔ اسیطرح بنا دیا۔ لیکن اس کے جانے کے بعد اس اصلاح کو چھیل ڈالا۔ کسی نے کہا جہاں پناہ یہ کیا بات ہے۔ فرمایا درصل کوئی غلطی نہ تھی۔ مگر جو شخص مہربانی کر کے میری غلطیوں سے مجھے آگاہ کرتا ہے اس کی دل شکنی کب روا ہے۔ درصل اصلاح کی ضرورت نہ تھی لہ

ملکہ ہند اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی اور گھر کے کام کاج کرتی ہے!

اس زمانہ میں اور اب بھی بادشاہوں کی کئی کئی بیگمات ہوتی ہیں لیکن ناصر الدین ان بادشاہوں میں نہ تھا۔ جو بادشاہ قرآن شریف اور دیگر کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھکر اپنی روزی کماتا ہو۔ وہ بیگمات۔ لونڈیاں اور باندیاں اس کثرت سے کسطرح رکھ سکتا ہے۔ اس کی ایک ہی بیگم سلیمہ نام تھی جس کے پاس نہ کوئی لونڈی تھی نہ باندی علاوہ گھر کے کام کاج کے وہ بھی کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتی تھی۔ ایک دن روٹی پکاتے پکاتے اس کا ہاتھ جل گیا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کم سے کم ایک ماما تو رکھدو۔ کہ روٹی پکانے سے تو نجات ملے۔ باقی گھر کے کام میں خود کر لیا کروں گی۔ بادشاہ نے کہا بیگم! اگرمیں بادشاہ ہوں لیکن سلطنت کے روپیہ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے کہ وہ رعایا کا مال ہے۔ اور رعایا کی بہبودی ہی میں صرف ہونا چاہئے۔ میں ایک غریب آدمی ہوں میری آمدنی جیسا کہ تم سے مخفی نہیں ہے بہت قلیل ہے۔ اتنی گنجائش نہیں کہ ایک خادمہ بھی رکھ سکوں۔ آخر غریب آدمیوں کی بیویاں بھی اپنے ہاتھ سے کھانا پکاتی ہیں۔ دنیا میں یہ چند روزہ تکلیف ہے۔ اس کو برداشت کر لو۔ خدائے پاک تم کو اس کا اجر دے گا۔

الہی اکبر الیسا نیکدل۔ رعایا پرور۔ امین۔ خدا کا خوف رکھنے والا مرنج و مرنجان بادشاہ

لہ تاریخ دہلی (مصنفہ مولوی بشیر الدین احمد دہلوی) جلد اول صفحہ ۶۶

روز روز کہاں نصیب ہوتا ہے۔ یہ بادشاہ درحقیقت انسان کے قالب میں ایک فرشتہ تھا۔
سنہ ۶۶۳ھ میں یہ عدل پرور بادشاہ بیمار رہا۔ اور ۱۱ جمادی الاول سنہ ۶۶۴ھ ۱۲۶۶ع کو دہلی میں انتقال کر گیا

بابا فرید الدین گنج شکر کی طرف سے فرمان جاگیر کی واپسی

سلطان ناصر الدین ایک مرتبہ معہ سلطان غیاث الدین بلبن کہ اس زمانہ میں اس کا الغ خان نام تھا۔ اوچ اور ملتان کی طرف گیا جب پاکپٹن میں پہنچا۔ تو الغ خان کے ہاتھ حضرت بابا فرید شکر گنج رح[1] کے پاس کچھ زر نقد معہ فرمان معافی جاگیر وعطیہ بھیجا۔ اور زبانی یہ پیغام دیا کہ یہ جو کچھ حاضر خدمت کیا جاتا ہے۔ وہ آپ کے لئے نہیں بلکہ آپ کے متعلقین اور مسافروں کے لئے ہے۔ جو اکثر آپ کے پاس فیض حاصل کرنے کے لئے آتے رہتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ زر نقد تو فقرا کو تقسیم کردو۔ اور مصائب و آفات کا یہ پیش خیمہ یعنی یہ فرمان جاگیر واپس لے جاؤ[2]

کیا استغنا تھا کیا بےغرضی تھی جو کام کرتے تھے خلوص سے کرتے تھے۔ نہ ستائش کی پرواہ تھی نہ صلہ کی تمنا لیکن آج جو حالت ہمارے صوفیا اور سجادہ نشین صاحب کی ہے۔ وہ صرف افسوس ہی نہیں۔ بلکہ رونے اور سر پیٹنے کے قابل ہے۔

شاہزادہ خضر خان اور شیخ صدر الدین عارف

سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنی حین حیات اپنے بڑے بیٹے خضر خان کو جو حضرت امیر خسرو کا مربی تھا چتر اور تاج دے کر ملتان کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں شیخ صدر الدین عارف کی بزرگی وعظمت کی بہت شہرت تھی۔ خضر خان اپنی بیگم سے بہت محبت رکھتا تھا لیکن شراب کی حالت میں کوئی ایسی بدمزگی ہوگئی۔ کہ اس نے اس کو طلاق دیدیا۔
جب ہوش آیا۔ تو بہت پریشان وپشیمان ہوا۔ علمائے شہر کو بلوایا کہ اب کیا تدبیر کی جائے ضمیر فروش خود غرض اور خوشامد پرست لوگ ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں۔ علمار کا طبقہ بھی ان سے خالی نہ تھا بعض نے رائے دی کہ وہ طلاق جائز نہیں ہے۔ لیکن علمار کی کثرت اسطرف تھی۔ کہ بغیر نکاح شوہر ثانی کے یہ عورت آپ پر اب حلال نہیں ہوسکتی خضر خان یہ نہیں چاہتا تھا۔ کہ میری بیوی کسی اور کے ساتھ منسوب ہو۔ آخر قاضی اثیر الدین خوارزمی نے جو شاہزادہ کا کسی قدر بےتکلف ہمدم تھا۔ یہ تدبیر بتائی۔ کہ اسی شہر میں ایک پاکیزہ صورت درویش شیخ صدر الدین ہیں اگر بیگم مطلقہ کا

[1] نام مسعود بن سلیمان کابلی لقب فرید الدین گنج شکر ولادت متصل پاکپٹن موضع کھوتی وال وفات بمقام پاکپٹن بزمانہ سلطان غیاث الدین بلبن واقعہ ۵ محرم سنہ ۶۶۴ھ [2] از کتاب سیرالعارفین تصنیف شیخ جمالی بزمانہ شہنشاہ ہمایوں نقل اس کتاب کی ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۱ھ میں بمقام مرادآباد ہوئی اور اس کا اردو ترجمہ شیخ غلام احمد سنبھلی نے ۲ محرم سنہ ۱۳۱۹ھ کو کیا۔

نکاح ان سے کرادیا جائے۔ اور پھر ان سے طلاق دلوادی جائے۔ تو یہ عورت حلال اور مباح ہوسکتی ہے
خضر خان نے بڑی مشکل سے اس کو منظور کیا۔

چنانچہ بیگم کا نکاح حضرت شیخ سے ہوگیا۔ اب قاضی نے زور دیا کہ طلاق دو۔ شیخ نے کہا۔
خود ہی نکاح پڑھوایا خود ہی طلاق کی سفارش۔ بلا وجہ بلا عذر میں طلاق دینے کے لئے تیار نہیں
ہوں جب عورت کو خبر ہوئی۔ کہ میرے متعلق طلاق کا زور دیا جارہا ہے۔ تو وہ نیک بخت شیخ
کے پاؤں پر گر پڑی کہ اللہ تعالیٰ نے اس فاسق کی صحبت سے نجات دیکر آپ جیسے متقی کی صحبت
میں مجھے پہنچایا ہے۔ اب خدا کے لئے مجھے اس ظالم کے حوالے نہ کیجئے۔ خضر خان یہ سنکر آگ بگولا
ہوگیا۔ پہلے قاضی کو قتل کی دھمکی دی۔ پھر اس کی منت خوشامد پر اس کی تو جان بخشی کی۔ مگر حضرت
شیخ کے قتل کے درپے ہوگیا۔ شیخ نے کہا میں بلا وجہ طلاق دیکر گناہ کا بوجھ اپنے سر پر نہیں لے سکتا
زبردستی جو تم چاہو کر لو۔ خضر خان نے آخر ایک جرار فوج کے ساتھ ملتان کو تباہ کرنیکا مصمم
ارادہ کر لیا۔ لیکن خدا کی قدرت سے مغلوں کی ایک جماعت نے کہ صاحب سیر العارفین نے اس کی
تعداد دو ہزار لکھی ہے خضر خان اور اس کی جماعت پر بلائے ناگہانی کی طرح حملہ کیا۔ اور اسی حملہ میں
خضر خان مارا گیا (سیر العارفین)

ایک امام مسجد کی حق گوئی امیر الامرا کے سامنے

حضرت شیخ فریدالدین باباشکر گنج کے زمانہ میں شیخ نجیب الدین متوکل نام ایک بزرگ
دہلی میں گذرے ہیں۔ دہلی میں ایک امیر الامرا ترک نے ایک مسجد بنوائی شیخ نجیب الدین
متوکل کو امام مسجد بنایا۔ اس ترک نے اپنی لڑکی کے نکاح میں ایک لاکھ چیتل (اس زمانہ
کا سکہ) خرچ کردیا۔ اور اس میں سے ایک حبہ بھی خدا کی راہ پر خرچ نہ کیا۔ شیخ نے حریت و آزادی
اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ ترک سے کہا کامل مومن وہ ہوتا ہے جس کے دل میں اولاد کی محبت
سے بڑھکر اللہ تعالیٰ کی محبت ہو۔ تم نے اپنی لڑکی کی شادی میں ایک لاکھ چیتل خرچ کردیا ہے۔ اس سے
دگنی رقم جب تک اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کے لئے خرچ نہ کروگے۔ تمہاری عاقبت بخیر نہ ہوگی۔
مسلمان غربا کی امداد کرو۔ جو طالب علم ہیں اور نادار ہیں۔ ان کے خرچ کے لئے اپنے وقف کرو۔ امرا ایسی
باتیں سننے کے عادی نہیں تھے۔ چنانچہ اس ترک نے خفا ہوکر مسجد کی امامت کسی اور کو دیدی[1]
آپ بڑی خوشی سے مسجد خالی کر کے حضرت باباشکر گنج کے پاس پاکپتن میں آگئے۔ آپ نے ان کو
تسلی دی اور خدا کی راہ میں اس حق گوئی کے اظہار سے جو تکلیف ان کو ہوئی اسکی برداشت کیلئے دعا فرمائی

[1] اردو ترجمہ فوائد الفواد صفحہ ۶۴۔

ایک محدث اور قاضی پر حق کی خاطر اعتراض

خواجہ بدر اسحاقؒ مصنف اسرار الاولیا اپنے پیر مرشد حضرت خواجہ فریدالدین شکر گنج مسعودؒ کے حالات میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا۔ قاضی ابویوسف حدیث کا سبق طالبعلموں کو پڑھا رہے تھے۔ اور صوفیانہ کلاہ سر پر پہنے ہوئے تھے لیکن وہ کلاہ سفید نہ تھی۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا۔ رسول صلعم نے سفید کلاہ پہنی ہے یا سیاہ۔ قاضی نے کہا سفید۔ پھر اس نے پوچھا۔ لاطیہ یا ناصرہ کہا لاطیہ۔ اس شخص نے کہا آپنے ناشرہ اور وہ بھی سیاہ رنگ کی پہنی ہے۔ دو سنتوں کی خلاف ورزی کرکے آپ حدیث کا سبق کس منہ اور کس زبان سے دے رہے ہیں۔ قاضی نے کہا اگر تم نے مجھے حق کی خاطر ٹوکا ہے تو منظور اور شکر گذار رہوں اور اگر میری خفت اور ذلت اور اپنی بڑائی منظور رہے۔ تو افسوس اور ہزار افسوس اس شخص نے کہا۔ میں نے جو کچھ کہا ہے۔ حق کی خاطر کہا ہے۔ اس لئے کہ آپ دین کے امام ہیں۔ آپ کو خلاف سنت کوئی کام نہیں کرنا چاہیئے (اردو ترجمہ اسرار الاولیا)

حضرت نظام الدین اولیا کا بادشاہ کی ملاقات سے انکار

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کا لنگر اور دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ نہ کوئی وظیفہ تھا نہ جاگیر لیکن ہزارہا آدمی روزانہ کھانا کھاتے تھے۔ آپ سائلوں اور مہمانوں کی بڑی خاطر کرتے تھے۔ باوجود اس قدر فتوحات و نذر و نیاز کے ایک کوڑی بھی آپ اپنے پاس نہ رکھتے تھے۔ بعض حاسدوں کو آپکا عروج دین و دنیا از حد ناگوار تھا۔ سلطان علاؤالدین خلجیؒ کے خدا جانے کیا کیا کان بھرے اور آپکے وسیع دسترخوان اور آدبھگت اور ایک عالم کی حلقہ بگوشی اور مرجع خلائق ہونے کے کیا کیا اندیشے ظاہر کیئے۔ کہ سنتے سنتے آخر بادشاہ کے دل میں بھی خطرہ پیدا ہو گیا۔ کہ حضرت کا اس قدر عروج امور سلطنت میں ضرور رخنہ اندازی پیدا کرے گا۔ اس نے آزمائش کے طور پر اپنے فرزند خضر خان کے ہاتھ جو حضرت کا

ہ؎ اصل نام محمد بن علی البخاری لقب سلطان المشائخ۔ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی۔ دہلی والے عموماً سلطان جی کے نام سے پکارتے ہیں ولادت ۲۷ صفر ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۵ء ابتدائی علوم بدایوں میں حاصل کئے۔ جو آپ کا وطن تھا۔ بعد ازاں دہلی آئے صدر ولایت شمس الملک سے مقامات حریری پڑھی ۲۰ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ علم حدیث مولانا کمال الدین سے پڑھا جب آپ دہلی آئے ہیں تو سلطان غیاث الدین بلبن کا زمانہ تھا۔ ۱۵ رجب ۶۵۵ھ کو اجودھن (پاکپٹن) پہنچے حضرت بابا فرید گنج شکر نے چند قدم استقبال کیا اور فرمایا ہ؎ اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ۔ بعمر ۲۰ سال آپنے حضرت باباصاحب کی بیعت کی۔ آپنے سات بادشاہیاں دیکھنے کے بعد بعہد سلطان محمد ثالث بن تغلق ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ میں بمقام دہلی انتقال فرمایا مزار مبارک موضع غیاث پور میں جو اب نظام الدین ہی کے نام سے مشہور ہے اور دہلی سے تین میل واقع ہے مرجع خلائق ہے آپکے زیر سایہ اکثر سلاطین دہلی کی قبریں ہیں۔ امیر خسرو بھی یہیں دفن ہیں حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی آپکے باقیات الصالحات سے ہیں۔ جن کی دلفریب سلیس اور من موہنی طرز تحریر نے سارے ہندوستان کی اردو دان دنیا پر اپنا سکہ بٹھایا ہوا ہے۔ (بقیہ حاشیہ دیکھو صفحہ ۱۸۸ پر)

مرید بھی تھا ایک معروضہ اس مضمون کا بھیجا کہ آپ مجھکو سلطنت کے اہم امورات میں اپنے صلاح و مشورہ سے مستفید فرمایا کریں۔ اس سے یہ دیکھنا مقصود تھا کہ ان کا دنیاوی عروج کی طرف خیال ہے یا نہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا فقیروں کو سلطنت کے امورات سے کیا واسطہ؟ میں بیرون شہر ایک گوشہ میں پڑا ہوا بادشاہ اور مسلمانوں اور جملہ مخلوق کی دعاگوئی میں مشغول ہوں۔ اس پر بھی مجھے ستاتے ہو؟ اگر بادشاہ کو میرا رہنا یہاں ناگوار ہے۔ تو خدا کی زمین کشادہ ہے (ارض اللہ واسعۃ) میں کسی اور جگہ چلا جاؤں گا بادشاہ اس جواب سے نادم ہوا۔ اور کلمات معذرت کے ساتھ حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا آنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں غائبانہ دعاگو ہوں اور جو اثر غیبت دعا میں ہوتا ہے۔ وہ سامنے کی دعا میں نہیں ہوتا۔ لیکن بادشاہ نے نہ مانا اور مصر ہوا آپ نے لکھا۔ فقیر کے گھر کے دو دروازے ہیں۔ بادشاہ ایک دروازے سے آئیں گے فقیر دوسرے سے نکل جائیگا۔ جب کسی طرح حضرت نے اجازت نہ دی۔ تو مجبوراً بادشاہ نے بلا اطلاع جانے کا قصد کیا اور امیر خسرو سے جو حضرت کے مصحف بردار تھے اس ارادہ کا تذکرہ کیا۔ امیر خسرو سخت متفکر ہوئے کہ اگر حضرت کو خبر نہ کروں تو وہ ناراض ہوں گے اور اگر خبر کردوں تو بادشاہ خفا ہوگا۔ آپ نے اس خیال سے کہ بادشاہ زبردستی ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اس کی ناراضگی تو قبول کرلی۔ مگر حضرت کی خفگی کو پسند نہ کیا اور اپنی جان پر کھیل کر بادشاہ کے ارادے سے حضرت کو مطلع کردیا۔ آپ اسی وقت اجودھن (پاک پٹن) چلے آئے بادشاہ نے سنا تو امیر خسرو سے کہا۔ تمہارے راز فاش کردینے سے میں حضرت کی قدم بوسی سے محروم رہا۔ امیر خسرو نے نہایت دلیری سے جواب دیا حضور کی ناراضگی سے صرف جان کا خوف تھا۔ مگر اپنے شیخ کی ناراضگی سے ایمان کا اندیشہ تھا۔ میں نے ایمان کو اپنی جان پر ترجیح دی۔ بادشاہ نے یہ برجستہ جواب سنکر معاف کردیا (از تاریخ دہلی جلد دوم صفحہ ۷۶۸)

سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی کے زمانہ میں تمام امرائے بزرگ و خورد حضرت شیخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے مرید و معتقد تھے۔ لیکن قطب الدین کو حضرت شیخ سے للٰہی عداوت اس وجہ سے ہوگئی تھی کہ سلطان علاء الدین	حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کا بادشاہ کے دربار میں جانے سے انکار

(بقیہ حاشیہ سلسلہ صفحہ ۱۸۷) حضرت خواجہ حسن نظامی سے راقم الحروف کو بھی نیاز حاصل ہے خلیق اور ملنسار ہیں بکا ضیا و اکرات بمبئی۔ سندھ و دکن کی طرف بہت لوگ آپکے مرید و معتقد ہیں ؎ خاندان خلجی کا دوسرا بادشاہ تھا جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے بعد ۶۹۵ھ میں تخت پر بیٹھا اور ۱۳۰۶ تک حکمران رہا اسکے دونوں بیٹے حضرت کے مرید تھے اور خود بھی معتقد تھا مگر سلطنت کی حرص بُری بلا ہے۔

اور خضر خان دونوں حضرت شیخ کے مرید خادم تھے جن کے تخت پر قطب الدین متمکن تھا۔
قطب الدین نے پہلے تو امرائے دربار کو نذرانہ اور شکرانہ دینے سے منع کیا۔ تاکہ حضرت کا لنگر موقوف ہو جب نذرانے اور شکرانے بند ہونے پر بھی لنگر موقوف نہ ہوا۔ بلکہ خرچ دُگنا ہو گیا تو حکم دیا کہ جب حضرت شیخ رکن الدین ابو الفتح بادشاہ وقت کے دیدار کے لئے ملتان سے دہلی آ رہے ہیں۔ تو آپ جو دہلی ہی میں رہتے ہیں ہمارے دیدار سے مشرف کیوں نہیں ہوتے۔ حکم دیا جاتا ہے کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ہمارے حضور میں حاضر ہوا کریں۔ حضرت شیخ نے کہلا بھیجا میں گوشہ نشین فقیر ہوں۔ نہ میرا اور نہ میرے پیر و مرشد کا یہ طریقہ رہا ہے کہ شاہی دربار کے ہم مصاحب بنیں اور بادشاہوں سے راہ و رسم پیدا کریں۔ المعذور و مجبور کے موافق مجھے معاف فرمایا جائے۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا اگر ہر ہفتہ نہیں آ سکتے۔ تو ہر چاند رات کو دربار میں آیا کرو۔ اور اگر اس سے بھی انکار ہے تو ہمیں بتاؤ کہ ہم تمہارا کوئی اور علاج کریں۔ تاریخ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ سید قطب الدین غزنوی شیخ عماد الدین طوسی۔ شیخ وجیہ الدین قندزی اور مولانا برہان الدین یزدی بادشاہ کا یہ پیغام لیکر غیاث پور میں آئے۔ جہاں حضرت محبوب الٰہی کا قیام تھا۔ پیغامبروں نے یہ بھی کہا کہ بادشاہ جوان اور تند مزاج ہے اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے جیسے بھی ممکن ہو اس کا حکم ماننا چاہیئے۔ تاکہ آپ اور دیگر اہل دہلی فتنہ و فساد سے محفوظ رہیں۔ حضرت شیخ نے جواب دیا جب چاند رات کا موقعہ آئیگا۔ تو جو صورت ہو گی اس پر عمل کیا جائیگا۔ خدا کی قدرت دیکھئے کہ جب مقررہ وقت آیا۔ تو خسرو خان نے جو قطب الدین ہی کا نمک پروردہ تھا ایک جمعیت کے ساتھ بادشاہ کے محل میں داخل ہو کر اس کو قتل کر دیا۔ (سیر العارفین) یہ واقعہ صفحہ ۱۹۰ پر بالتفصیل درج ہے

آج کیوں نظام الدین اولیا اور بابا فرید الدین شکر گنج پیدا نہیں ہوتے۔ وہی آسمان وہی زمین وہی دہلی وہی پاک پٹن اور وہی مسلمان! پھر کیا بات ہے۔ کہ اولیا و صوفیا صفحۂ دہر سے ناپید ہو رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ہر جگہ خدا کے خوف کی جگہ بندوں کا خوف غالب ہے رسول کریم کی رضامندی پر دنیاوی جاہ و جلال والوں کی خوشنودی مقدم سمجھی جاتی ہے۔ دلوں پر حریت و آزادی کی جگہ خوشامد و مکاری نے قبضہ جما لیا ہے۔ جو کام کیا جاتا ہے۔ نمائش اور ذاتی اغراض کے لئے۔ اس میں صوفیا و عوام کی کوئی تخصیص نہیں۔ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ پھر ہم میں وہ لوگ جو دین کو دنیا پر مقدم رکھیں کہاں سے اور کس طرح سے پیدا ہوں۔

بادشاہ کی ناعاقبت اندیشی اور قاضی صدر جہاں کی خیر خواہی

خاندان غلامان (سلطان شمس الدین التمش وبلبن وغیرہ) کے بعد ۶۸۹ھ مطابق ۱۲۹۰ء میں خاندان خلجی کا عروج شروع ہوتا ہے اس خاندان کا پانچواں اور آخری بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ تھا۔ جو ۱۳۱۶ء سے ۱۳۲۰ء تک حکمران رہا۔ اس کی مدت حکومت ناچ رنگ اور لہو ولعب میں گذر گئی۔ ایک نیچ ذات کا ہندو غلام اس کا نہایت منظور نظر تھا۔ اس کو اس نے ملک خسرو کا خطاب دے رکھا تھا۔ ملک خسرو بادشاہ کو آرام طلبی اور عیش پرستی میں محو رکھکر امرائے دربار کے ساتھ نہایت ناشائستہ وگستاخانہ سلوک کرتا تھا۔ بادشاہ کے پاس جب ملک خسرو کی شکایت ہوتی تھی۔ تو وہ اُلٹا شکایت کرنیوالوں پر ناراض ہوتا تھا۔ یہانتک کہ لوگ اس ناہنجار لڑکے کے ظلم وستم سہتے تھے۔ اور دم نہ مار سکتے تھے۔

بادشاہ کا ایک استاد قاضی خاں صدر جہاں تھا علم کے ساتھ حسن عمل بھی رکھتا تھا مسلمانوں کی بےعزتی اور بادشاہ کی رسوائی وبدنامی نہ دیکھ سکا۔ جی کڑا کرکے بادشاہ کے پاس گیا اور کہا اس مار آستین سے ہوشیار رہیئے اس کی نیت اچھی نہیں ہے۔ بادشاہ نے سنکر ٹال دیا

آخر وہ نمکحرام ایک رات بہت سی جمعیت لیکر اس بہانے سے بادشاہ کے پاس آیا کہ یہ سب لوگ مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ پانچویں دروازہ پر قاضی خان صدر جہاں کا پہرہ تھا سب کو مسلح دیکھکر اس کا ماتھا ٹھنکا اس نے روکا اور کہا۔ اخوند عالم (بادشاہ کو اسی نام سے پکارا جاتا تھا) کی اجازت لے آؤں لیکن اس وقت کون جانے دیتا تھا۔ قاضی خان مارا گیا۔ اور یہ سب لوگ بادشاہ کے پاس جو اب تنہا رہگیا تھا جا پہونچے اور اس کو قتل کردیا۔ یہ افسوسناک واقعہ جس نے مبارک شاہ کی ناعاقبت اندیشی وبےعقلی۔ قاضی خان کی حمیت وجان نثاری اور ملک خسرو کی غداری ونمک حرامی کو طشت ازبام کردیا۔ ۵ ربیع الاول ۷۲۱ھ کی شب کو دہلی میں پیش آیا۔

ایک غاصب بادشاہ کی نذر ونیاز لینے سے مشائخ دہلی کا انکار

جب خسرو خان (نو مسلم) نمک حرام نے اپنے آقا سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کرکے تخت دہلی پر قبضہ کرلیا۔ تو بادشاہ کے رشتہ داروں کو بھی چُن چُن کر قتل کیا۔ بادشاہ کی بیگم سے زبردستی شادی کرلی اور بادشاہ کی اولاد کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ اپنی نمکحرامی کا داغ مٹانے کیلئے اس نے علماء ومشائخ دہلی کے پاس تحفے اور ہدیئے بھیجے۔ بعض نے خوشی سے بعض نے خوف سے تحفے لیئے لیکن بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے انکار کردیا۔ سید علاؤالدین جیوڑی

شیخ وحیدالدین خلیفہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر اور شیخ عثمان سیاح خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح نے روپے واپس بھجوا دیئے۔ خسرو خان نے حضرت نظام الدین اولیا کی خدمت میں بھی پانچ لاکھ کی نذر بھیجی تھی۔ آپ نے فقرا و مساکین اور مساکین کو حصہ رسدی تقسیم کرا دی۔ اور ایک حبہ بھی اپنے پاس نہ رکھا۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ اس غاصب کی سلطنت کو قیام نہیں ہوسکتا چنانچہ چار ہی ماہ کے بعد غازی الملک گورنر صوبہ دیپال پور (ضلع منٹگمری) اپنے آقا کا بدلہ لینے کے لئے دہلی آیا۔ اور خسرو خان کو قتل کر کے آپ بادشاہ بن گیا۔ اور غیاث الدین تغلق اپنا نام رکھا۔ خزانہ کی موجودات لی تو معلوم ہوا۔ کہ لاکھوں روپے درویشوں کو دیئے گئے ہیں تغلق نے سب سے حساب طلب کیا جنہوں نے امانتاً روپیہ اپنے پاس رکھ لیا تھا انہوں نے واپس کر دیا حضرت محبوب الٰہی نے جواب دیا۔ روپیہ بیشک آیا ہے لیکن وہ روپیہ خسرو خان کے باپ کا نہیں تھا بیت المال تھا۔ میں نے مستحقوں کو پہنچا دیا ہے۔ اپنے پاس ایک حبہ نہیں رکھا۔ بادشاہ یہ جواب سُنکر خاموش ہو گیا (تاریخ دہلی جلد دوم صفحہ ۷۷)۔

کوتوال شہر کی خیرخواہی رعایا کے لئے!

سلطان غیاث الدین بلبن نے فوج کے بڑے بوڑھوں کو جب تھوڑی سی مدد معاش دیکر الگ کر دیا۔ تو لشکر میں ایک مصیبت عظیم ظاہر ہوئی۔ ملک فخرالدین کوتوال کا بڑا زور تھا۔ موقوف شدہ فوجیوں کے قائم مقام قیمتی تحائف لیکر ملک کے پاس گئے۔ کہ بادشاہ تک ہماری شکایت پہنچا دو۔ اور جو مصیبت بے روزگاری کی بڑھاپے میں ہم پر آئی ہے اس سے نجات دلا دو۔ ملک نے یہ کہکر تحفے تو واپس کر دیئے۔ کہ رشوت لینے سے کلام کا حقیقی اثر جاتا رہیگا اور آپ بادشاہ کے پاس گیا۔ لیکن کہنے کی جرات نہ ہوئی۔ بادشاہ نے اس کو متفکر و متامل دیکھکر خود ہی پوچھا۔ خیر تو ہے۔ کہا جہان پناہ ایک عرض ہے فرمایا کہو۔ عرض کیا۔ حضور کے حکم سے بڑے بوڑھے برطرف کئے جا رہے ہیں۔ ڈرتا ہوں کہ اگر قیامت کے دن اللہ میاں بھی اسیطرح اپنی ضعیف مخلوق کو دھکے دے کر نکلوانے جائیں گے تو وہاں غلاموں کا کیا حال ہوگا۔ بادشاہ سمجھ گیا۔ اور حکم دیا کہ سب لوگ بحال کئے جائیں۔

قاضی کی جرات سے ہزارہا لوگ قتل ہونے سے بچ رہے

۶۷۸ھ میں جب غیاث الدین بلبن نے اپنے غلام طغرل الملقب بہ سلطان مغیث الدین حاکم لکھنوتی پر فتح پائی۔ تو بعض اسیران لشکر کے لئے جن کی تعداد ہزارہا تک تھی دہلی کے بازاروں میں پھانسیاں نصب کرائیں۔ جب دہلی میں یہ خبر مشتہر ہوئی

ل ۶۲۰ھ میں سلطان شمس الدین التمش کے ہاتھ بکا ۶۶۲ھ میں ہندوستان کا بادشاہ ہوا ۶۸۶ھ میں وفات پایا گیا۔ بابا فریدالدین شکر گنج۔ شیخ بہاءالدین زکریا۔ اسی بادشاہ کے زمانہ میں ہوئے ہیں

تو ہر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ کیونکہ بہت سے قیدی دہلی والوں کے عزیز و اقارب تھے۔ یہ سب لوگ قاضی لشکر کے پاس گئے۔ اور گریہ وزاری کی کہ بادشاہ سے کہہ سنکر ہمارے عزیزوں کی جانیں بچائو۔ بادشاہ کو باغیوں پر سخت غصہ تہا۔ اور کوئی اس کو کسی کی معافی کے لئے نہ کہہ سکتا تہا۔ آخر قاضی نے دلیری کی کلمات رقت آمیز سے بادشاہ کے دل کو نرم کیا۔ قیدیوں کے ساتھ جو سلوک مناسب ہونا چاہیئے تھا وہ عرض کیا۔ اور ان کی جان بخشی کی سفارش کی۔ بادشاہ کا غصہ نرم ہو گیا۔ اور قلم عفوان کے جرائم پر کھینچ دیا۔

فصل سوم

خاندان تغلق

خاندان خلجی کے زوال اور ملک خسرو (جس نے اپنی پانچ ماہ کی بادشاہی میں اپنا نام ناصر الدین ملک خسرو رکہا تہا) کی نمک حرامی کے بعد سنہ ۷۲۱ھ مطابق سنہ ۱۳۲۱ء میں خاندان تغلق نے تخت دہلی پر قدم رکھے۔ سنہ ۱۳۲۱ء سے سنہ ۱۴۱۴ء تک اس خاندان میں آٹھ بادشاہ ہوئے۔

دوسرے بادشاہ کا نام محمد بن تغلق عرف خونی سلطان تہا۔ عمدہ سپہ سالار اور علما و فضلا سے فیاضانہ سلوک کرتا تھا۔ لیکن بعض اوقات اس قسم کی حماقتیں اور بے انصافیاں اس سے ظاہر ہوتی تھیں کہ اس کے صحیح الدماغ ہونے میں شک پیدا ہو جاتا تھا۔ دہلی کو اسی نے اُجاڑا اور برباد کیا اور لوگوں کو جبراً نئے دار الخلافہ دولت آباد میں نقل مکانی کیلئے گھروں سے باہر نکالا۔ ان باتوں کے باوجود اپنے آپ کو عادل شاہ بھی کہتا تھا۔ اور عادل آباد کے نام سے اس نے ایک قصر ہزار ستون بھی تعمیر کرایا تہا۔

اپنی جان گنوا دی مگر ظالم کو عادل نہیں کہا

اس کے عہد حکومت میں شیخ شہاب الدین حق گو دہلی میں ایک نامور اہل اللہ بزرگ گذرے ہیں سلطان نے ان کو مجبور کیا کہ میرے عادل ہونیکا فتوٰے صادر

صادر کریں۔ اور خطبہ میں میرا نام سلطان محمد عادل پکارا جایا کرے۔

اکثر لوگوں نے آپ کو نشیب و فراز بھی سمجھائے ہوں گے۔ کہ بصورت انکار یہ جابر و ظالم بادشاہ سختی سے پیش آئیگا لیکن معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے کسی دھمکی کسی خوف اور کسی جبر کی پرواہ نہیں کی۔ صاف انکار کر دیا اور کہا میں ظالم کو عادل دن کو رات اور ظلمت کو نور نہیں کہہ سکتا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی تو آپکو قلعہ سے نیچے پھینکوا دیا جس سے نہایت بیدردی کے ساتھ آپ کی شہادت واقعہ ہوئی[1]

حق گوئی راست بازی اور حریت صادقہ کے اظہار کا جو تلخ نتیجہ ہوتا ہے۔ اس سے آپ ناواقف نہیں تھے۔ جانتے تھے ؎

حق جو بولے گا وہ مارا جائیگا   فرق ہو سرمد ہو یا منصور ہو

لیکن ظالم کو عادل اور بے رحم کو رحیم نہیں کہا۔ انہی حق گوئیوں اور راستبازیوں سے آپ کا نام حق گو مشہور ہو گیا۔ مزار آپکا دہلی میں ہے[2]

بادشاہ کا داماد قاضی کے حکم سے قید خانہ میں

ایک عرب امیر سیف الدین نام بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے اس کی حد سے زیادہ خاطر داری کی انتہا یہ ہے کہ کچھ عرصے کے بعد اپنی بہن فیروزہ اخوندہ کی شادی اس غریب الدیار امیر کے ساتھ کر دی۔ اور جاگیر میں گوجرات اور کھمبایت کے علاقے دیئے لیکن اس بدوی نے اس نعمت عظمٰے کی قدر نہ کی بیس دن کے بعد جب محل شاہی میں جانے لگا تو بے محابا اندر جانے کا قصد کیا۔ اس شیخی پر کہ میں بادشاہ کا داماد ہوں میرے لئے ادب آداب اور اطلاع وغیرہ کی کیا ضرورت ہے۔ امیر حاجب نے منع کیا۔ کہ بلا اجازت آپ اندر نہیں جا سکتے۔ اس کو جبر کر کے اندر گھسنا چاہا۔ دربان نے بال پکڑ کے باہر گھسیٹا۔ امیر نے دربان کو اس زور سے لاٹھی رسید کی کہ خون نکل آیا۔ دربان اسی حالت میں بادشاہ کے پاس گیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ بادشاہ تھوڑی دیر تک عالم سکوت میں رہا اور آخر کہا کہ یہ جرم ایسا سنگین ہے کہ بادشاہ بھی . . . . معاف نہیں کر سکتا۔ قاضی کے پاس جاؤ اور نالش کرو۔

قاضی کمال الدین شہر کے قاضی القضاۃ تھے ان کے پاس مقدمہ گیا۔ انہوں نے ساری کیفیت سنی اور چونکہ امیر سیف الدین کو اپنے فعل سے انکار نہ تھا۔ اس لئے رات بھر قید رکھا۔ شاہزادی فیروزہ نے جو امیر کی بیوی اور بادشاہ کی بہن تھی۔ بھائی کے خوف سے قید خانہ میں بچھونا اور کھانا تک بھی

[1] مزارات اولیائے دہلی صفحہ ۱۰۶ [2] شیخ عبدالحق دہلوی نے بھی آپ کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے پسر شیخ معز الدین زاہد ست حق گو از ان لقب شد کہ سلطان محمد بن تغلق حکم کرد کہ مرا عادل گویند او ازین معنے بحضور آورا باکرد و گفت ظالمان را عادل نہ توانیم گفت سلطان محمد او را از قلعہ دہلی در زیر انداخت قبر او ہم در زیر قلعہ ہست۔ از تاریخ دہلی جلد اول۔

نہ بھیجا۔ دوسرے دن دوپہر کو قاضی نے اس کی رہائی کا حکم دیا۔ بادشاہ نے جاگیرات کی منسوخی اور جلا وطنی کا ارادہ کیا۔ مگر مشہور سیاح ابن بطوطہ کی سفارش سے اس کی جاگیر بحال رہنے دی اور جلا وطنی کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ (تاریخ دہلی صفحہ ۱۷۲)

بادشاہ کے دربار میں جانے سے انکار

بادشاہ گو اہل علم تھا۔ اور عالموں کی قدر بھی کرتا تھا۔ مگر اس کی طبیعت چونکہ اجتماع ضدین کا نمونہ تھی۔ اس لئے اس سے بہت سی ناسزا حرکتیں بھی ظاہر ہو جاتی تھیں علما و مشائخ سے رنج کی خدمتیں لیتا تھا کسی سے جوتیاں سیدھی کراتا کسی سے پگڑی بندھواتا کسی کو پان اور کسی کو حقہ کی ضرورت پر مامور کر رکھا تھا بعض جبر و تشدد اور بعزتی کے خوف سے اور بعض زر پرست لالچ کی خاطر کہ بادشاہ انعام واکرام بھی دیا کرتا تھا یہ ذلیل کام کیا کرتے تھے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کے متعلق لکھا ہے کہ "شیخ را تکلیف جامہ پوشانیدن نمودا ول قبول نکرد کار بخشونت کشید چنانچہ شیخ را محبوس ساخت بالآخر شیخ را سخن پیر خود یاد آمد و قبول خدمت کردہ از بند نجات یافت؂

ناسزائے را چو بینی بخت یار عاقلاں تسلیم کردند اختیار

ایسا ہی ایک واقعہ عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ محمد تغلق ایک دن پیادہ پا قاضی کمال الدین صدر جہاں کے پاس محکمہ قضا میں گیا اور کہا شیخ زادہ جام نے مجھے ظالم کہا ہے۔ اس کو بلاؤ میرے ظلم ثابت کرے یا حد شرعی کی سزا بھگتے۔ شیخ زادہ آئے اور کہا اے بادشاہ جس پر تو سیاست کرتا ہے حق یا ناحق وہ تو اس کی ذات پر ہے لیکن اس کے بیگناہ زن و فرزند کو جلاد کے سپرد کر دینا کس مذہب و شریعت میں روا ہے۔ سلطان سوائے خاموشی کے کوئی جواب نہ دے سکا البتہ یہ حکم دیگیا کہ شیخ زادہ کو آہنی پنجرہ میں بند کر کے دولت آباد سے دہلی لیجاؤ۔ وہ بیچارا ہاتھی پر سوار کر کے اسی حالت میں دہلی لایا گیا جب بادشاہ دولت آباد سے دہلی آیا۔ تو شیخ زادہ کے دو ٹکڑے کئے جانیکا حکم دیا جس کی فوراً تعمیل ہوگئی۔

ایسے ظالم و جابر بادشاہ نے برہان الدین ساغری جو ایک نہایت فیاض عالم و واعظ تھا کے پاس چالیس ہزار دینار بھیجے اور ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ برہان الدین بادشاہ کی تلون مزاجی کی خبریں سن چکا تھا۔ اور یہ بھی اس کو معلوم تھا کہ بڑے بڑے مشائخ اور علماء کس طرح اس کے دربار میں ذلیل کئے جاتے ہیں۔ چونکہ خود سخی و کریم النفس واعظ تھا اور بعض اوقات قرض لے کر بھی سخاوت کر دیتا تھا اس لئے روپیہ تو اس نے غربا اور مستحقین کی خدمت کیلئے رکھ لیا البتہ دربار میں جانے سے یہ کہکر انکار کر دیا کہ بادشاہ مستبد چونکہ علماء کو اپنے دربار میں کھڑا رکھتا ہے

ان سے کئی خدمتیں لیتا ہے اور ان کی بیقدری کرتا ہے۔ اس لئے میں ایسے بادشاہ کے دربار میں آکر اس کی ملازمت سے بہرہ اندوز نہیں ہوسکتا (تاریخ دہلی جلد اول ۱۵۹)

سلطان محمد تغلق قاضی کی عدالت میں!

بادشاہ نے ایک ہندو امیر کے بھائی کو بے سبب قتل کرا دیا تھا۔ اس ہندو نے قاضی کے پاس بادشاہ پر دعوے کر دیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ اس نے قاضی کو کہلا بھیجا۔ مجھے عام آدمیوں کی طرح کچہری میں طلب کیا جائے اور خبردار میری تعظیم کے لئے ہرگز اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔ بادشاہ جب حسب الطلب کچہری میں آیا۔ تو اس نے قاضی کو سلام کیا جیساکہ عام مدعی اور مدعا علیہ عدالت کو کچہری کے کمرہ میں داخل ہونے کے وقت سلام کیا کرتے ہیں۔ قاضی نے روئداد مقدمہ سنکر بادشاہ سے کہا کہ آپ مدعی کو راضی کرلیں۔ ورنہ قصاص کا حکم ہوگا! دشاہ نے اسے راضی کرلیا اور اس نے مقدمہ سے دست برداری دیدی۔ اسیطرح ایک دفعہ ایک مسلمان نے بادشاہ سے اپنا مال واپس لینے کا دعوے کیا۔ یہ معاملہ بھی قاضی تک پہنچا۔ قاضی نے مال واپس دینے کا حکم دیا اور بادشاہ کو بلا عذر تعمیل کرنی پڑی

حضرت برہان الدین اولیا غریب کا بادشاہ کی ملاقات سے انکار

حضرت برہان الدین[1] اولیا غریب ایک تارک الدنیا بزرگ اور سلاطین و امرا سے قطعیً متنفر تھے سلطان محمد تغلق آپ کی ملاقات کو آنا چاہتا تھا۔ مگر آپ ہمیشہ انکار کرتے تھے۔ آخر ایک دن اس نے جمعہ کی نماز جامع قطبی میں پڑھی اور آپ کے پاس جانے کا ارادہ کرہی لیا اور حکم دیا کہ سواری بجائے محلات شاہی کے حضرت برہان الدین اولیا کے مکان کی طرف روانہ ہو۔ امیر خسرو کو خبر ہوئی۔ دوڑتے ہوئے حضرت کے پاس پہنچے۔ اور کہا بادشاہ سلامت تشریف لارہے ہیں۔ بادشاہ بالکل قریب آگیا۔ شور وغل اٹھو۔ بچو کی آواز آنے لگی۔ آپ فاتحہ پڑھنے لگے تاکہ بادشاہ نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کا دل پھیر دیا۔ گھوڑے کی باگ دوسری طرف موڑ دی واپس جاکر ملک نائب کافوری کے ہاتھ تین ہزار تنگے حضرت کی خدمت میں بھیجے۔ آپ نے جو کچھ اپنے

[1] ۶۵۴ھ میں بمقام ہانسی پیدا ہوئے کیمیا کی تلاش میں کوئی مرشد ڈھونڈھنے کیلئے دہلی آئے۔ حضرت نظام الدین اولیا کا چرچا سنا۔ کہ باوجود فقر کے دسترخوان بے انتہا وسیع ہے۔ آپ کی عزیمت کی وجہ سے غریب آپ کو خطاب ملا۔ ایک دن سلطان المشائخ نے کہا مٹی کا ڈھیلا تو استنجے کے لئے لاؤ۔ آپ نے ایک ڈھیلا اٹھایا۔ تو سونا تھا۔ دوسرا اٹھایا وہ بھی سونا۔ غرض مٹی کا ڈھیلا نہ ملا۔ واپس آکر یہ واقعہ عرض کیا۔ آپنے فرمایا۔ برہان جو چیز استنجے کے بھی کام نہ آئے اس کی خواہش بے سود ہے۔ اسی وقت سے کیمیا کی خواہش چھوڑ دی ۶۹۳ھ میں حضرت کے مرید ہوئے۔ حضرت سلطان المشائخ نے وفات سے قبل دولت آباد (دکن) روانہ کیا۔ قریباً تراسی سال کی عمر میں ۷۳۸ھ میں وفات پائی۔ ۷۴۷ھ میں آپ کے مزار کا گنبد تیار ہوا۔

پاس تہا وہ بھی ملاکر ملک نائب کے سامنے ہی فقرا اور مستحقین کو بلوایا اور تقسیم کر دیا۔ بادشاہ کو کچھہ کھجوریں اور میٹھے ارسال کیا۔

شیخ شہاب الدین احمد جام کی حق گوئی پر بادشاہ کا ظالمانہ سلوک

شیخ شہاب الدین احمد جام جو علمائے کبار میں سے تھے اور سلطان قطب الدین[۱] اور سلطان تغلق[۲] جن کی زیارت کے لئے خود ان کے مکان پر جایا کرتے تھے۔ اور جو شیخ الاسلام احمد جام زندہ پیل کی اولاد سے تھے ایکدن سلطان نے محض علماء کی تحقیر اور اپنی ضد کے لئے شیخ کی خدمات کو بلوا بھیجا۔ شیخ نے انکار کیا اور کہا یہ علم اور اہل علم کی علانیہ اور بلا وجہ بے حرمتی ہے۔ بادشاہ نے دوبارہ کہا آپ نے پھر بھی انکار کیا۔ ایک اور بزرگ تھے شیخ ضیاء الدین سمنانی ان کو حکم ہوا شیخ کی ڈاڑہی کھسوٹ ڈالو سمنانی نے کہا مجھہ سے ایسا نہو سکیگا۔ بادشاہ نے برہم ہوکر دونوں بزرگان دین کی ریش مبارک نچوادی سمنانی تو ورنگل (دکن) جاکر مر گئے۔ اور شیخ کو بادشاہ نے دولت آباد بھجوادیا۔ سات سال کے بعد پہر خیال آیا۔ شیخ کو بلایا معذرت کی اور بہت کچھہ دیا دلایا تہوڑے دنوں کے بعد پہر علماء کی تحقیر کرنیکا خیال آیا پہر شیخ بلوائے گئے، انہوں نے انکار کر دیا۔ مخلص الملک ندرباری امرائے عظام سے تہے۔ بادشاہ نے ان کو بھیجا۔ کہ ہمارے قہر و غضب سے ڈراکر ان کو جس طرح ہو دربار میں لاؤ۔ آپنے کہا۔ میں اس ظالم بادشاہ کی خدمت کبھی نہیں کرسکتا جب تک وہ اپنے اعمال سے تائب نہو۔ بادشاہ نے شیخ کو زبردستی گھسیٹ منگوایا اور کہا کیا تونے ہی مجھے ظالم کہا، کوئی ثبوت شیخ نے کہا ہاں بیشک میں نے ظالم کہا ہے اور ثبوت ایک ہو تو بتاؤں۔ دلی[۳] کو اجاڑا کس قصور پر؟ ہزاروں کو رلا کہوں انسانوں کو زبردستی اور اپنی بادشاہی کے تکبر سے خانماں کیا آخر کس جرم پر؟ بادشاہ نے جواب کیا دینا تہا۔ شیخ کے پیروں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈلوادیں۔ شیخ نے چودہ دن تک جیل خانہ میں فاقہ کیا۔ بادشاہ نے فقیہوں اور مشائخوں سے کہلوایا۔ کہ شیخ کو کہو اپنے الفاظ واپس لے لے۔ مگر شیخ نے صاف انکار کیا۔ اور کہا کہ میں سچ کو جہوٹ کہکر کیوں گنہگار بنوں اور شہادت کے درجہ سے کیوں محروم رہوں۔ چودھویں دن بادشاہ نے خود کہانے کے لئے زور دیا۔ کہا میرا رزق ختم ہو گیا ہے۔ بادشاہ نے اس کے بعد جو حماقت اور دیوانگی ظاہر کی اس کی مثال بہت کم ملیگی شیخ کے منہ میں گوبر پانی میں تیلا کر کے ڈالا گیا اور کہا اب اسے قاضی کے پاس لیجاؤ۔ چنانچہ وہاں قاضی نے اور مولویوں اور دیگر مشائخ نے سمجھایا کہ بادشاہ ضد پر اڑا ہوا ہے ملا اپنے قول کو واپس لیلو۔ کیا فایدہ؟

---

[۱] سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی (۷۱۶ھ؁ ۱۳۱۶ء تا ۷۲۰ھ؁ ۱۳۲۰ء) [۲] سلطان غیاث الدین تغلق (۷۲۰ھ؁ ۱۳۲۰ء تا ۷۲۵ھ؁ ۱۳۲۵ء)

[۳] بادشاہ نے دہلی سے دولت آباد کو دار السلطنت ۷۲۷ھ؁ ۱۳۲۷ء میں تبدیل کیا اور ۷۲۹ھ؁ ۱۳۲۹ء میں دلی دوبارہ آباد ہوئی۔

آپ نے فرمایا۔ اب کس بات کا ڈر، بادشاہ اس سے زیادہ یہی کریگا کہ مجھے قتل کر دیگا۔ میں اس کے لئے تیار ہوں لیکن اپنے ایمان کو غارت نہیں کر سکتا۔ آخر دوسرے دن خودداری و حریت صادقہ کی یہ بولتی ہوئی تصویر تلوار کے ایک ہی وار سے ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگئی (تاریخ دہلی جلد اول صفحہ ۱۷۰ تا ۱۸۰)

اس بادشاہ نے جس کے کیرکٹر میں رحم دلی اور بے رحمی۔ علم پروری اور دیوانگی ہر قسم کی صفات موجود تھیں۔ صدہا علما و مشائخ کو بعزت کیا اور عذاب دے دیکر ان کی جان لی ہے۔ یہ داستان بڑی طویل اور بڑی المناک ہے جس سے خلق اللہ کا دم ناک میں آگیا تھا۔ ہر چند کہ شاہانہ جبر و سختی کا زور تھا مگر دلوں پر چونکہ حکومت نہیں تھی۔ اس لئے شورش و بغاوت کا عام چرچا تھا۔ بادشاہ کی زندگی ہی میں دکن اور بنگال کے صوبے ہاتھ سے نکل گئے۔ مہم سندھ پر جا رہا تھا کہ وہاں ۲۱ محرم ۷۵۲ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۳۵۱ء کو انتقال کر گیا اور رعایا نے شکر کا کلمہ پڑھا!

تند مزاج بادشاہ کو ایک درویش کی نصیحت

سلطان محمد تغلق کا ابتدائے زمانہ تھا ایکدن اس نے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی[۱] کو دعوت پر بلوایا۔ حضرت جانتے تھے۔ کہ محمد نہایت تند مزاج اور غصہ ور اور متکبر بادشاہ ہے اس خیال سے کہ انکار سے فتنہ کا اندیشہ ہے۔ دعوت میں آگئے۔ سلطان نے دعوت کے بعد کہا مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ حضرت نے فرمایا۔ یہ درندوں کا سا غصہ جو تمہاری طبیعت اور عادت میں داخل ہے اس کو چھوڑ دو۔ سلطان نے ایک بدرہ زر سفید اور دو قطعہ صوف سبز اور سیاہ شیخ کے آگے رکھے تاکہ وہ خود اپنے ہاتھ سے اٹھائیں۔ خواجہ نظام الدین نے جو سلطان کے مصاحبوں اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے مریدوں میں سے تھا۔ حضرت شیخ کے آگے سے کپڑا اور زر نقد اٹھا کر خدام کے حوالے کر دیا۔ اور حضرت کی کفش سیدھی کرکے ان کے سامنے رکھدی سلطان کو خواجہ کی یہ حرکت ناگوار گذری۔ تلوار کھینچ کر کہا۔ تیری کیا مجال اور طاقت تھی۔ کہ تو نے یہ نازیبا حرکت کی۔ خواجہ نے کہا اگر میں اس صوف اور بدرہ کو نہ اٹھاتا۔ تو حضرت انکار کر دیتے۔ اور حضور کی دل شکنی ہوتی۔ اور حضرت کی جوتیوں کا سیدھا کرنا میرا عین فرض ہے۔ اس جرم پر اگر بادشاہ مجھے قتل بھی کر دیں گے۔ تو میں خوش میرا خدا خوش۔ کیونکہ بادشاہ کی تنگ صحبت سے مجھے قیامت تک نجات مل جائے گی[۲]

---

[۱] خلیفہ اعظم حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی۔ آپکے دادا سید عبداللطیف نے وارد ہندوستان ہو کر لاہور کو وطن بنایا آپکے والد سید یحییٰ لاہور ہی میں پیدا ہوئے آخر عمر میں اودھ چلے گئے وہیں آپ پیدا ہوئے۔ ۴۰ برس کی عمر تھی کہ دہلی آئے ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ کو دہلی ہی میں وفات پائی (سیر العارفین)

[۲] سیر العارفین۔

آہ! اب کیسا انقلاب آگیا ہے۔ نہ وہ پیر ہیں نہ مرید! پیر ایسے ہیں کہ بادشاہوں کا خوف تو ایک طرف اپنے متمول اور صاحب جاہ مریدوں کو احکام شریعت کے خلاف عمل کرتے دیکھتے ہیں۔ اور دم نہیں مارتے کہ ایسا نہ ہو۔ نذر نیاز سے بھی جاتے رہیں۔ مرید ایسے ہیں۔ کہ اپنی اپنی غرضوں کے لئے ارادتمندی کا اظہار کرتے ہیں۔

حضرت مخدوم جہانیاں کی ایک مظلوم سے ہمدردی

حضرت میر سید جلال الدین بخاری المعروف حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت[1] بڑی عظمت و شوکت کے بزرگ گذرے ہیں ایک دفعہ ایک شخص ان کو سلطان فیروز شاہ دہلی کے وزیر خان جہان کے پاس لیگیا جس نے اس کے بیٹے کو قید میں ڈال دیا تہا اور ذاتی عداوت کی وجہ سے اس کو سخت تکلیف دیتا تھا۔ مخدوم جہانیاں جب وزیر کے مکان پر پہنچے۔ تو اس نے ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ تاریخ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ حضرت مخدوم واپس آگئے لیکن اس شخص کا فرزند چونکہ بہت تکلیف میں تھا۔ اس لئے وہ بار بار حضرت کے پاس آتا تھا۔ اور حضرت بھی بار بار وزیر کے پاس جاتے تھے۔ اور وزیر بھی ہر مرتبہ انہیں ناکام واپس بہیجتا تہا لکھا ہے کہ انیس مرتبہ حضرت مخدوم جہانیاں وزیر کے پاس گئے اور واپس آئے جب بیسویں مرتبہ گئے تو وزیر نے کہا۔ اے سیّد تم کو غیرت اور شرم نہیں آتی کہ بار بار جواب ناصواب ملنے پر بھی یہاں آنے سے باز نہیں آتے۔ آپ نے فرمایا اے عزیز مجھے ہر آمد و رفت پر ایک ثواب ملتاہے ایک تو اس بات کا کہ مظلوم کو اس کی حاجت روائی میں مدد دوں اور دوسرا یہ کہ تجھے نیکوں کے گروہ میں داخل کروں۔ جب وزیر نے یہ کلمات سُنے۔ شرمندہ کر کے پٹکا گلے میں ڈالا اور آپکے قدموں پر گر پڑا اُس شخص کے بیٹے کو قید سے رہا کر دیا۔ اور اس کو بہت کچھ انعام و اکرام دیا اس زمانہ کا اس زمانے سے مقابلہ کرو۔ کون شخص ہے جو اس بے ریائی و بے غرضی سے خلق اللہ کی حاجت روائی میں اس تگ و دو اور جد و جہد سے کام لے رہا ہے۔

ایک مورخ کی حق گوئی بادشاہ کے سامنے

محمد تغلق کی سختیوں اور حماقتوں سے ملک میں بغاوت رہتی تھی "مخلوق تباہ اور ملک ویران" کا نقشہ تھا۔ ایک دفعہ نہایت پریشانی کے عالم میں تھا۔ کہ ضیائے برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی کو بلایا اور کہا میری حکومت کو مختلف امراض نے گھیر لیا ہے۔ ایک کا علاج کرتا ہوں وہ اچھا ہونے نہیں پاتا کہ اور دوسرا مرض لاحق ہو جاتا ہے۔

---

[1] آپ کی کئی متبرک یادگاریں مکہ۔ مدینہ بیت المقدس۔ بغداد اور دیگر مقامات پر شیخ جمالی مصنف سیر العارفین نے دیکھی ہیں۔ اوچ نواح ملتان میں آپ پیدا ہوئے تہیں ۷۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

کوئی ایسی تجویز بتاؤ۔ کہ ان امراض سے نجات ہو سکے۔ ضیائے برنی کو خدا نے جرات کی توفیق دی وہ آزادانہ بولا۔ کہ جب کسی بادشاہ سے خلائق کو نفرت ہو جائے۔ تو چاہیے کہ اپنی حکومت اپنے کسی بھائی بیٹے کو دیکر گوشہ نشین ہو جائے یا اس کام کو چھوڑ دے۔ کہ جس سے مخلوق کو نفرت ہو۔ بادشاہ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ لیکن ضیائے برنی نے نہایت دلیری سے اپنا فرض ادا کر دیا۔

باب یازدہم

عہد شاہان افاغنہ

فصل اوّل

خاندان لودھی

وزارت چھوڑ دی مگر حق گوئی نہیں چھوڑی

خاندان تغلق کے آخری بادشاہ سلطان ناصر الدین محمود شاہ کے ابتدائی زمانہ میں امیر تیمور صاحبقران نے ۸۰۱ھ میں ہندستان پر حملہ کیا۔ اس تزلزل و انقلاب سے ناصر الدین امیر تیمور کے واپس چلے جانے کے باوجود بھی سنبھل نہ سکا۔ ۸۱۶ھ تک وہ برائے نام

دہلی کا بادشاہ رہا۔

سید خضر خاں ایک نامور امیر شاہان تغلق کے زمانہ سے حکومت ملتان پر فائز چلا آتا تھا سلطان ناصر الدین کے زمانہ میں سارنگ خان نے اسے ملتان سے نکال دیا خضر خاں دانا اور ہوشیار تھا۔ وہ امیر تیمور سے جا ملا۔ اور اس کو ہر ممکن مدد دیتا رہا۔ آخر تیمور نے واپس جانے سے پیشتر اسے ملتان۔ دیپالپور۔ سرہند اور پنجاب کا حاکم بنا دیا۔ ۸۱۷ھ میں اس کی طاقت یہاں تک بڑھ گئی۔ کہ وہ ناصر الدین محمود کی وفات (۸۱۶ھ) اور دولت خان لودھی عارضی بادشاہ دہلی (وفات ۸۱۷ھ) کے بعد خود دہلی کا بادشاہ ہو گیا۔ ۸۵۵ھ تک خاندان سادات میں چار بادشاہ ہوئے۔ سب سے آخری بادشاہ سلطان علاء الدین بن محمد شاہ تھا۔

وزیر الممالک کا نام حسام خان تھا۔ وہ بادشاہ کو جب کبھی غلطی پر دیکھتا اسے ٹوکتا۔ بادشاہ ناراض ہوتا۔ مگر وہ کبھی پرواہ نہ کرتا اور یہی کہتا کہ میں رعایا اور ملک کے فوائد اور آپ کی نیکنامی کی خاطر جو عیب اور کمزوری آپ میں پاؤں گا جس کا اثر سلطنت پر پڑیگا وہ برملا آپ سے کہوں گا۔

بادشاہ ۸۵۰ھ میں بیانہ (اجمیر) کی طرف روانہ ہوا۔ لاؤ لشکر ساتھ تھا۔ رستے میں کسی بدخواہ نے خبر اڑا دی۔ کہ جونپور کا بادشاہ تسخیر دہلی کے لئے آرہا ہے۔ یہ خبر سراسر غلط تھی کیسی راوی کا پتہ نہ چلتا تھا۔ لیکن بادشاہ یہ خبر سنتے ہی واپس دہلی چلا آیا۔ وزیر الممالک کو خبر ہوئی۔ وہ بادشاہ کے پاس گیا اور کہا ایسی خبر دروغ پر جو سراسر بے فروغ ہے اور غلط ہے اعتبار کرلینا اور مراجعت کرنا بادشاہوں کی شان کے خلاف ہے۔ دشمن پر آپ کی مراجعت کا یہ اثر ہوگا کہ وہ دلیر ہو جائیگا اور رعایا پر یہ اثر ہوگا۔ کہ جو لوگ فتنہ پرداز اور شورش پسند ہیں۔ وہ ہنگامہ آرائیوں کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ بادشاہ نے وزیر الممالک کو اس نصیحت پر جھڑک دیا۔ لیکن اس نے پھر وہی دہرایا جس کو اس نے ملک اور خود بادشاہ کے لئے مفید سمجھا۔

دوسرے سال (۸۵۱ھ میں) بادشاہ بداؤں کی طرف گیا۔ وزیر الممالک ہمراہ تھا وہاں ایسا دل لگا کہ واپس آنے کا نام نہ لیا وزیر نے کہا۔ دارالسلطنت کو اس طرح آزاد چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے۔ خداوند کریم نے آپ پر بہت بڑا بوجھ ڈالا ہے۔ اگر اسطرح آپ عیش پرستی اور آرام طلبی میں رہے تو اس عظیم الشان بوجھ سے کس طرح سبکدوشی ہوگی۔ وزیر الممالک کی نصیحت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس لئے کہ بعض ایسے امراء بھی وہاں موجود تھے جو بادشاہ کی کمزوری و حماقت

اور اس کی عیش پرستیوں سے فوائد بیشمار حاصل کر رہے تھے۔ آخر بصد مشکل بادشاہ وہاں سے نکلا۔ اور دہلی آیا یہاں آتے ہی اس نے پھر بداؤں کا ارادہ کیا اور وزیر سے کہا کہ میں دارالخلافہ دہلی سے بداؤں بدلنا چاہتا ہوں وزیر نے کہا بلا وجہ اور بلا عذر معقول دارالخلافہ بدلنے میں بہت بڑی قباحتیں ہیں خلق خدا کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے۔ لاکھوں اور کروڑوں روپے جو رعایا ہی کی ملکیت ہیں۔ اور مالگذاری کے سبب خزانہ شاہی میں آ گئے ہیں۔ بیجا اور بضرورت خرچ ہو جاتے ہیں۔ لیکن بادشاہ نے وزیر کی ایک بات نہ سنی۔ بلکہ اسے عہدہ وزارت سے برطرف کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دکن گوجرات مالوہ جونپور۔ بنگال سب جگہ بغاوتیں شروع ہو گئیں اور پنجاب میں ملک بہلول لودھی ایک افغان نے اپنی حکومت نواح دہلی تک پھیلائی۔ آخر ۸۵۵ھ میں بادشاہ علاءالدین نے ملک بہلول کو تخت دہلی اپنے ہاتھ سے سپرد کر کے بادشاہ دہلی بنایا اور آپ بداؤں چلا گیا۔ جہاں ۸۸۳ھ میں بقضائے الہی فوت ہو گیا اور ملک بہلول سلطان بہلول لودھی کے نام سے دہلی کا بادشاہ ہوا۔

بادشاہ جونپور کے ایلچی کو ایک صوفی درویش کا جواب

حضرت شیخ الشیوخ سماءالحق والدین[1] ایک مرتبہ بیانہ (اجمیر) کے علاقہ میں تھے سلطان احمد جلوانی معہ سید خوندمیر رسول دار کہ مرتضیٰ خان خطاب رکھتا تھا۔ حضرت کی خدمت میں آیا اور کہا بادشاہ سلطان حسین جونپوری کی طرف سے آیا ہوں تسخیر دہلی کا ارادہ ہے اور دعائے فتح و نصرت کی تمنا۔ حضرت کا چہرہ سرخ ہو گیا فرمایا احمد تیرے باپ دادا ہمیشہ بہلول شاہ دہلی کے نمک خوار رہے۔ تو خود ہی اس کے احسانات سے سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ قدیمی آقا اور نیک آقا کے ساتھ یہ نمک حرامی آئین وفا کے خلاف ہے۔ سلطان حسین جونپوری ظالم اور ناانصاف ہے۔ اور ایسے عزیز الوجود نمازی بادشاہ کی تخریب کے درپے ہے۔ میں اس کے حق میں نصرت کی بے جا دعا کرنا نہیں چاہتا۔ سلطان احمد یہ جواب سنکر ششدر رہ گیا اور اس کا دل ایسا ٹوٹ گیا۔ کہ اس نے سلطان بہلول سے موافقت کر لی

بہلول لودھی کو ایک صوفی درویش کی نصائح

سلطان بہلول ایک مرتبہ حضرت سماءالحق والدین کی خدمت میں گیا۔ حضرت کا قاعدہ تھا۔ کہ جب کبھی بادشاہ ان سے ملتا۔ وہ کسی نہ کسی پیرایہ میں پند و نصیحت کا فرض پورا کر دیا کرتے تھے۔ اس مرتبہ بھی آپ نے فرمایا تین آدمی اللہ تعالیٰ کے انعام سے ہمیشہ محروم

---

[1] نام اصلی سماءالدین ولادت ۸۰۰ھ وفات ۹۰۱ھ کتاب سیرالعارفین کا مصنف شیخ جمالی آپ ہی کا مرید و عقیدتمند ہے اس کتاب میں اس نے آپ کے تفصیلی حالات درج کئے ہیں۔

رہیں گے اول وہ بوڑھا جو سفید بال ہے اور سیاہ دل اور جانتا ہے کہ میں گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں لیکن گناہوں سے باز نہیں آتا۔ دوسرے وہ جوان نادان! جو توبہ و استغفار کا وقت صرف پیری اور بڑھاپے ہی کو سمجھ رہا ہے اور نہیں جانتا کہ شاید کل ہی نہنگ اجل اپنا نوالہ بنالے تیسرے وہ بادشاہ جو زور و زر کے بھروسہ پر بے گناہ رعایا کو پامال کرتا اور عدل و انصاف سے غافل ہے اور دنیائے فانی کیلئے عاقبت کی فکر سے بے پرواہ ہے سیر العارفین میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے قلب پر اس گفتگو کا بڑا اثر ہوا اور بہت دیر تک محویت و بیخودی کے عالم میں رہا۔

ایک بے تعصب عالم نے ہندوؤں کی عبادت گاہ کو تباہی سے بچایا

سلطان سکندر بن سلطان بہلول لودھی نے بہ ایام شہزادگی یہ سنا کہ تھانیسر ہندوؤں کا ایک متبرک مقام ہے۔ جہاں بتوں کی پوجا ہوتی ہے اور جہاں اشنان (غسل) کرنا ہندو اپنی مذہبی عبادت سمجھتے ہیں۔ علماء سے پوچھا۔ کہ اس باب میں شرع کا کیا حکم ہے ان میں سے ایک نے کہا بُت خانہ قدیم کو ویران کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جس تالاب میں قدیم سے غسل معمول ہوتا ہے اس کو خراب کرنا پسندیدہ امر نہیں ہے علاوہ ازیں رعایا کے ایک کثیر گروہ کا دل بلا وجہ دکھے گا۔ شاہزادہ نے کہا۔ تو کفار کی حمایت کرتا ہے۔ اس عالم نے جواب دیا۔ کفار کی نہیں بلکہ شرع و سنت کی حمایت و پیروی کرتا ہوں۔ کیونکہ دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں کو ڈھانا اور گرانا ہمارے مذہب نے جائز نہیں رکھا۔ اور اس کی بہت سی نظیریں خلفائے راشدہ اور مابعد کے زمانہ میں موجود ہیں۔ شاہزادہ یہ سنکر خاموش ہو گیا (تاریخ فرشتہ)

شیخ جمالی کی مدح سلطان سکندر لودھی کے قلم سے

شعرائے قدیم و جدید نے اُمراء اغنیا اور بادشاہوں اور حاکموں کے بڑے بڑے قصیدے لکھے ہیں ان کے ظلم کو انصاف ان کی بداعمالیوں کو نیک کردار اور ان کی زنگ خوردہ تلوار کو فاتح ہفت کشور سے نسبت دی ہے۔ غرض جھوٹ کے طوفان اٹھائے اور دروغ بافیوں کے جال بچھا دیئے ہیں۔ جب جا کے انعام و اکرام حاصل کیا ہے لیکن ہم آپ کو ایک ایسے شاعر کا پتہ بتلاتے ہیں جس کا قصیدہ خود بادشاہ وقت نے لکھا ہے۔ بڑی منت سے بڑی ہی خواہش سے اس کو بلوایا ہے اور وہ نہیں آیا۔ اس شاعر کا نام حامد بن فضل اللہ اور تخلص جمالی تھا آپ شیخ جمالی کے نام سے تذکروں میں مشہور ہیں۔ وطن دہلی تھا اور قوم کمبوہ سے تھے۔ یمن مصر بغداد بیت المقدس۔ روم شام عراق۔ عرب و عجم۔ آذربائیجان۔ گیلان۔ مازندران۔ خراسان غرض تمام اسلامی ممالک کی سیر کر چکے تھے۔ جب سیر و سیاحت سے واپس دہلی آئے۔ اس وقت

لہ باپ کے مرنے کے بعد ۸۹۴ھ میں تخت نشین ہوا اور ۲۸ برس پانچ ماہ کی سلطنت کے بعد ۹۲۳ھ میں رہگرائے عالم جاودانی ہوا۔

سلطان سکندر لودی سنبل (ضلع مراد آباد) میں تھا۔ شوق ملاقات نے بیچین کر دیا۔ بدست خاص شیخ کو ایک منظوم خط لکھا اور مثنوی مہر و ماہ جو شیخ کی تصنیف سے تھی طلب کی۔ وہ رقعہ بجنسہ ذیل درج ہے

سکندر لودی کا خط

آن مخزن گنج لایزالی	وے سالک راہ دین جمالی
در گرد جہاں بسے زدہ سیر	در منزل خود رسیدہ بالخیر
بودے تو مسافر زمانہ	الحمد کہ آمدی بخانہ
در مکہ و در مدینہ گشتی	گوہر بودی خزینہ گشتی
اے شیخ بما برس بزودی	بسیار مسافرت نمودی
بکشائے لبوئے درگہم گام	تا دریابی ز نگرخی کام
چشم بجمال تو طپان است	دل مرغ مثال در فغان است
من اسکندر تو خضر مائی	آں بہ کہ لبوئے ما بیائی
در شیخ ز دوستان نشد سیر	تشریف نمودنش کشد دیر
باید کہ کتاب مہر و ماہم	ارسال دہد چنانکہ خواہم
از مہر کشد دو دیدہ را نور	آن مہ نشود ز دیدہ ام دور

جانتے ہو۔ بادشاہ وقت کے نامۂ اشتیاق کا اس دولت معنوی و صوری نے کیا جواب دیا اس نے (نظم ہی میں) لکھا۔ مجالس اغنیا میں آنے کو جی نہیں چاہتا معاف فرمایا جائے۔ کتاب مہر و ماہ حسب الارشاد حاضر خدمت ہے۔ سلطان نے حضرت شیخ سمار الدین کو درمیان میں ڈالا۔ شیخ جمالی ان کے داماد بھی تھے اور مرید بھی۔ چنانچہ شیخ باصرار سنبل گئے۔ بادشاہ فرط شوق سے دو تین کوس تک خود استقبال کو آیا۔

سکندر لودی بہت عادل نیکدل اور علمار صوفیا کا قدردان تھا۔ اس کے انتقال پر شیخ جمالی نے بڑا دردناک مرثیہ لکھا۔ لوگ پڑھتے تھے اور اشک خونی آنکھوں سے بہاتے تھے۔ شیخ جمالی ہمایوں کے زمانہ تک زندہ رہے ۹۴۲ھ میں بمقام دہلی مرنے کے بعد دفن ہوئے "خسرو ہند بودہ" تاریخ وفات ہے۔ شاعر بھی تھے اور صوفی باکمال بھی تھے دوران سفر میں مولانا جامی سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی ہے

میاں زین الدین کی دینداری
نادر بادشاہ کی بردباری

سلطان سکندر لودہی کے زمانہ میں خان جہاں لودی (اصل نام مسعود علی حسین خاں) ایک نامور فیاض امیر گذرا ہے۔ صدہا وظائف ان کی سرکار سے شرفار علمار کے نام جاری تھے

خان جہان کی تمام جاگیر جو لاکھوں روپیہ سالانہ کی تھی۔ اور اس کا سارا لشکر میاں زین الدین ان کے ایک معتبر کے سپرد تھا۔

زین الدین بجائے خود نہایت امیر کبیر تھے۔ سلطان بھی ان کی بہت قدر کرتا تھا۔ سختی سے صوم وصلوٰۃ اور ورد وظائف کے پابند تھے۔ شب جمعہ کو عبادت وتلاوت کا خاص اہتمام ہوتا۔ اور اس دن مغرب کے بعد چاہے کیسی ہی شدید ضرورت ہو کہیں نہ جاتے۔ ایکبار جمعہ کے دن سلطان کے پاس سے آگے پیچھے تین ہرکارے طلب میں آئے کہ بادشاہ سلامت نے یاد فرمایا ہے مگر وہ اپنے مشاغل کو چھوڑ کر نہ گئے۔ درباروں میں اکثر لوگ ایک دوسرے کے دشمن تو ہوتے ہی ہیں۔ بعض نے بادشاہ کو بھڑکانا چاہا کہ دیکھئے اعلیٰ حضرت نے تین دفعہ بلایا نہیں آئے۔ ان کے مزاج میں رعونت بہت ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ مجھے خود یاد نہیں رہا۔ آج شب جمعہ ہے وہ اپنے دستور کے موافق کہیں نہیں جا سکتے۔ خیر نماز کے بعد یا جب انہیں فرصت ہوگی بلوائے جائیں گے (دلگداز نمبر ۱۲ جلد ۱۲ دسمبر ۱۹۱۹ء) آج کتنے امیر ہیں۔ جو صاحب دولت ہونے کے علاوہ صاحب علم وفضل اور پھر صاحب زہد واتقا بھی ہیں اور ایسا استغنا رکھتے ہیں۔ جیسا زین الدین میں موجود تھا۔

نمک حلالی ووفاداری کا ایک بے نظیر واقعہ

میاں زین الدین اپنے زہد واتقا اور اپنے نیک طرز عمل سے شہنشاہ کی نظروں میں نہایت عزت سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے دسترخوان پر اور ان کی مجلسوں میں ہمیشہ علماء وفضلا کا مجمع رہتا ان کے عزیزوں میں کسی کی شادی ہوتی تو تمام اخراجات وہ اپنے پاس سے ادا کرتے۔ غریب غربا شرفا کے لئے ان کا دروازہ ہمیشہ کھلا تھا۔ سلطان سکندر کی وفات کے ساتھ ہی ان کے عروج اقبال اور ان کی حکومت وثروت کا خاتمہ ہوگیا۔ جوں جوں روپیہ کم ہوتا گیا۔ متوسلین بھی ساتھ چھوڑتے گئے۔ یہانتک کہ شیخ سعد اللہ[1] ایک بزرگ ہی صرف ان کے پاس رہ گئے۔ جو اپنے مالک کی عنایات کی وجہ سے خود بھی ایک نامی امیر تھے۔ تین سال کے بعد ایک شخص نے شیخ سعد اللہ سے کہا۔ آپ سے بڑے بڑے چلے گئے۔ آپ کس کے سہارے ہیں۔ کہ یہاں خواہ مخواہ پڑے رہیں گے شیخ نے کہا۔ یہ خدا کی مہربانی تھی۔ کہ میں یہاں مقرر ہو گیا دنیا کا بے شک یہ قاعدہ ہے کہ جب لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی یا مالک کی آمدنی کم دیکھتے ہیں تو وہ کام بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر مجھ سے ایسی ناشکری

۱؎ تاریخ "واقعات مشتاقی" کا مصنف شیخ رزق اللہ مشتاقی المتوفی ۹۸۹ھ اسی سعد اللہ کا بیٹا تھا۔ شیخ کے حالات اسی کتاب نے بتائے ہیں۔

نہیں ہوسکتی میں نے ملازمت کے زمانہ میں اتنا پیدا کر لیا ہے کہ میری اور میرے آقا میاں زین الدین کی معدودونوں خاندانوں کے تلخی و ترشی سے بسر ہوسکتی ہے میرے پاس جو کچھ ہے انہیں کا ہے۔ یہاں تک کہ شیخ سعد اللہ نے میاں زین الدین کی وفات کے چار سال بعد اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک ان کی رفاقت کی (دلگداز نمبر ۱۲ جلد ۱۸ دسمبر ۱۹۱۹ء)

آج کتنے ملازم ہیں۔ جو اپنے مالکوں کی تنگدستی و پریشان حالی میں ان کا ساتھ دیتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ دریادلی و بے نفسی اور یہ خلوص وفاداری شیخ سعد اللہ جیسے پابند اسلام بزرگ کی صحبت کا نتیجہ تھا۔

فصل دوم

خاندان سوری

ہمایوں کا کلمہ کفر اور شیر خاں کی غیرت ایمانی

شیر شاہ کی بغاوت کے اسباب مورخین نے مختلف بیان کئے ہیں۔ مگر ایک سبب حال ہی میں معلوم ہوا ہے۔ جو علامہ ابوالفضل کے چوتھے دفتر[۵] سے ملا ہے

ابوالفضل شاہزادہ مراد (خلف اکبر) کو اس کی بے راہ روی اور لشکر و سپاہ کی عدم خبر گیری کے متعلق افسوس ظاہر کرتے ہوئے لکھتا ہے "یقین فرمانا چاہئے۔ کہ جو سپاہی اپنے سردار سے کسی شک کی وجہ سے ناراض ہو جاتا ہے۔ یقیناً وہ کسی نہ کسی وقت کوئی زبردست حرکت کر بیٹھتا ہے اس کی مثال اس سے بہتر کوئی نہیں ملتی۔ کہا جاتا ہے کہ جنت آشیان ہمایوں

---

[۵] علامہ ابوالفضل کے تین دفتر منشی نولکشور (لکھنؤ) کی فیض رسانی سے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں ان مطبوعہ دفتروں کے سوا عام معلومات میں اور کوئی دفتر نہیں (دربار اکبری (صفحہ ۳۰۵) میں شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد نے لکھا ہے "امیر حیدر بلگرامی سوانح اکبری میں لکھتے ہیں کہ مکاتبات ابوالفضل کے چار دفتر تھے۔ چوتھا دفتر خدا جانے کیا ہوا" رسالہ زمانہ کانپور (اگست ۱۹۲۰ء) میں مولانا احسن مارہروی نے "شیر شاہ کی بغاوت" کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ سید میر حیدر بلگرامی احسان الہند امیر غلام علی آزاد بلگرامی کے پوتے اور حکومت برطانیہ کے ابتدائی عہد میں اُراکان فتائے کلکتہ کے مفتی تھے ۱۲۱۱ھ میں ان کے کتبخانہ سے ایک دوسرے بلگرامی خاندان میں دفتر چہارم کی نقل پہنچی اور اس نقل النقل سے تیسرا نسخہ اور مرتب کیا گیا۔ اس وقت یہ دونوں نقلیں ایک ہی خاندان میں موجود ہیں۔

بادشاہ کے خدمتیوں میں شیر خان نامی افغان ایک نوکر تھا جو نہایت عقلمند اور تدبیر سپاہگری میں کامل اور درگاہ خسروی کا مقرب خاص تھا اس کی ہر بات مانی جاتی تھی۔ ایکدن کہ بظاہر نوروز تھا۔ بادشاہ دہلی میں منارۂ تغلق پر رونق افروز تھا اور چھوٹے بڑے لشکری منارے کے گرد جمع تھے۔ شیر خان بھی حضوری میں دست بستہ کھڑا تھا۔ یکایک کثرت لشکر کو دیکھکر بادشاہ کی زبان سے یہ کلمے نکلے "این قدر لشکر کہ من دارم خدا داشتہ باشد" چونکہ شیر خان مرد مسلمان تھا اور نہایت مضبوطی سے ارکان مذہب کا پابند۔ یہ کلمات سنکر بادشاہ کا منہ دیکھنے لگا اور کہا کہ "از امروز ہمراہی باتو حرام شد" یہ کہا اور نماز کا بہانہ کر کے منارہ سے نیچے اترا۔ گھر پہنچکر اپنے سب بھائیوں کو بلایا اور کہا کہ اپنے اپنے گھوڑے تیار کرو۔ کہ اس وقت سے ہمایوں بادشاہ کی ہمراہی حرام ہوگئی۔ کیونکہ اس کی زبان سے کلمہ کفر سن چکا ہوں"۔ (از رسالہ زمانہ اگست سنہ ۱۹۲۰ء جلد ۳۵ نمبر ۲۰۹)

غور کرو۔ بادشاہ کی اس ذراسی لغزش نے اسے کن کن مصائب میں مبتلا کیا زن وفرزند چھوٹے۔ بادشاہی چھوٹی۔ یہانتک کہ بارہ برس تک جلا وطن ہوکر ایران میں زندگی بسر کرنی پڑی۔ اُدھر شیر خان کی حق گوئی اور غیرت ایمانی نے اسے شیر خان سے شیر شاہ ملک ہندوستان کا بادشاہ بنا دیا[1]

عورتوں کی غیرت وحمیت شیر شاہ کے سامنے

چندیری میں رائے سین کا قلعہ بہت مشہور تھا بھیا پورن مل یہاں کا حاکم تھا اس نے مسلمانوں پر بڑے ظلم کئے تھے سادات بلگرام کی بہو بیٹیوں کو زنان بازاری بناکر بازاروں اور کوچوں میں نچوایا۔ اور مسلمانوں کو نہایت ذلیل کیا۔ شیر شاہ کو خبر ہوئی وہ سنہ ۹۵۰ھ مطابق سنہ ۱۵۴۳ء میں اس کی گوشمالی کیلئے آیا لیکن پورن مل نے اپنے تمام قیمتی جواہر پیش کر کے جان و مال کی امان حاصل کی اور قلعہ کو خالی کر دیا۔ لوگوں کو یہ فیصلہ پسند نہ آیا لیکن کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ بادشاہ کو پورن مل کے قتل پر آمادہ کرسکے۔ شیر شاہ جب چندیری میں داخل ہوا۔ تو اکثر خاندانوں کی معزز عورتیں جو پورن مل کی زخم خوردہ تھیں بے حجابانہ سرراہ آئیں اور شیر شاہ کا راستہ روک کر کھڑی ہوگئیں اور کہنے لگیں شیر شاہ

---

[1] بابر کے عہد میں ایک معمولی سردار تھا رفتہ رفتہ اس کے بیٹے ہمایوں کے عہد میں اپنے اقبال کی یاوری اور ہمایوں کے برادران یوسف کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے اسپر کامیاب ہوگیا۔ پانچ برس تک ہندوستان کا نیکنام اور مستقل بادشاہ رہا۔ ۱۰ ربیع الاول ۹۵۲ھ کو انتقال کر گیا۔

تو نہیں جانتا۔ اس سفاک متعصب نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اس نے بلا وجہ اور بلا جرم ہمارے خاوندوں اور عزیزوں کے گلے کاٹے ہم کو لونڈی بنایا ہماری کنواری لڑکیوں کی بے حرمتی کی اور ان کو گلی گلی پھروایا ہمارا تمام مال اسباب چھین لیا۔ اس ظلم و تعدی کی جو بلا سبب ہم پر صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے ہوا ہے مکافات کر۔ اور اے دیندار بادشاہ اگر آج تو ہمارا انصاف نہیں کریگا۔ اور چند جواہر اور ہیرے لیکر ہماری ننگ و ناموس کو فروخت کر دے گا۔ تو کل خدا کو کیا منہ دکھائیگا۔ یاد رکھ قیامت کے دن ہمارا ہاتھ ہوگا تیرا دامن مسلمانوں کی یہ بے حرمتی سنکر شیر شاہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ کہا کیا کروں دیندار ہوں اس لئے لاچار ہوں اور عہد و پیمان کو توڑ نہیں سکتا۔ عورتوں نے کہا۔ علمائے اسلام تیرے لشکر میں موجود ہیں۔ ان سے پوچھ لے کہ ایسے عہد و پیمان کا قائم رکھنا درست ہے یا نادرست۔ لشکر سے علماء (سید رفیع الدین وغیرہ) بلوائے گئے۔ ان سب نے ایسے ظالم کے قتل کا فتوے دیا چنانچہ اس کا سر کاٹا گیا اور اس کی تشہیر کی گئی (تاریخ فرشتہ و تاریخ ہند۔ مولوی ذکاء اللہ مرحوم)

شیر شاہ کے ظالم بھانجا کا قتل رعایا کے ہاتھوں

شیر شاہ کا بھانجا مبارز خان الہ داد سنبھل کی بیٹی پر کہ حسن و جمال میں بے نظیر تھی عاشق ہوا اور الہ داد کو شادی کا پیغام بھجوایا۔ ہر چند وہ بادشاہ کا بھانجا تھا۔ اور سنبھل (مرادآباد) کا جاگیر دار۔ مگر الہ داد نے صاف انکار کر دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ ہم اور آپ ہم کفو نہیں ہیں۔ مبارز خان کو بادشاہ کا بھانجا اور جاگیر دار ہونے کی وجہ سے اس جواب کی توقع نہ تھی۔ اس نے سنبھلیوں اور خصوصاً الہ داد کے رشتہ داروں کو تنگ کرنا شروع کیا۔ کئی لوگ لوٹے گئے۔ کئی قید ہو گئے۔ مبارز خان الہ داد کی ایک رشتہ دار لڑکی کو پکڑ کر اپنے محل میں لیگیا۔ الہ داد سنبھلیوں کی ایک جماعت لیکر اس کے پاس گیا اور کہا ہم نے ابتک تیرا اور بادشاہ کا لحاظ کیا ہے۔ ہم پر زیادہ جور و جفا نہ کر اور عورتوں کے ننگ و ناموس کا لحاظ رکھ۔ اور اس مظلوم بیکس کو جو تیری قید میں ہے چھوڑ دے مبارز خان نے حکومت کے نشہ میں الہ داد کو دو چار صلواتیں سنا دیں بلکہ یہ بھی کہدیا کہ تم لوگ ہو کیا چیز! چاہوں تو ابھی تمہاری بیٹی کو بھی منگوا لوں۔ الہ داد نے پھر کہا۔ اپنی جان پر رحم کر اپنی حد سے پرے قدم نہ رکھ اور وہ کام کر جو بادشاہوں اور شاہزادوں کو رعایا کے فلاح و بہبود کیلئے کرنے چاہئیں۔ مبارز خان نے یہ جواب سنکر اپنے آدمیوں کو حملہ کا حکم دیا۔ لیکن سنبھلیوں نے نہ صرف اس کے کئی آدمی مار دیئے۔ بلکہ مبارز خاں کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔

بادشاہ کا انصاف اور شاہزادہ کی معذرت ایک ہندو سے

شیر شاہ کا بیٹا شاہزادہ عادل خان ایک دفعہ ہاتھی پر سوار ہو کر

آگرہ میں کسی کوچہ سے گذرا ایک متمدد کی بیوی اپنے مکان میں جس کی دیواریں چھوٹی ہی تھیں، برہنہ نہا رہی تھی۔ جب شاہزادہ کی نظر اس پر پڑی تو اس نے پان کا بیڑا ہاتھ میں لے کر اس کی طرف پھینکا اور گھورتا ہوا چلا گیا۔ عورت صاحب عصمت تھی۔ اس کو شاہزادہ کی اس حرکت سے سخت صدمہ پہنچا اس نے اپنے خاوند سے ذکر کیا۔ خاوند نے داد فریاد کی لیکن شاہزادہ کے مقابلہ میں کسی نے کچھ نہ سُنا۔ آخر اس نے خود جرات کی اور بادشاہ کے انصاف پر بھروسہ رکھکر کسی نہ کسی طرح حقیقت حال اس سے عرض کیا۔ بادشاہ نے معذرت کی اور حکم دیا کہ یہ بقال ہاتھی پر سوار ہو۔ اور عادل خان کی جورو اس کے سامنے آئے اور مستغیث اس پر بھی پان کا بیڑا جو اس کے ہاتھ میں ہے مارے وزرا اور امرا نے منع کیا کہ شاہزادہ کا قصور معاف ہو۔ بادشاہ نے کہا میری عدالت میں فرزند اور رعیت برابر ہیں۔ معافی دینا نہ دینا بقال کے اختیار میں ہے۔ آخر بقال نے شہزادہ کی معذرت قبول کی۔

شاہی آداب و مراسم پر السلام علیکم کو ترجیح دی

فرقہ مہدویہ میں شیخ علائی ایک نامی شخص گذرا ہے علوم و فنون میں اسے کامل دسترس تھی۔ باپ اس کا حسن نامی بنگالہ کے شیوخ سے تھا باپ کے بعد خود مسند ارشاد پر بیٹھا۔ جائے سکونت بیانہ تھی۔ ایک مرتبہ بیانہ میں میاں عبداللہ افغان نیازی[2] جو سید محمد جونپوری بانی فرقہ مہدویہ کے ایک خلیفہ کا مرید تھا آگیا۔ شیخ علائی کو اس کے طور و طریق اچھے نہ معلوم ہوئے۔ جو کچھ اسباب دنیوی پاس تھا۔ راہ خدا تقسیم کر دیا۔ بی بی سے کہا۔ فقر و فاقہ منظور رہو۔ تو بسم اللہ میرے ساتھ رہو۔ ورنہ اپنا حصہ اس مال سے لیلو اور مختار رہو جہاں چاہو رہو۔ بیوی بھی نیک بخت تھی۔ اس نے فقر و فاقہ منظور کر لیا۔

شیخ علائی دن میں دو مرتبہ قرآن شریف کا درس دیتے۔ وعظ میں وہ تاثیر تھی۔ کہ لوگ دم بخود ہو کر بیٹھے رہتے تھے۔ اور خواہ کیسا ہی کوئی پاپی کیوں نہ ہوتا۔ ایکدفعہ تو گناہوں سے توبہ کر جاتا تھا یہ زمانہ سلیم شاہ سوری کا تھا۔ اس نے شیخ علائی کی شہرت سُنی اور بیانہ سے بلوا بھیجا شیخ علائی بادشاہ کے حسب الحکم آگرہ آیا۔ اہل دربار نے مراسم و آداب شاہانہ سے مطلع کیا۔ لیکن آپ نے رسوم و آداب شہنشاہی سب کو بالائے طاق رکھا اور سنت نبوی کے مطابق السلام علیکم کے سوا اور کچھ نہ کہا بادشاہ کو بُرا معلوم ہوا۔ اور بڑی کراہت سے جواب دیا۔ امرائے دربار کو بھی یہ حرکت ناگوار گذری۔

---

[1] اصل نام جلیل خان تھا۔ ۵ ربیع الاول ۹۵۲ھ مطابق ۲۵ مئی ۱۵۴۵ء کو تخت نشین ہوا۔ سنہ ۹۶۰ھ مطابق ۱۵۵۳ء میں انتقال کر گیا۔ [2] میاں عبداللہ افغان نیازی علائی کے مرشد تھے۔

بلکہ ایک درباری نے تو شیخ علائی کی شکستہ حالی اور پھٹے پرانے کپڑوں اور ٹوٹی ہوئی جوتیوں پر پھبتی جمائی لیکن شیخ پر نہ اہل دربار کی چہ میگوئیوں اور نہ سلیم شاہ کے غصہ کا کچھ اثر ہوا۔ اس نے قرآن شریف کی چند آیتوں سے تقریر شروع کر کے دنیا کی مذمت احوال قیامت اور دین فروش بے عمل اور جاہ پسند علماء کی قوم فروشیوں کا ذکر شروع کر دیا۔ وعظ میں اس قسم کا جادو تھا کہ بادشاہ اور مقربان بارگاہ سب پر وجدانی کیفیت طاری تھی۔ بادشاہ نے محل سرا میں جا کر شیخ اور اس کے ہمراہیوں کا کھانا بھجوایا لیکن ان میں سے کسی نے بھی نہ کھایا سلیم شاہ نے واپس آکر سبب پوچھا۔ تو شیخ نے جواب دیا۔ تمہارا خزانہ بیت المال ہے۔ جو سب مسلمانوں کا حق ہے۔ اور چونکہ تمہارا تصرف اس پر بے جا ہے۔ اور بغیر مسلمانوں کی رضامندی کے بیت المال کا روپیہ تم خرچ کر رہے ہو۔ اس لئے تمہاری دعوت کا قبول کرنا ہم پر جائز نہیں ہے سلیم شاہ کو غصہ تو آیا۔ مگر ضبط کر گیا۔ اس لئے کہ بات بالکل سچی تھی (تاریخ فرشتہ۔ تاریخ ہند ذکاء اللہ۔ شوکت لودھی)

دنیا پرست علما اور رسم و رواج کی پابندیاں

ملا عبداللہ مخدوم الملک بادشاہ کے مقربوں میں تھا۔ وہ شیخ علائی کے خلاف سلیم شاہ کو اکثر بھڑکایا کرتا تھا۔ شیخ نے ایک بحث کے دوران میں اس سے کہا۔ تو دنیا دار فاسق ہے عہدہ قضاء کے قابل نہیں ہے۔ تیرے گھر سے علانیہ باجوں کی آواز آتی رہتی ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جو مکھی نجاستوں پر بیٹھتی ہے۔ وہ اس عالم سے بدرجہا بہتر ہے جس کا شیوہ بادشاہوں اور امیروں کی بے جا خوشامد ہے۔ ملا عبداللہ نے آخر بادشاہ سے کہہ سن کر شیخ کے قتل کا فتوےٰ صادر کرایا۔ لیکن بادشاہ دل سے اس کے قتل کا رضامند نہیں تھا۔ آخر اسے شیخ بدھہ کے پاس بہار میں بھجوا دیا۔ شیر شاہ سوری یعنی سلیم شاہ کا باپ شیخ بدھہ کا بڑا معتقد تھا۔ شیخ علائی جب شیخ بہاری کے پاس پہنچا۔ تو اتفاقاً کسی خوشی کی تقریب کی وجہ سے گانے بجانے کی آواز ان کے گھر سے آرہی تھی۔ اور ایسی رسمیں ادا ہو رہی تھیں۔ جو شرعاً ناجائز تھیں۔ شیخ نے جوش میں آکر علامہ کو ملامت کی۔ وہ خود بہت ضعیف العمر تھے۔ بات کرنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ ان کے بیٹوں نے جواب دیا۔ کہ ہندوستان کی رسموں سے نجات مشکل ہے۔ خصوصاً عورتیں بہت ناقص العقل ہیں اگر ان کو روکا جائے اور جان و مال کا نقصان ہو جائے تو اس نقصان کو وہ رسومات کے ادا نہ کرنے کا وبال ہی سمجھتی ہیں۔ اور بالکل کافر ہو جاتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کافر ہو جانے سے ان کا فاسق رہنا ہی اچھا ہے۔ شیخ نے کہا۔ یہ تو عذر گناہ بدتر از گناہ کی مثال ہے۔ جن کے اس قسم کے خیالات ہوں۔ وہ تو ابتدا ہی سے کافر ہیں سمجھے تو ایسی عورتوں کے صحت نکاح میں بھی کلام ہے۔ علماء فضلاء کا یہ حال ہے تو عوام کی جہالت وغفلت کا کیا ٹھکانا ہے (مشاہیر اسلام مصنفہ خواجہ عباد اللہ اختر صفحہ ۱۸۲)

غرض اپنی حق گوئیوں کی وجہ سے آخر شیخ علائی ۹۵۵ھ میں تازیانہ کی ضربیں جو بادشاہ کے حکم سے لگائے گئے تھے انتقال کر گئے۔

السلام علیکم پر شاہی آداب کو ترجیح نہیں دی

شیخ علائی کا کانٹا ملا عبداللہ مخدوم الملک کی نگاہوں میں کھٹکتا تھا۔ وہ اس کے انتقال سے نکل گیا مگر اس کا مرشد شیخ عبداللہ نیازی ابھی تک زندہ تھا۔ وہ خدا پرست گوشہ تنہائی میں بیٹھا اللہ اللہ کر رہا تھا۔ سلیم شاہ نے مخدوم الملک کے اشارہ سے اس کو بھی دربار میں بلوا بھیجا جب وہ بادشاہ کے روبرو آیا۔ تو مطابق شریعت وسنت نبوی السلام علیکم کہا۔ ایک امیر نے زبردستی اس کی گردن دبائی اور کہا کہ بادشاہوں کو اس طرح جھک کر اور کورنش بجا لا کر سلام کیا کرتے ہیں۔ عبداللہ نے کہا۔ جو سلام کہ طریق سنت پر ہے۔ میں اس کا پابند ہوں۔ اس کے سوا میں اور کوئی سلام نہیں جانتا سلیم شاہ کے اشارہ پر لوگوں نے اس غریب حق گو کو زد و کوب کیا۔ وہ مار کھائے جاتا تھا۔ اور کہے جاتا تھا۔ ربنا اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین"۔ بادشاہ نے پوچھا کیا کہتا ہے۔ مخدوم الملک نے بادشاہ کو بھڑکانے کے لئے کہا مجھے اور ظل اللہ کو کافر کہہ رہا ہے۔ بادشاہ یہ سنکر اور غضبناک ہوا۔ ایک گھنٹہ تک اس بیگناہ کو زد و کوب ہوتی رہی۔ آخر یہ سمجھ کر کہ مر گیا ہوگا۔ بادشاہ وہاں سے روانہ ہو گیا۔ لیکن ابھی زندگی باقی تھی کہ وہ بچ گیا ہے (مشاہیر اسلام خواجہ محمد عباد اللہ اختر صفحہ ۱۰۳)

باب دوازدہم (۱۲)

خاندان تیموریہ یعنی شاہان مغلیہ

فصل اوّل

امیر تیمور۔ بابر۔ شہنشاہ اکبر

امیر تیمور جیسے باجبروت شہنشاہ پر ایک درویش کا خوف۔

جب امیر تیمور نے ۷۸۲ھ میں ہرات کو فتح کیا۔ جو ملک غیاث الدین کے قبضہ میں تھا۔ تو نواح ہرات کے ایک موضع تائباد میں آیا۔ جہاں شیخ ابوبکر ایک صاحب کمال بزرگ رہتے تھے۔ تیمور نے ایک آدمی شیخ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا۔ کہ تم امیر تیمور سے کیوں ملنے نہیں آئے۔ شیخ نے کہا مجھے اس سے نہ کوئی کام نہ مطلب نہ خواہش پھر ملنے کی کیا ضرورت ہے۔ امیر یہ جواب سُنکر خود گیا اور کہا تم نے ملک (غیاث الدین) کو کیوں نہ سمجھایا۔ شیخ نے کہا نصیحت کی تھی۔ اس نے نہیں سُنی۔ خدا نے اس کی گوشمالی کے لئے تم کو بھیج دیا۔ اب اگر تم بھی میری نصیحت نہ سنوگے۔ کہ عدل و انصاف سے حکومت کرو۔ تو

اللہ تعالیٰ تمہاری گوشمالی کے لئے تم سے بھی کوئی زیادہ زبردست بھیج دیگا (ماثر الامراجلد اول ص۵)
امیر تیمور کہتا تھا۔ کہ میں نے اپنی سلطنت میں ہر قسم کے درویشوں اور صاحب کمالوں کو دیکھا ہے لیکن ہر درویش صاحب کمال کو تیموری شان و شوکت سے لرزاں و ترساں ہی پایا مگر شیخ ابوبکر ایسا بزرگ صاحب کمال ہے۔ کہ میں خود اس سے خائف ہوں۔
اسی شیخ ابوبکر کا بیٹا انقلاب زمانہ سے ہندوستان آتا ہے اور ہمایوں اور اکبر کے درباروں میں کمال عزت و رسوخ حاصل کرتا ہے۔ آصف خان اس کا خطاب تھا اور خواجہ عبدالمجید ہروی اس کا نام۔ لکھنؤ میں ۹۸۰ھ دہم جمادی الاول کو اس نے انتقال کیا۔

شہنشاہ تیمور کے دربار میں ایک مردانہ صفت قیدی لڑکی کی حیرت انگیز جرأت

بایزید کی افواج میں ایک ایرانی النسل شخص دیزدانی، ترکی افواج کا جرنل تھا۔ اس کی نوجوان بیٹی امۃ الحبیب بھی اسی فوج میں لفٹنٹ کے عہدہ پر تھی۔ یہ شیر دل عورت اپنی بہادری و جرأت اور اپنے شریفانہ حسن کی وجہ سے مقبول خلائق تھی۔ بایزید اپنے ملک میں امن و امان سے حکومت کر رہا تھا۔ کہ دفعۃً امیر تیمور جیسے خونخوار اور جنگجو دشمن نے اس پر حملہ کر دیا۔ بایزید اور اس کی افواج نے مقابلہ تو خوب کیا۔ مگر کئی دنوں کی خوفناک خونریزیوں کے بعد بایزید کی فوج کو شکست ہوئی اور امۃ الحبیب اپنے بہت سے مددگاروں اور جاں نثاروں کے ساتھ گرفتار ہو گئی۔
دوسرے دن شہنشاہ تیمور نے گرفتاروں کے قتل کا حکم دیا۔ امۃ الحبیب نے سُنا پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور تیمور کے اس بیرحمانہ قتل اور ترکوں کے اس بیکسانہ حال پر غم و غصہ سے بیتاب ہو کر امیر تیمور کے پاس آئی۔ اور کہا مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ امیر نے چند ندیموں کی سفارش سے اس دلیر اور جری خاتون کو جو مردانہ بھیس میں شہنشاہ کے تخت کے سامنے کھڑی تھی بلا یا اور عرض و معروض کی اجازت دی۔ امۃ الحبیب نے نہایت بیخوفی و بیباکی سے امیر کی خونخواری کا ذکر ذیل کے الفاظ میں کیا۔
اے شہنشاہ تو نے جو بایزید پر بلا وجہ چڑھائی کر کے ہزار ہا بندگان خدا کی خونریزی کی ہے خوب سمجھ لے۔ کہ یہ ایک ایسا سنگین جرم ہے۔ جو کبھی معاف نہ ہوگا۔ ستر ہزار بیگناہ ترکوں کو دھوکہ دے کر سرنگ کے ذریعہ اڑا دیا۔ یہ ترکوں کی خونریزی نہیں کی۔ بلکہ اسلام کی بیخ و بن کو اکھیڑ دیا۔ کسی آسمانی شریعت یا ملکی قانون میں تو یہ بتا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو اس بے رحمی اور ظلم کے ساتھ قتل کرنا جائز ہے۔ بایزید نے نہایت تواضع اور فروتنی کے ساتھ تجھے صلح کا پیغام دیا۔ کہ بیگناہ مخلوق کی جان بچ جائے۔ مگر فاتحان اولوالعزم میں شامل ہونے کے تکبر نے تجھے اس پیغام پر

توجہ کرنے کی مہلت نہ دی۔

اے شہنشاہ ہماری طرح تیری عمر کا پیمانہ بھی ایکدن لبریز ہونے والا ہے۔ اور اس عالم کو طے کرکے رب الافواج کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ پھر تو ہی بتا کہ جب وہ ان مظلوم جفا کشوں کی بابت تجھ سے عتاب آمیز سوال کرے گا۔ تو کیا جواب دے گا۔ اے شہنشاہ آجتک کبھی مظلوم قیدیوں پر بہادروں کی تلواریں اٹھی ہیں۔ ہم بے بس قیدی ہیں۔ ہمارے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ نہایت ہی بزدلانہ اور نفرت انگیز فیصلہ ہے۔ کہ اس بیکسی کی حالت میں تو ہماری گردن مارنے کا حکم دیتا ہے۔ اس کے بعد امۃ الحبیب نے اپنا آہنی خود اُتار کر زمین پر پھینک دیا۔ اور کہا لے سلطان دیکھ میں ایک ناتجربہ کار عورت ہوں۔ تو اندازہ کر سکتا ہے۔ کہ جس قوم کی عورتیں ایسی بیباک اور بہادر ہوتی ہیں۔ ان کے مرد کیسے بےخوف و دلیر ہوں گے (تذکرہ خواتین تیموریہ صفحہ ۱۱۶)

اس اثناء میں تیموری دربار کی عجیب کیفیت تھی۔ چاروں طرف خاموشی اور سکوت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور ہر متنفس پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔ لیکن حریت نوازی وحق گوئی کی یہ دلدادہ خاتون فوجی مردانہ لباس زیب تن کئے پوری جرأت سے کام لے رہی تھی۔ جب اس نے آہنی خود اتارا۔ تو دربار اور خود تیمور تعجب وحیرت کے عالم میں دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

اس آزادگوئی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امۃ الحبیب اور اس کے جان نثار قیدیوں کا خون معاف ہو جاتا ہے اور امۃ الحبیب اپنی اور اپنے باپ کی مرضی سے تیمور کے نکاح میں آجاتی اور حمیدہ بانو بیگم کا خطاب حاصل کرکے شہنشاہ بیگم کہلاتی ہے ۸۰۷ھ میں تیمور کا انتقال ہوا حمیدہ بانو بیگم کے ہاں تیمور سے کئی بچے پیدا ہوئے مگر زندہ کوئی نہ رہا حمیدہ نے کئی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ خاوند کی وفات کے بعد سوتیلے بیٹے کے مظالم سے تنگ آکر پہلے طفلس پھر طاطوم اور آخر قسطنطنیہ جانا پڑا اور وہیں بعمر ۱۰۱ سال انتقال کر گئی۔

ایک عالم کا بادشاہ کی مصاحبت سے انکار

بابر کے آغاز حکومت میں جب شاہ حسین ثانی بن شاہ محمود لنگاہ والئے ملتان پر میرزا شاہ حسین ارغون نے ۹۳۲ھ میں حملہ کیا۔ تو مولانا ابراہیم عالم مع لاہوری بھی جن کی درسگاہ سے ہزارہا طلبا مستفیض ہو چکے تھے۔ ہزارہا ناکردہ گناہوں کے ساتھ میرزا کی سخت گیریوں کا شکار ہوئے۔ میرزا نے مولانا ابراہیم اور ان کے بیٹے مولانا سعداللہ کو بیڑیاں ڈالیں اور ان کا تمام اثاث البیت صرف اس جرم میں کہ وہ مالدار تھے۔ ضبط کر لیا۔ میرزا کو جب مولانا کے علم وفضل کا علم ہوا۔ تو نہایت ندامت ظاہر کی۔ ان کا تمام

ضبط شدہ مال واپس کر دیا۔ اور مولانا سے بہ اصرار کہا کہ آپ میری ہمراہی اور مصاحبت قبول فرمائیں گے۔ تو میری اس سے عزت افزائی ہوگی۔ مولانا نے فرمایا اب حیات مستعار اپنے آخری لمحوں پر ہے۔ یہ وقت آخرت کے سفر کا ہے نہ بادشاہوں کی ہمراہی کا۔ یہ زمانہ آغوش لحد میں جانے کا ہے۔ نہ بادشاہوں سے بغل گیر ہونے کا۔ اس لئے مجھے معاف فرمایا جائے[1]

مولانا ابراہیم کو رنج تھا۔ کہ میرزا نے میرے اہل وطن کو سخت بےعزت کیا ہے۔ ان کو ایسی سزائیں دی ہیں جن کو سنکر اور دیکھکر ایک سنگدل بھی چشم پرآب ہو جاتا ہے انہوں نے اس غم و غصہ اور رنج و صدمہ کے اظہار میں بادشاہ کی مصاحبت تک سے انکار کر دیا۔ اور اپنی خودداری و حب وطن کے لئے ایثار و قربانی کا ثبوت دیا۔

دانشمنداں کا جواب اپنے نا عاقبت اندیش بیٹے کو

شیر شاہ سوری کا اقبال جوں جوں بڑھ رہا تھا شہنشاہ ہمایوں[2] نکبت و مصائب کا شکار ہو رہا تھا۔ انہی دنوں مرزا ہندال اس کے بھائی نے خود بادشاہ بننے کا ارادہ کیا۔ ہمایوں نے شیخ بہلول ایک بزرگ کو مرزا کے پاس بھیجا۔ کہ اس کو سمجھا کر اس فساد سے باز رکھے اور سمجھائے۔ کہ اس وقت ہمیں اپنی متفقہ طاقت سے دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ نہ کہ گھر ہی میں پھوٹ ڈال دیں مرزا کے پاس خوشامدیوں کا جمگھٹا

۱؎ تذکرۂ العلماء والمشائخ صفحہ ۱۰ ۲؎ بابر کا بیٹا اور اکبر کا باپ تھا۔ کئی برس تک گردش قسمت نے اس کو تخت ہندوستان سے جدا رکھا۔ رمضان ۹۶۲ھ میں ایران سے واپس آکر پھر تخت ہند پر بیٹھا اور ۱۱ ربیع الاول ۹۶۳ھ مطابق ۲۴ فروری ۱۵۵۶ء کو کوٹھے سے گر کر انتقال کر گیا۔

تھا۔ کوئی قلمدان وزارت کے خواب دیکھ رہا تھا کسی کو جاگیرات کی توقع تھی۔ کوئی سپہ سالاری کا خواستگار تھا ان کے کہنے سے اس نے شیخ کو قتل کرا دیا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ مرزا کی ماں راغاچہ بیگم کو خبر ہوئی۔ بیٹے کی خودسری پر بہت افسوس کیا۔ بیٹا جب بادشاہ بن کر دعائے خیر اور مبارکباد لینے کے لئے ماں کے پاس آیا۔ تو دیکھا کہ وہ ماتمی لباس پہنے بیٹھی ہے۔ مرزا نے کہا اس خوشی میں یہ ماتمی لباس کیوں پہنا ہے۔ ماں نے کہا فتنہ سازوں اور نا عاقبت اندیشوں کی جماعت نے تجھکو راہ صواب سے گمراہ کر کے ہلاکت و لعنت کے گڑھے میں دھکیل دیا ہے اس لئے تیرے ماتم میں میں نے پہلے ہی ماتمی لباس پہن لیا ہے۔ چنانچہ آخر وہی ہوا جو دانشمند ماں نے کہا تھا۔

ملا عبدالقادر بدایونی کی صاف گوئی

عہد اکبری[1] میں ملا عبدالقادر بدایونی بڑے پایہ کا آزاد اور صاف گو بلکہ منہ پھٹ مورخ گذرا ہے۔ اکبر کے خوشامدیوں نے اکبر کو کبھی شیعہ بنانا چاہا کبھی مجتہد۔ اور آخر میں توحید و نبوت اور اعجاز و کرامت اور شرائع سے تو منحرف ہی کرا دیا۔ عبدالقادر کے سوا قریباً سب درباری جن میں حکیم ہمام حکیم ابوالفتح۔ راجہ بیربر۔ ملا محمد یزدی ایرانی۔ شیخ ابوالفضل وغیرہ سب بادشاہ کو زمین سے آسمان پر پہنچا رہے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ نے یہ مسئلہ چھیڑا کہ کتنی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ علماء نے چار سے زیادہ کا عقد نکاح ناجائز بتایا۔ بادشاہ کا منشا متعہ کا تھا۔ رمز شناس موجود تھے۔ انہوں نے سو ہیر پھیر کر کے اس کو جائز اور بعض نے مباح بتایا۔ اور بعض نے نو اور اٹھارہ بیویاں قرآن کے حکم کے مطابق جائز بتائیں۔ ملا عبدالقادر بھی اس مجلس میں تھا۔ بادشاہ نے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے۔ ملا نے کہا یہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ سب قیل وقال ہے۔ اصل یہ ہے کہ امام مالک اور شیعہ کے نزدیک باتفاق متعہ مباح ہے۔ اور امام شافعی اور امام اعظم کے نزدیک حرام۔ اب جس پر بادشاہ کا جی چاہے عمل کرے (تاریخ منشی مولوی ذکاء اللہ)

خدا کو ایسی شرکت اور مناسبت پسند نہیں ہے

بادشاہ نے ایک مرتبہ اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ اللہ اکبر کا لفظ اگر مہر پر کندہ کرایا جائے تو کوئی حرج تو نہیں ہے۔ بادشاہ کو ان اختراعات اور جدتوں پر اپنے ذاتی رسوخ کے لئے جو لوگ مائل کرتے تھے۔ ان سب نے اپنی پسندیدگی ظاہر کی لیکن

[1] اکبر ۱۹ رجب ۹۴۹ھ کو امرکوٹ (سندھ) میں پیدا ہوا جبکہ اس کا باپ شہنشاہ ہمایوں شیر شاہ سوری کے حملوں سے بھاگتا پھرتا تھا۔ اکبر تیرہ برس کی عمر میں باپ کے مرنے کے بعد کلانور (پنجاب) میں ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ مطابق ۱۵۵۶ء کو تخت نشین ہوا اور ۱۳ جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ کو بعمر ۶۳ سال ۴۹ سال ۸ ماہ کی سلطنت کے بعد انتقال کر گیا۔

حاجی ابراہیم ایک بزرگ نے کہا۔ اللہ اکبر کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا بڑا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اکبر خدا ہے۔ اگر ان کی بجائے "فلذکر اللہ اکبر" نقش فرمائیں۔ تو بہتر ہوگا۔ بادشاہ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور کہا تم اس کے معنی دوسری طرف کیوں لے گئے۔ حاجی ابراہیم نے عرض کیا میں نے دونوں معنے بیان کر دیئے ہیں۔ بادشاہ نے کہا صرف مناسبت لفظی ہے اور کوئی مدعا نہیں۔ حاجی نے کہا۔ لیکن خدا کو شرکت اور ایسی مناسبت پسند نہیں ہے [1]

قید خانہ اور مصائب قبول کئے مگر بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا

مولانا شیخ حسین اجمیری بقول بعض حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی اولاد سے تھے۔ اور ان کی درگاہ کے متولی اور بادشاہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دشمنوں نے بادشاہ تک رپورٹ پہنچائی۔ کہ حضرت خواجہ خواجگان کی کوئی اولاد نہ تھی۔ یہ بغیر استحقاق کے کس طرح متولی بن گئے۔ کچھ اور بھی حاشئے چڑھائے۔ بادشاہ نے اس کو مکہ کی طرف بھیجا دیا جب وہ حج کر کے واپس آئے۔ تو یہاں کے دربار کا آئین دین الٰہی اکبرشاہی کے اجراء کے باعث بالکل بدل چکا تھا شیخ شرائط آداب جو ایجاد ہوئی تھیں۔ اور جن کو وہ اسلام کے خلاف سمجھتا تھا۔ بجانہ لایا۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر قید کر دیا۔ چند سال کے بعد بعض سفارشوں سے بعض دوسرے قیدیوں کے ساتھ اس کو بھی رہائی ملی۔ سب قیدی بادشاہ کے روبرو آئے اور سجدہ بجا لا کر رخصت ہوتے رہے۔ مگر شیخ نے بوضع قدیم تعظیم و تسلیم کی اور سجدہ نہ کیا۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر بھکر میں معمولی معاش مقرر کر دی۔ اور چوکی پہرہ کے ساتھ وہاں بھجوا دیا [2]

اکبر کا انصاف

مرزا عزیز کوکہ اکبر کی نگاہوں میں بھائیوں سے زیادہ عزیز تھا۔ اس کی ماں کو جس کا اس نے دودھ پیا تھا جی جی کہتا اور بڑا ادب کرتا تھا۔ بادشاہ نے مرزا کو خان اعظم کا خطاب اور پنجاب جاگیر میں دیا۔ اور ۹۷۴ھ میں اس کا مہمان ہوا۔ خان اعظم کو بھی اس بات کا ناز تھا کہ ہم بادشاہ کے عزیز میں ملکہ بھائی ہیں۔ بادشاہ اسکی گستاخیوں اور بے اعتدالیوں کو بھائی بیٹوں کا ناز سمجھتا تھا۔ اور کہتا تھا جب اس پر غصہ آتا ہے۔ تو دیکھتا ہوں میرے اور اس کے بیچ میں دودھ کا دریا بہ رہا ہے اور وہ مجھے خاموش کر دیتا ہے۔

۹۸۵ھ میں مرزا کا دیوان کچھ روپیہ کھا گیا۔ مرزا نے اُسے اپنے غلام طالب کے سپرد کیا اس ظالم نے مرزا کے اشارہ سے دیوان کو باندھ کر لٹکا دیا اور روپیہ وصول کرنے کی دھمکیاں ہی نہ دیں بلکہ وہ چوب کاری کی کہ وہ بیچارا اسی حالت میں لٹکا ہوا مر گیا۔ دیوان کا باپ روتا

---

[1] و [2] تاریخ منہر اقبال نامہ اکبری مولوی ذکاء اللہ مرحوم

پیٹتا بادشاہ کے پاس آیا۔ بڈھے کی حالت دیکھکر بادشاہ کو بہت رنج ہوا۔ قاضی کو تحقیقات کا حکم دیا۔ خان اعظم نے کہا۔ غلام کو میں نے سزا دیدی ہے۔ میرا مقدمہ حضور قاضی کے پاس نہ بھیجیں۔ اسمیں میری بیعزتی ہے۔ بادشاہ نے یہ عرض منظور نہ کی (تاریخ دہلی جلد دوم صفحہ ۴۳۸)

معلوم نہیں اسے سزا کیا ملی؟ لیکن تاریخ اتنا بتاتی ہے کہ بادشاہ اس پر کئی ماہ تک ناراض رہا

حضرت خواجہ باقی باللہ کی حالت لاہور کے ایام قحط میں

حضرت خواجہ باقی باللہ ہندوستان کے اولیائے کرام سے گذرے ہیں۔ ان کی مذہبی و صوفیانہ عظمت اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ آپ کے مریدوں میں تھے۔ ۹۷۱ھ یا ۹۷۲ھ میں بزمانہ اکبر آپ بمقام کابل پیدا ہوئے بہت سی سیر و سیاحت کے بعد لاہور پہنچے اور ایک سال تک یہاں مقیم رہے۔ لاہور میں ان دنوں سخت قحط سالی تھی۔ خلق خدا کی بیچارگی و گرسنگی کا حال دیکھتے تھے۔ اور بیقرار ہو جاتے تھے۔ زبدۃ المقامات میں لکھا ہے کہ جب آپ کے سامنے کھانا لایا جاتا۔ فرماتے انصاف سے بعید ہے کہ بھوکے بیاسے گلی کوچوں میں تڑپتے پھریں۔ اور ہم گھروں میں بیٹھکر کھانا کھائیں جس قدر کھانا ہوتا۔ آپ ان قحط زدوں کو بھجوا دیتے۔ اور خود غذائے روحانی پر گذارہ کرتے زبدۃ المقامات میں تو کئی دنوں تک آپ کے بھوکا رہنے کا ذکر ہے ۱۰۱۲ھ میں دہلی میں آپ نے وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

کیا موجودہ زمانہ میں بھی کوئی صوفی اور عالم غریبوں مفلسوں اور فاقہ کشوں کے لئے ایسی ہی حقیقی تڑپ دکھا سکتا ہے۔ ایسا صوفی اور عالم اور ولی جو ہماری کوتاہ بین نظروں سے پوشیدہ ہو۔ اس کا تو ہم کو علم نہیں لیکن جو رسمی سجادہ نشین نظر آ رہے ہیں اور جن کی گرد اور بار مریدوں پر ہمیشہ جاری رہتی ہیں۔ وہ تو ہم نے اس طبیعت اور اس مذاق کے دیکھے ہیں۔ کہ مرید کا خواہ دیوالہ نکل جائے۔ مگر ان کی ضیافت اور ان کے نذرانہ میں فرق نہ آئے ۱۹۱۹ء کے اخبار المنیر جھنگ میں ایک پیر صاحب کا ذکر چھپا تھا جن کی آمد آمد کا ذکر سنکر ان کے اکثر مرید بھاگ جاتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے نذرانہ دینے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ پیر صاحب بھی ایک حضرت تھے وہ عدم ادائے نذرانہ میں ان کا مول مویشی دگائے بھینس۔ بکری وغیرہ لے آتے تھے۔ اور جب نذرانہ کی رقم آ جاتی تھی۔ تو ان کا مال واپس بھجوا دیتے تھے۔

ایک پیر صاحب راقم الحروف کے ملنے والوں میں بھی ہیں۔ پرلے درجہ کے تارک صوم و صلوٰۃ۔ شائد ان کے بزرگوں نے کبھی نماز پڑھ لی یا روزے رکھ لئے ہوں تو خبر نہیں مگر

حضرت کو خود بہت کم اتفاق ہوا ہے۔ حقہ اور سگریٹ کا بھی شغل ہے۔ خاصے جنٹلمین بھی ہیں۔ مریدوں سے پانچ چھ ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی ہے۔ کچھ جاگیر بھی ہے خوب مزے سے گذرتی ہے۔ تھیٹروں اور تماشوں کا شوق بھی کر لیتے ہیں۔ آپ جب مریدوں کی گرداوری پر جاتے ہیں۔ تو حقہ سگریٹ اور جنٹلمینی لباس سب ترک ہو جاتا ہے۔ دو گز لمبی تسبیح صندوق سے نکالی جاتی ہے۔ جبہ و عمامہ پہن لیا جاتا ہے۔ نماز شروع کر دی جاتی ہے۔ تین چار خلفا کے ہمراہ گھوڑیوں پر سوار ہو کر دورہ شروع کر دیا جاتا ہے اور دو تین ماہ میں پانچ چھ ہزار روپیہ اور بہت سا مال مویشی (گو جر بہت مرید ہیں) لیکے واپس آ جاتے ہیں۔

جاگیر بطور معاش لینے سے انکار شیخ عبداللہ نیازی کا ذکر سلیم شاہ سوری کے حال میں پڑھ چکے ہو جب سلیم شاہ نے شیخ نیازی کو مردہ سمجھکر چھوڑ دیا ہے۔ اس واقعہ کے بعد سلیم شاہ صرف دو سال تک زندہ رہا ہے اور اس کے خاندان کی حکومت بھی اس کے مرنے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی مٹ گئی اور مغلیہ خاندان کا دور دورہ از سر نو ہندوستان میں شروع ہو گیا۔ اس زمانہ میں شیخ عبداللہ سرہند میں مقیم تھے اکبر نے اس سے دو تین دفعہ ملاقات کی۔ اس کی پاکیزہ نفسی پاک باطنی اور بیخوفی کا اس کے دل پر بہت اثر ہوا۔ بادشاہ نے بطور مدد معاش ایک جاگیر دینی چاہی۔ لیکن شیخ نے جو توکل و قناعت کی مجسم تصویر تھے شاہی وظیفہ و جاگیر سے انکار کر دیا۔ آخر اکبر نے زبردستی فرمان لکھوا دیا۔ آپ نے بادشاہ کے پاس خاطر سے فرمان تو لیلیا مگر مرتے دم تک اراضی پر قبضہ نہ کیا۔ بعمر ۹۰ سال ۹۹۳ھ میں انتقال کر گئے۔

بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ مگر نماز نہیں چھوڑی اکبر کے زمانہ میں عمدۃ الملک نظام الدین شہباز خان (اصلی نام شہر اللہ) لاہور کے نامی امیر الامرا اور اکبری دربار کے رکن اعظم اور بڑے بہادر فاتح اور نامور سپہ سالار[1] تھے۔ اکبری دربار میں جونت نئے خانہ بر انداز شریعت احکام جاری ہوتے۔ امرا کو چارو ناچار ان کی پابندی کرنی پڑتی۔ داڑھی منڈانا۔ کان چھدانا۔ شراب پینا

[1] سولہویں سال جلوس اکبر بادشاہ میں میر بخشی و میر عرضی ہوئے ۹۸۵ھ میں شہباز خانی کا خطاب ملا۔ مالوہ کے سپہ سالار بھی رہے۔ چار ہزاری و پنج ہزاری منصب پر پہنچے۔ بڑی بڑی مہموں میں شامل رہے ان کی سرکار میں بیش قرار تنخواہ ملازم تھے منجملہ ان کے دس آدمی ایک ایک لاکھ روپیہ سالانہ تنخواہ پاتے تھے۔ نو ہزار سوار ان کے ذاتی ملازم تھے جن کی تنخواہ سولاکھ سالانہ تھی۔ ہر پنجشنبہ کو سو اشرفی کی شیرینی نیاز حضرت غوث اعظم میں دیتے تھے ۹۲۳ھ میں پیدا ہوئے ۹۹۸ھ میں انتقال کیا۔ ذات کے کمبوہ تھے۔ مشاہیر میں آپکے مفصل حالات درج ہیں۔ از صفحہ ۸۶ تا ۱۰۳۔

مہر میں لفظ مرید کندہ کرانا اور بہت مزخرفات آئین دربار کا لازمہ تھے رلاہور کے اس بہادر خدا پرست
نے باہمہ قرابت شہنشاہی ان میں سے ایک بات کا بھی اتباع نہ کیا ۔ اور مراسم نامشروع کے
اجرا کی تعمیل میں کبھی بادشاہی احکام اور ناخوشی کی پرواہ نہیں کی ۔ امشاہیر میں بحوالہ مآثر
الامرا آپ کے اتباع وسنت و اتقا و پرہیزگاری کے بہت سے واقعات درج ہیں۔ لکھا ہے ۔ ایکدن
بادشاہ قریب عصر شہباز خان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے فتح پور سیکری کے تالاب پر چہل قدمی
اور ہوا خوری میں مصروف تھا حکیم ابوالفتح و حکیم علی گیلانی وغیرہ چند امرائے سلطانی
کچھ فاصلہ پر کھڑے باہم کہہ رہے تھے کہ اگر آج اس شخص کی نماز قضا نہ ہوئی ۔ تو جانو یکا دیندار
ہے ورنہ ریاکار ہے ۔ غرض جب وقت نماز اخیر ہونے لگا ۔ بادشاہ کے خوف و لحاظ پر خدا کے خوف و
لحاظ کو ترجیح دی اور نماز کی اجازت چاہی ۔ فرمایا قضا پڑھ لینا ۔ وقت تنگ ہو گیا ہے ۔
شہباز خان نے جان لیا کہ بادشاہ نماز نہیں پڑھنے دیگا ۔ یکایک بادشاہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ
کھینچ لیا ۔ اور ڈوپٹہ بچھا کر جھٹ نیت باندھ لی ۔ ناچار بادشاہ خاموش ٹہلنے لگا حکیم علی
گیلانی اور دوسرے ندمائے سلطانی نے نواب کی اس حیرت انگیز جرأت و جسارت پر ہزار آفرین
کہی ۔ نواب شہباز خان کی شوکت و امارت اور اس کے تقرب سلطانی کو دیکھو ۔ اور پھر اس پر غور کرو
کہ وہ فانی دنیا کے ان تمام مٹ جانے والے اسباب کو ٹھوکر مار کر خدا کی جناب میں حاضر ہوتا ہے اور
سر نیاز جھکا دیتا ہے ۔ ہمارے امرا و اغنیا کبھی پارٹیوں سے ناغہ نہ کریں گے ۔ خواہ ایک کیا
ساری نمازوں کا وقت غل غپاڑہ ہی میں بسر ہو جائے ۔ کیسے مستقل و مقبول تھے ۔ وہ اسلاف
جن کے آج ہم ایسے خلف ہیں کہ ان سے نسبت دیتے ہوئے بھی شرم آرہی ہے

برسر دربار حمیت اسلامی کا جوش

۹۸۶ھ کے واقعات کا ذکر ہے کہ اکبر نے قطب الدین محمد اور نواب شہباز خان سے
تقلید چھوڑنے اور دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہونے کی تاکید کی ۔ راجہ بیربر
بھی مجلس میں موجود تھا ۔ اور دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل بلکہ مرید باخلاص تھا ۔ اکبر کی شہ
سے وہ اسلام پر بہت حملے کرتا تھا مسلمان امرا کو خصوصاً جو باحمیت تھے ۔ یہ بات ناگوار گذرتی
تھی ۔ مگر شہنشاہ کے خوف سے کوئی زبان نہ کھول سکتا تھا ۔ بیربر ہی اس وقت موقعہ تاک کر
بولا اور اسلام پر بار بار طعن کرنے لگا ۔ شہباز خان بہ جوش حمیت اسلامی اس گفتگو میں بہت گرم
ہو گیا ۔ اور بیربر کو اس نے اس سختی سے ڈانٹا کہ صحبت بدمزہ ہو گئی ۔ امرا آپس میں کھسر پھسر کرنے
لگے اس نے بے دھڑک سر دربار صاف صاف کہدیا ۔ اے کافر ملعون تو بھی ایسی باتیں کرنے لگا

بادشاہ کی طبیعت بگڑ گئی۔ وہ بیربر کا طرفدار تہا۔ شہباز خان کو سخت سست اور برا بھلا کہا۔ یہ سب کچھ ہوا۔ مگر شہباز خان اپنی اخلاقی دلیری وجوش مذہبی سے اسی صراط مستقیم پر قائم رہا۔ غرباکو تو چھوڑیئے وہ بے مایہ ہستی آج اس مادہ پرست عالم میں منہ لگانے کے قابل بھی نہیں سمجھی جاتی۔ کتنے امراا ور فارغ البال اور کہاتے پیتے لوگ ہیں جو اپنے مذہب کی پاسداری میں غیرت وحمیت سے کام لے رہے ہیں۔ ہمارے امرا جو بڑے آدمی کہلاتے ہیں۔ اگر اپنے دل میں حقیقی تڑپ اپنے مذہب کی رکھتے تو آج اسلام اور اسلامیوں کی یہہ درگت نہ ہوتی۔ نواب شہباز خان نے جسم خدمات شاہی کے لئے وقف کر دیا تھا۔ مگر دل کی لو حاکم حقیقی کے ساتھ لگی ہوئی تھی جب اس کے مذہب پر حملہ ہوتا تھا۔ جب اس کے ضمیر کو ہلاک کرنے کی کوشش کی جاتی تھی جب اسے ایسی بات کے تسلیم کرنے کیلئے مجبور کیا جاتا تھا جسے اس کا دل نہیں مانتا تھا۔ تو وہ نہایت دیانتداری جرأت اور آزادی اور مذہب کی سچی محبت وعظمت کے ساتھ دین کو دنیا پر مقدم سمجھتا۔ اور اکبر جیسے عظیم الشان شہنشاہ کے سامنے اظہار حق سے نہ جھجکتا تہا۔ شنا۱ھ میں وفات پائی۔ اپنی وصیت کے بموجب روضۂ حضرت خواجہ غریب النواز میں بمقام اجمیر دفن کئے گئے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ نیاز خان اور الہام اللہ خان۔ نیاز خان پانچہزار روپیہ ماہوار تنخواہ لیتے تھے۔ شہباز خاں کا ایک چھوٹا بھائی اکرام اللہ خان تھا۔ دو ہزاری منصب اور بارہ ہزار ماہوار تنخواہ لیتا تھا۔ لاہور میں اس کے بڑے عالیشان مکانات تھے۔ اکبر کئی دفعہ اس کے مکان پر گیا ہے۔ ۱۰۰۲ھ میں بمقام سرہند اس کا انتقال ہوگیا (المشاہیر صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳)

مولانا عبد اللہ سلطانپوری انصاری جو شیر شاہ سوری کے زمانہ سے لیکر شہنشاہ اکبر کے عہد تک مخدوم الملک کے خطاب سے ممتاز رہے ہندکے اکابر علماء سے ہیں جب اکبر نے	اظہار حق کیلئے جلا وطنی

نیا مذہب "دین الہی اکبر شاہی" ایجاد کرکے آفتاب پرستی وغیرہ کے احکام اور نیا کلمہ لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ جاری کیا اور اکثر زرپرست اور جاہ طلب مولویوں اور عالموں نے اکبر کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اور غیرت دینی اور حمیت ملی سے مطلق کام نہ لیا۔ تو مولانا انصاری نے جرأت کرکے اکبر کو اس کفر وضلالت سے روکا۔ اکبر نے حکم دیا کہ آپ میرے ملک سے باہر نکل جائیں۔ سارے ہندوستان میں اکبر کی حکومت تھی۔ جہاں نہیں تھی وہ علاقے کم سے کم اس کے زیر اثر تھے۔ اس لئے مولانا کہاں جا سکتے۔ آخر ایک مسجد میں معتکف ہو گئے۔ کہ خدا کے گھر سے کون نکالنے والا ہے۔ اکبر کو خبر ہوئی۔ اس نے وہاں سے بھی نکلوا دیا۔ آخر آپ حج کو چلے گئے۔ جب واپس آئے

توبقول بعض بادشاہ کے حکم سے ۱۰۰۶ھ میں آپ کو کھانے میں زہر دیا گیا جس سے آپ کا انتقال ہوگیا۔ دافع کفر وضلالت۔ محی السنۃ و توحید اور کئی کتابوں کے مصنف تھے

حضرت مجدد الف ثانی کی نارضگی ابوالفضل سے

ابوالفضل کو جانتے ہو۔ اکبر کے دربار میں بلکہ اس کی ذات پر اس کا کس قدر رسوخ و اقتدار تھا۔ اس سے بگاڑ پیدا کرنا اس کو ناراض کرنا اور اس کے سامنے جرأت آفرین باتیں کرنا موت کے منہ میں جانے کے برابر تھا۔ لیکن اس زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے۔ جو اعلائے کلمۃ الحق کے لئے نہ بادشاہ کی پرواہ کرتے تھے۔ نہ اس کے وزیر کی۔ اور نہ بعض مصلحت بینوں کی طرح اپنے ذاتی جاہ وجلال کو قائم رکھنے اور حق کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ابوالفضل سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ابوالفضل نے فلاسفہ کی تعریف و توصیف اور اس کے مختلف علوم کے ذکر میں اس قدر مبالغہ کیا جس سے علمائے دین کی صریح ہتک ہوتی تھی۔ آپ اس مبالغہ کا تحمل نہ کر سکے اور فرمایا امام غزالی نے ایک رسالہ "المنقذ من الضلال" لکھا ہے جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ فلاسفی جن علوم کا اپنے آپ کو واضع جانتے ہیں۔ وہ کس کام آتے ہیں طب وغیرہ مفید علوم جو ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ انبیائے سابقین کے کلام کا سرقہ ہے۔ ان کے طبع زاد علوم۔ علوم دینیہ کے کسی کام نہیں آتے۔ ابوالفضل نے جب فلاسفہ کے متعلق حضرت مجددؒ کی یہ رائے سنی۔ تو اس کا رنگ متغیر ہوگیا اور کہنے لگا "غزالی نامعقول" ابھی بات ختم نہیں ہوئی تھی۔ کہ حضرت مجددؒ نے کہا اگر اہل علم کی صحبت کا مذاق رکھتے ہو۔ تو اپنی زبان کو اس قسم کے کلمات سے بند رکھو یہ کہکر آپ اُٹھ کر چلے آئے۔ اور کئی روز تک اس کی مجلس میں نہ گئے۔ یہانتک کہ خود اس نے آدمی بھیجا اور معذرت طلب کی۔ (زبدۃ المقامات صفحہ ۱۳۷)

ایک شخص کی جرأت سے انصاف کا خون نہ ہوسکا

جب اکبر کی موت کے دن قریب آئے۔ تو راجہ مان سنگھ اور خان اعظم نے اور امراکو ساتھ ملاکر چاہا۔ کہ خسرو جہانگیر کے بیٹے کو جو راجہ مان سنگھ کا خواہرزادہ اور خان اعظم کا داماد تھا تخت پر بٹھا دیں اور جہانگیر کو قید کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے امرا کو اپنی طرف کرکے ایک مشورہ برائے نام کیا اور کہا شاہزادہ اعظم سلطان سلیم کے خصائل سب کو معلوم ہیں اور شہنشاہ کی جو رائے اس کی نسبت ہے۔ وہ بھی سب جانتے ہیں۔ کہ وہ اس سے خوش نہیں ہے۔ اور اس کی جانشینی کا خواہاں بھی نہیں ہے۔ دربار میں سمندخان نام

ایک امیر کبیر خاندان شاہی کا دور کا رشتہ دار تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ یہاں انصاف کا خون ہونے لگا ہے اور خان اعظم اور راجہ مان سنگھ کی نیتوں میں فتور ہے۔ تو کڑک کر بولا۔ اپنی بکواس کو بند کرو شاہزادہ سلیم موجود ہو اور اس کا بیٹا تخت پر بیٹھ جائے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ ہمارے رسم و آئین کے یہ بالکل خلاف ہے۔ یہ کہکر اور اپنی جان بچا کر وہ چلا گیا اور مجلس اس کی غیر معمولی جرات کی وجہ سے اوراق پریشان کی طرح منتشر ہو گئی۔

فصل دوم

شہنشاہ جہانگیر و شاہجہان

جہانگیر کی کثرت شراب نوشی پر ایک مصاحب کا اس کو متنبہ کرنا

جہانگیر[1] اپنی توزک میں ایک جگہ لکھتا ہے میں شراب اس کثرت سے پیتا تھا کہ رعشہ کی وجہ اور ہاتھ کے لرزنے سے اپنا پیالہ آپ نہیں تھام سکتا تھا۔ لوگ میرا حال دیکھتے تھے لیکن کسی میں اتنی جرأت و قدرت نہ تھی کہ مجھے منع کرتا اور اس کے عیب و ثواب دلسوزی سے بتاتا۔ حکیم ہمام کا بھائی حکیم ابوالفتح میرے بلانے سے میرے پاس آیا جب اس نے میری یہ حالت دیکھی۔ تو بے تکلف اور بے حجاب ہو کر مجھے شراب نوشی کی اس کثرت سے منع کیا اور کہا اگرچہ ماہ تک آپ اسیطرح شراب پیتے رہیں گے تو کوئی علاج کارگر نہ ہوگا۔ جہانگیر لکھتا ہے۔ اس کی ہر بات میں دلسوزی اور اس کے ہر فقرہ میں خیر اندیشی تھی۔ مجھ پر اس کی باتوں کا بڑا اثر ہوا۔ اور میں نے اسی تاریخ سے شراب کم کرنی شروع کی۔

[1] جہانگیر ۱۷ ربیع الاول ۹۷۷ھ کو آگرہ (سیکری) میں پیدا ہوا اور جمادی الآخر ۱۰۱۴ھ مطابق اکتوبر ۱۶۰۵ء میں بعمر ۳۸ سال تخت نشین ہوا اور ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۶۲۷ء کو انتقال کر گیا۔ مدفن لاہور

بادشاہوں کے گرد وپیش اگر خودغرض لوگ نہ ہوں۔ اگر ایسے لوگ ہوں۔ جو بغیر کسی غرض کے جرأت اور ہمت کے ساتھ بادشاہ کو اس کے عیوب ونقائص دلسوز الفاظ میں بتادیا کریں۔ تو بادشاہ کا وجود حقیقی طور پر رعایا کے لئے مفید ہوا کرے۔

شاہی خطاب لینے سے انکار

شاہجہان کے عہد میں (۱۰۴۷ھ موافق ۱۶۳۵ء) میں سید عبدالوہاب خاندیسی ایک نامی شجاع گذرا ہے۔ بادشاہ کا گیارہواں[1] سال جلوس تھا۔ کہ عبدالوہاب خاندوران خان سے جو برہانپور میں دکن کی مہمات کیلئے مقیم تھا ملنے آیا۔ اس نے شرعی طور پر صرف زبان سے سلام علیک کہا اور سر پر ہاتھ نہ رکھا۔ خاندوران خان نے برا منایا۔ دونوں میں بے لطفی ہوئی۔ عبدالوہاب شریعت کی حمایت میں بمشکل جان بچاکر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ نے بھی کچھ دنوں تک ناراضگی ظاہر کی۔ بعد میں کسی خدمت سے خوش ہوکر دلاور خان کا خطاب دیا۔ لیکن عبدالوہاب نے خطاب لینے سے انکار کر دیا (ظفرنامہ شاہجہان مولوی ذکاء اللہ مرحوم)

حضرت میاں میر کی ملاقات جہانگیر سے

حضرت میاں میر جو اپنے وطن سیستان سے بعہد شہنشاہ اکبر ۹۹۵ھ میں بعمر ۳۸ سال لاہور میں آئے۔ نہایت نامور عالم تھے۔ حضرت ملا شاہ بدخشانی۔ خواجہ بہاری اور میاں نتھا لاہوری آپ کی درسگاہ کے نامور فرزند تھے۔ ان بزرگوں کے دم قدم سے لاہور بلکہ پنجاب میں علم دین اور علم تصوف کا مینہ برس رہا تھا۔ جہانگیر اپنی توزک میں آپ کے متعلق لکھتا ہے "حضرت میاں میر کے علم وفضل اور ان کی بزرگی و پرہیزگاری کی وجہ سے ملاقات کی بڑی خواہش تھی۔ میں نے اپنی حکومت کے چودہویں سال میں ان کو آگرہ آنے کی دعوت دی۔ جسے انہوں نے نہایت مہربانی سے محض میری خاطر سے منظور فرمالیا۔ روحانی پاکیزگی اور صفائے قلب اور مذہبی تقدس اور اعلےٰ کیرکٹر کی وجہ سے یہ ہستی لاثانی تھی۔ میں اکثر ان کے پاس جایا کرتا وہ مجھے دینی و دنیوی نہایت باریک نکات بتایا کرتے میری خواہش تھی۔ کہ میں ان کو نقد روپیہ بطور نذر پیش کروں۔ لیکن ایسی چیزوں کی طرف ان کی طبیعت چونکہ مائل نہ تھی۔ اس لئے مجھے جرأت نہ ہوسکی آخر میں نے نماز پڑھنے کیلئے ہرن کے چمڑے کا مصلےٰ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اور انہوں نے قبول فرمالیا۔"

(تذکرۃ العلما والمشائخ صفحہ ۳۹)

---

[1] ربیع الاول ۱۰۰۰ھ میں زمانہ شہنشاہ اکبر پیدا ہوا۔ تخت نشینی ۱۲ جمادی الثانی مطابق ۶ فروری ۱۶۲۸ء معزولی یا گوشہ نشینی ۱۷ رمضان ۱۰۶۸ھ وفات ۱۱ رجب ۱۰۷۶ھ۔ مدفن آگرہ (اکبرآباد)

میری خواہش یہ ہے کہ مجھے دوبارہ آنے کی تکلیف نہ دو

دارا شکوہ اپنی کتاب سکینۃ الاولیا میں جہانگیر کی اسی ملاقات کے متعلق لکھتا ہے: میرے دادا شہنشاہ جہانگیر نے جب اُن کو مدعو کیا۔ تو خود استقبال کو گئے۔ اور کئی دفعہ ان کے ڈیرے پر بھی جاتے رہے۔ بادشاہ نے رخصت کے وقت کہا۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو۔ تو ارشاد کیجئے۔ تاکہ اس کی تعمیل اپنی سعادت سمجھوں۔ آپ نے فرمایا۔ ایک چیز کی خواہش ہے۔ اگر اس کے قبول کرنے کا عہد کرو۔ بادشاہ نے کہا جو حکم ہوگا۔ یقیناً اس کی تعمیل کروں گا۔ فرمایا میری خواہش یہ ہے کہ مجھے دوبارہ یہاں آنے کی تکلیف نہ دی جائے"[1]

شاہجہان نے بھی ۱۰۴۳ھ میں حضرت میانمیر سے ملاقات کی ہے۔ شاہجہان نامہ (مصنفہ ملا عبدالحمید لاہوری) میں لکھا ہے۔ جب شاہجہان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو ان کی خدمت میں ایک تسبیح اور سفید کپڑے کی ایک دستار پیش کی۔ جو قبول کی گئی۔ اسی کتاب میں شاہجہان کی زبانی ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ میں نے صرف دو ایسے صوفیا دیکھے ہیں۔ جو علم الٰہیات کے ماہر ہیں۔ ایک حضرت میانمیر دوسرے محمد فضل اللہ بہاری ۱۰۴۵ھ میں آپ نے لاہور میں وفات پائی۔

یہ وہ لوگ تھے۔ جن کے نام پر علم و فضل سو ناز تھا۔ جو عمل کرنے کے لئے پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ اور بادشاہی درباروں اور ملاقاتوں میں اپنے علمی و عملی مشاغل کا ہرج دیکھکر صاف کہہ دیتے تھے کہ ہمیں دوبارہ آنے کی تکلیف نہ دی جائے۔ آخر انہی لوگوں نے اپنے طرز عمل سے شاہان عصر پر یہ اثر کیا کہ وہ ان کی ملاقاتوں اور ان سے برکات و فیوض حاصل کرنے کے لئے خود ان بوریا نشینوں کے پاس آتے تھے۔ آج کتنے علما ہیں۔ جو ان کے حقیقی جانشیں ہیں۔

ملا محمد صوفی کی رباعی جہانگیر کے نام

جہانگیر کے عہد میں ملا محمد صوفی ماثر ندرانی[2] گذرے ہیں۔ جوانی کے ایام میں ایران سے ہندوستان آئے۔ میر سید جلال الدین صدر الصدور ہندوستان اور سیف خان صوبیدار گجرات ان کے بہت معتقد تھے۔ جہانگیر کو خبر ہوئی۔ اس نے سیف خان کو لکھا۔ کہ ملا ماثر ندرانی کو دار الخلافہ بھیجا جائے۔ مطلب یہ تھا۔ کہ ہم بھی ان کی زیارت کریں۔ عالم ضعیفی تھا اور ملا بیمار۔ جانا نہیں چاہتا تھا اور نہ سیف خان کا منشا تھا۔ کہ وہ جائے لیکن بادشاہ کا حکم ٹالنا بڑا مشکل تھا۔ آخر ایک جمعیت کے ساتھ ملا کو روانہ کیا گیا۔ چونکہ بیمار اور ضعیف تھا۔ رستے ہی میں انتقال کر گیا۔ لیکن مرنے سے قبل حسب ذیل رباعی بادشاہ کے نام لکھکر بھیجدی سے

---

[1] تذکرۃ العلماء و المشائخ صفحہ ۹۴۔ [2] ماثر الامرا جلد سوم در حالات میر سید جلال صدر صفحہ ۱۵۴۔

اے شاہ نہ تخت و نہ نگین مے ماند   از ہر تو یک و دگز زمین مے ماند

صندوق خود و کاسۂ درویشاں را   خالی کن و پُر کن کہ ہمیں مے ماند

یہ رباعی سُنکر بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اور ایسے راست گفتار اور حق گو اور آزاد منش صوفی کی وفات پر بہت افسوس کیا۔

شہنشاہ کے دربار میں جانے سے انکار

شیخ عبدالرشید جونپوری (پیدائش ۱۰۸۶ھ) عالم متبحر اور جامع فروع و اصول تھے۔ آپ نے کئی کتابوں کی شرحیں کیں چند ایک کے حاشئے لکھے۔ ایک فارسی دیوان بھی آپ کا مشہور ہے۔ رات دن تصنیفات اور درس و تدریس میں رہتے تھے۔ شاہجہان نے علم و فضل کا شہرہ سُنکر آپ کے پاس قاصد بھیجا اور بلوایا۔ مگر آپ نے درس وغیرہ کا عذر کر کے ادب کے ساتھ انکار کر دیا۔ اور مرتے دم تک جونپور سے باہر نہ نکلے۔ نماز فجر آپ پڑھ رہے تھے۔ کہ اسی حالت میں وفات پا گئے (حدائق الحنفیہ حدیقہ دوازدہم صفحہ ۴۵۶)

نواب سعد اللہ خان کی نصیحتیں شاہجہان کو

نواب[1] سعد اللہ خان ایکدن شاہجہان کے پاس ذرا دیر سے آئے۔ سبب پوچھا عرض کیا۔ نوٹ بک میں چند فقرے نظر پڑے تھے۔ جن کو عرض کرنے کے لئے نقل کر رہا تہا۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کیا ہیں۔ عرض کیا حسب ذیل ہیں۔

سلطنت کی بنیاد کا قیام انصاف پر ہے۔

ملک کی وسعت۔ مال کی زیادتی بہادری اور سخاوت سے ہوتی ہے۔

علماء و فضلا کے ساتھ نشست و برخاست رکھنا اور جاہلوں کی صحبت سے بچے رہنا عقلمندی کی علامت ہے۔

عقاید مذہبی پر کاربند رہنا تکالیف کے ایام میں ثابت قدم رہنا۔ دنیاوی معاملات میں رشتۂ تدبیر کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا قسمت پر رضامند اور شکرگذار رہنا یتیموں پر رحم کرنا محتاجوں کی حاجت اس قدر پوری کرنا۔ کہ خود محتاج نہ ہونا۔ وزیروں کی صلاح و تجویز سے معاملات سلطنت

---

[1] نواب سعد اللہ خان پنجاب (چنیوٹ) کے رہنے والے تھے۔ ابتدا میں نہایت غریب تھے لاہور اور سیالکوٹ میں درویشوں کے ساتھ شامل ہو کر پڑھتے رہے۔ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے شاگرد اور حضرت مجدد الف ثانی کے ہم درس تھے۔ یاوریٔ قسمت سے شاہجہان کے وزیر اعظم ہو گئے لاہور میں ان کے عالیشان مکانات تھے حویلی میاں خاں انہی کے فرزند اصغر نواب میاں خان کے نام سے موسوم ہے ان کا بڑا بیٹا نواب لطف اللہ خان ۱۰۹۱ھ میں بعہد عالمگیر پنجاب کا گورنر رہا ہے ۱۱۱۱ھ میں بمقام اورنگ آباد (بزمانہ صوبیداری) اس کا انتقال ہو گیا اس کا ایک بیٹا محمد خلیل عنایت خان تہا۔ اس کے بعد تاریخ کوئی پتہ اس کی اولاد کا نہیں بتاتی۔ نواب سعد اللہ کی بیٹی کی شادی نظام الملک دکن سے ہو گئی تہی۔ میاں غلام رسول صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس لائلپور (سکنہ چنیوٹ) کا تعلق ہے۔ نواب سعد اللہ خان کے خاندان سے ملتا ہے۔

کو انجام دینا۔ برکات الدعا کا قائل ہونا۔ دردمندوں کے درد دور کرنے کی نیت سے تندرست رہنا مجرموں کے جرموں سے درگذر کرنے پر بارگاہ خداوندی سے رحمت نازل ہونے کی امید رکھنا۔

شہنشاہ نواب سعد اللہ خان کی اس صاف گوئی اور جرأت پر بڑا خوش ہوا۔ اور سمجھ گیا۔ کہ اس نے باتوں ہی باتوں میں مجھے کیسی عمدہ نصیحتیں کی ہیں۔ رقعات عالمگیری میں لکھا ہے۔ کہ شہنشاہ نے محمودی زردوزی رنگ کے چند تھان نواب کو عطا فرمائے۔

ملا خواجہ بہاری کا استغنا شاہجہان سے

حضرت میاں میر لاہوری کے مریدوں میں حضرت ملا خواجہ بہاری نہایت نامور اور عالم تھے۔ ان کی نشو و نما اور شہرت لاہور ہی میں ہوئی۔ شاہجہان کی بڑی خواہش تھی۔ کہ کسی طرح میرے دربار میں آئیں۔ لیکن ان کے علمی مشاغل اور ان کی آزادخیالی نے شہنشاہی درباروں کی کوئی وقعت نہ کی۔ سیر المتاخرین میں لکھا ہے کہ شاہجہان ایک مرتبہ لاہور ہی میں تھا۔ دارا شکوہ کے مکان پر گیا۔ مصنف تاریخ مرآۃ العالم (خواجہ دربار خان ناظر) ہمراہ تھے۔ شہنشاہ نے ان سے کہا واپسی پر ملا خواجہ کو دیکھتے چلیں گے۔ تم جاؤ اور جاکر ان کو خبر کردو۔ خواجہ ناظر لکھتا ہے۔ میں ملا کے ٹوٹے پھوٹے مکان میں گیا۔ معلوم ہوا۔ وہ ابھی باہر گیا ہے۔ تھوڑی دیر تک اس کا انتظار کیا تھا۔ کہ بادشاہ کی سواری نمودار ہوئی۔ میں نے عرض حال کیا۔ بادشاہ نے فرمایا تم یہیں رہو جب ملا آئے۔ تو ہمارا اسلام کہکر یہ مصرع پڑھ دینا ع

طاقت مہمان نداشت خانہ بمہمان گذاشت

جب ملا اپنے مکان پر آئے اور خواجہ ناظر نے واقعہ بیان کرکے مصرع پڑھا۔ تو کہا۔ حضرت ظل سبحانی نے ذرہ نوازی فرمائی۔ کہ یہاں تشریف لائے۔ لیکن میں عمداً باہر چلا گیا تھا۔ ورنہ عوام کے ہاتھوں سے میری ڈاڑھی سلامت نہ رہتی۔ مطلب یہ کہ بادشاہ کا تقرب سنکر اس کثرت سے لوگ میرے پاس آنا شروع کر دیتے۔ کہ میں مختلف قسم کے جنجالوں میں پھنس جاتا۔ بادشاہ نے جب دیکھا۔ کہ ملا خواجہ نہ دربار خاص میں آتے ہیں۔ نہ مجھے اپنے مکان پر ملتے ہیں۔ تو اس نے دوسرے ہی دن لاہور میں دربار عام کیا۔ اور ملا خواجہ کو بھی بلوایا۔ کہ عام لوگوں میں شامل ہونے پر تو وہ کوئی اعتراض نہ کریں گے چنانچہ ملا خواجہ گئے۔ خواجہ ناظر لکھتے ہیں۔ کہ میں نے اس وارستہ مزاج عالم و صوفی کو دور سے پہچانا اور بادشاہ سے عرض کیا۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ دربار عام میں اٹھکر ملا کے پاس آیا۔ اور خلوت میں اس سے باتیں کرتا رہا۔ [1]

[1] تذکرۃ العلماء و المشائخ صفحہ ۲۶۵ و ۲۶۶۔

ان کا بہت بڑا درس لاہور میں تھا۔ نواب سعد اللہ خان وزیر شاہجہان مولوی عبد الحکیم سیالکوٹی کے پاس جانے سے پیشتر انہی کے پاس پڑھتا تھا۔ وفات آپ کی سنہ ١٠٦٧ھ میں مقام لاہور ہوئی اور درگاہ حضرت میاں میر میں دفن کیے گئے

دیکھتے ہو ہمارے بزرگ زندگی کے اصل مقصد یعنی خدمت اسلام کی خاطر بادشاہوں تک کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ بادشاہوں کے قرب سے ہمیشہ دور رہے۔ دنیا ان کے پیچھے دوڑتی تھی لیکن وہ اپنے مشاغل حسنہ میں مصروف رہ کر کسی بڑے سے بڑے آدمی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔ یہی لوگ دراصل صوفی اور عالم کہلانے کے مستحق تھے۔ نہ کہ وہ لوگ جو صوفی اور پیر اور بڑے بڑے سجادہ نشین کہلا کر آنریری مجسٹریٹیوں اور جاگیروں کے لئے مرے جاتے ہیں۔ اور مریدوں کے خون پسینہ کی کمائی کو بیدردی سے اپنا دنیوی اعزاز بڑھانے اور اپنے تعیش کے لئے صرف کر رہے ہیں۔

فصل سوم

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر

عالمگیر کی مسرت حریت و دیانت کے ایک واقعہ پر

اورنگ زیب[1] کا جب ارادہ ہوا کہ اپنے بھائی شاہزادہ مراد کا کہ مدعی سلطنت تھا۔ قصہ پاک کیا جائے۔ تو ہواخواہان دامن دولت کے مشورہ سے میران علی نقی کو (جن کے باپ کو شاہزادہ مراد نے قتل کیا تھا) باپ کے خون کے دعوے کیلئے بلایا۔ بڑے بیٹے کو شاہزادہ پر رحم آیا اور اس نے سمجھ لیا کہ ہم کو شاہزادہ کے قتل کا صرف بہانہ بنایا جاتا ہے۔ بادشاہ نے بھی کہا اور حاشیہ نشینوں نے بھی سمجھایا۔ لیکن اس نے صاف انکار

---

[1] ولادت ذی قعدہ ١٠٢٨ھ / ١٦١٩ء۔ تخت نشینی رمضان المبارک ١٠٦٨ھ وفات ١١١٧ھ ٢٨ ذی قعدہ مدت سلطنت ۵١ سال۔

کر دیا اور کہا میں یہ خون سر پر نہیں لینا چاہتا۔ اس کا چھوٹا بھائی بادشاہ کے حکم سے قاضی کی عدالت میں گیا۔ وہاں کیا دیر تھی۔ قاضی نے خون ثابت کر دیا۔ اور غریب شاہزادہ قتل کیا گیا۔ یہ ربیع الثانی سنہ ۱۰۷۲ھ کا واقعہ ہے۔ بادشاہ نے علی نقی کو جس نے خونیں دعوے سے انکار کیا تھا۔ مورد عنایات بنایا۔ اور اس کی صداقت، حریت۔ دیانت اور آزادانہ گفتگو کی داد دی (تاریخ ہند مولفہ مولوی ذکاءاللہ مرحوم)

عالمگیر کا انصاف

شاہزادہ مرادبخش نے احمد آباد (گوجرات) میں جب سکہ و خطبہ اپنے نام کا جاری کیا۔ تو محمد محسن اور سپر بیرجی بہورہ سے پانچ لاکھ روپیہ قرض لیا۔ روپیہ اسیطرح صندوقوں میں سربمہر تھا۔ کہ شاہزادہ قیدا ور روپیہ داخل خزانہ سرکار ہو گیا۔ محمد محسن نے غیاث الدین خان متصدی بندر سورت کی طرف رجوع کیا۔ لیکن اس نے کوئی توجہ نہ کی۔ محمد محسن مایوس ہو کر بادشاہ پاس آیا اور متصدی کے جور و تعدی کی جو رعایا پر وہ کرتا تھا شکایت کی اور اپنی طرف سے اصالتاً اور بیرجی بہورہ کی طرف سے وکالتاً استغاثہ دائر کیا۔ بادشاہ نے کہا اثبات شرعی یا دیوانی پیش کرو۔ تمہارا حق تم کو مل جائے گا۔ بادشاہ فتاویٰ عالمگیری کے مطابق شرعی فیصلہ پسند کرتا تھا۔ چنانچہ جب معلوم ہوا۔ کہ متروکہ میت پر وارثوں میں سے کوئی متصرف ہو تو میت کا دین اس کو ادا کرنا واجب ہے۔ ساتھ ہی یہ امر بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گیا۔ کہ محمد مرادبخش کا پانچ لاکھ روپیہ خزانہ شاہی میں داخل ہو چکا ہے۔ بادشاہ مقدمہ کی روئداد فیصلہ کے لئے دیکھ رہا تھا۔ کہ محمد محسن حاضر ہوا۔ اور کہا بندگان عالی پر ظاہر ہو گیا ہے کہ ہم اپنے دعوے میں حق بجانب ہیں۔ اس لئے اب ہم یہ روپیہ حضور پر نثار کرتے ہیں۔ بادشاہ نے اس کو خاصہ کا ایک گھوڑا۔ ہاتھی اور خلعت عطا کیا۔ اور غیاث الدین خان کو بندر سورت سے جوابدہی کے لئے اپنے پاس بلایا۔

مالگذاری کی معافی پر عالمگیر کا اظہار مسرت

عالمگیر کے عہد میں امانت خان اسم بامسمیٰ تھا۔ دیوانی دکن کے زمانہ میں اس نے اورنگ آباد اور خاندیس کے مالگذاروں کو ۲۰ لاکھ روپیہ کا بقایا اپنے اختیارات سے معاف کر دیا۔ اور رعایا کی سقیم حالی بادشاہ سے گوش گذار کی۔ بادشاہ نے اس کے انصاف اور اس کی دیانتداری کی تعریف کی۔ امانت خان نے کہا میرے برابر خائن دوسرا کون ہوگا۔ ہر سال اپنے ولی نعمت کے کئی لاکھ روپیہ رعایا اور عمال کو معاف کر دیتا ہوں۔ بادشاہ اگر میری ان گستاخیوں پر عفو و رحم کی نظر رکھے۔ تو زہے قسمت۔ بادشاہ نے فرمایا ہم نے معاف کیا۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تو دنیا و آخرت کا خزانہ ہمارے لئے جمع کر رہا ہے [1]

---

[1] تاریخ ہند مولفہ پروفیسر ذکاءاللہ مرحوم۔

شاہی خطابات سے انکار اور حق گوئی!

پادشاہنامہ عالمگیری میں ایک اور شخص مرزا علی کی دیانت و امانت کے حال میں لکھا ہے۔ کہ وہ رعایا کی شکایات پادشاہ کے سامنے بیخوفی سے بیان کرتا تھا۔ پادشاہ اُس کے خلوص اور ہمدردی رعایا سے بہت خوش ہوتا۔ اور اس کو پے درپے اضافے اور خطاب عنایت کرتا۔ مگر اس نے ایک بھی قبول نہ کیا۔ وہ یہی کہتا کہ خطابات کے حصول سے حقیقی خدمت واطاعت کا مزاج اتار رہتا ہے۔ سرکار میں ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کسی امیدوار کو کئی مہینے بلکہ سال گذر گئے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا یعنی اس بیچارے کو کوئی جگہ نہ ملی۔ اور کئی سال گذر جانے پر بھی وہ امیدوار ہی رہا۔ بادشاہ کو کسی کام کے لئے ایک اور آدمی کی ضرورت ہوئی۔ مرزا علی ایک بے ریش و بروت لڑکے کو بادشاہ کے پاس لیگیا۔ بادشاہ نے کہا۔ یہ کم عمر لڑکا کیا کرے گا۔ مرزا علی نے کہا ملازمت پانے اور جاگیر اور منصب حاصل کرنے تک۔ انشاء اللہ سفید ریش ہو جائیگا۔ (از تاریخ مولوی ذکاءاللہ مرحوم عالمگیرنامہ)

سلطنت کے معاملات میں عالمگیر کا سلوک غیر مسلموں کے ساتھ

مولوی ذکاءاللہ مرحوم اپنی تاریخ ہندوستان جلد نہم (زوال سلطنت تیموریہ) میں پروفیسر آرنلڈ کی کتاب دعوت اسلام کے حوالہ سے لکھتے ہیں ایک دفعہ ایک شخص نے اورنگ زیب کو اس مضمون کی عرضی دی کہ دو شاہی ملازموں کو جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر ہیں۔ بادشاہ اس بنا پر برخاست کردے کہ وہ کافر آتش پرست پارسی ہیں۔ اور ان کی جگہ کہ معتمد تجربہ کار مسلمانوں کو مقرر کرے۔ بادشاہ نے جواب لکھا کہ دنیاوی کاروبار میں مذہب کو دخل نہ دینا چاہیئے۔ اگر عرضی دہندہ کی بات پر عمل کیا جائے اور اس کو سلطنت کا دستور العمل بنایا جائے۔ تو تمام غیر مسلم راجاؤں اور ان کی رعیت کا کہاں ٹھکانا ہو۔ بادشاہی نوکریاں لوگوں کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے موافق ملنی چاہیئں۔ افسوس! ایسا عادل اور پابند شرع بادشاہ آج غلط فہمیوں کا شکار ہو رہا ہے۔ اور جی بھر کر اس کو بدنام کیا جا رہا ہے ؎

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندوکش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

ایک درویش صوفی کا جاگیر لینے سے انکار اور عالمگیر کو اس کی نصیحتیں

شہنشاہ عالمگیر نے اپنے بیٹے سلطان محمد اعظم شاہ بہادر کے نام رقعات عالمگیری (رقعہ ۲۲) میں ایک بزرگ میاں عبداللطیف صاحب کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے ایک روز ہم ان کی خدمت میں گئے۔ اور باتوں باتوں میں ان سے کہا اگر اجازت ہو۔ تو خانقاہ کے اخراجات کیلئے چند دیہات مقرر کر دیئے جائیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا

شاہ مارا دہ دہد منت نہد   رازق مارزق بے منت دہد

بادشاہ ہمکو گاؤں دیگا۔ اور ہم پر احسان کرے گا۔ حالانکہ ہمارا روزی دینے والا خدا بے پاک بغیر احسان کے دیتا ہے۔ ہم نے کہا۔ یہ بالکل بجا و درست ہے مگر فقیر اور اللہ والوں کی خدمت میں حاضر ہوتا دنیوی خیر و برکت۔ تندرستی۔ زیادتی نعمت و دولت کی دعا حاصل کرنے کی غرض سے ہوتا ہے۔ نہ حرص و احسان کیلئے۔ میاں عبداللطیفؒ صاحب نے فرمایا۔ اگر باطنی ارادے کی پختگی کے ساتھ بھلائی کرنے کا خیال ہے۔ تو رعایا کو معاملہ (لگان) میں رعایت دو۔ بلکہ مناسب ہے کہ ستم رسیدہ محنتی لوگوں کو بالکل معاف کردو۔ اور خدا پر بھروسہ کرنے والے گوشہ نشینوں کے روزینے اور وظیفے مقرر کردو۔ ان کے علاوہ مظلوموں اور دادخواہوں کا اطرح انصاف کرو کہ کسی کا حق ضائع نہو اور طاقتور لوگ کمزوروں کو ستا نہ سکیں۔ عالمگیر لکھتا ہے۔ میاں صاحب نے اس قدر کہکر فرمایا جب انہی باتوں پر عمل کروگے۔ تو اللہ تعالیٰ نعمت و دولت میں افزونی عطا کرے گا۔

عہد عالمگیری اور زمانہ مابعد کا ایک خوددار اور باحمیت امیر

عہد عالمگیری میں محمد یار خان ایک نامی امیر گذرا ہے جو بے نیازی و استغنا میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ عالمگیر کے اکیسویں سال جلوس میں رفتہ رفتہ ترقی کرکے عہدہ داروغگی پر پہونچگیا تھا۔ لیکن خودداری کی وجہ سے دوسرے رؤسا کی طرح ہر وقت درباروداری ہی میں نہیں رہتا تھا۔ دربار میں حاسدوں بھڑکانے والوں اور خوشامدیوں کی کمی نہیں تھی انہوں نے بادشاہ کو خدا جانے کیا کچھ کہا۔ محمد یار خان کو خبر ہوئی اس نے گھر بیٹھے ہی استعفا بھیجدیا بادشاہ نے شاہزادہ محمد اعظم کو کہا کہ جاکر اس سے استعفا واپس دلاؤ۔ شاہزادہ نہایت التفات سے پیش آیا اور بہت کچھ کہا سنا مگر یار محمد خان نے صاف انکار کردیا۔ اور کہا شاید حاسد اور دشمن اس سے بھی زیادہ آئندہ کوئی وار کریں جس سے زندگی ہی جاتی رہے۔ اس لئے مجھے معاف رکھا جائے۔ نیز درباداری مجھ سے مشکل ہے۔ اپنے فرائض انجام دونگا یا یہ کام کروں گا۔ شاہزادہ ناراض ہوکر چلا آیا۔ اور بادشاہ کے پاس شکایت کی۔ بادشاہ نے فرمایا۔ وہ غالباً ترک کائنات سے کسی قلعہ میں جانا چاہتا ہے۔ محمد یار خان مطلب سمجھ گیا۔ بادشاہ کی خدمت میں عریضہ لکھا۔ کہ بیجاپور یہاں سے نزدیک ہے اگر وہاں قلعہ میں کوئی مکان سر چھپانے کو مل جائے۔ تو گوشہ تنہائی میں

ـــه یہ وہی بزرگ ہیں جن کا مزار راولپنڈی کے پاس امن کوٹ میں ہے اور جو دھیری شاہ عبداللطیف کے نام سے مشہور ہے یہاں عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے افسوس ہے اس عرس میں عموماً تمام نامشروع کام ہوتے ہیں۔

ہر آفت سے محفوظ رہکر یا د خدا کیا کروں گا۔ بادشاہ نے اس کی درخواست کو قبول فرمایا۔ اور قلعہ میں اس کو ایک مکان عطا فرمایا جب بادشاہ بیجاپور گیا۔ اور محمد یار خان سے ملا۔ تو اسے پھر نوکری کے لئے کہا لیکن جب دیکھا کہ وہ نہیں مانتا تو اس کو اس کی خواہش کے مطابق دہلی روانہ کر دیا۔ شاہزادہ محمد معظم کا قافلہ بھی ساتھ تھا۔ لیکن رستے میں اس نے شاہزادہ سے کلام تک نہ کیا۔ آخر ۱۱۰۰ھ میں عالمگیر نے بڑے اصرار کے ساتھ دہلی کی صوبیداری عطا کی اور منصب و اعزاز میں اضافہ فرمایا۔ محمد یار خان نے عالمگیر کے بعد بہادر شاہ اور جہاندار شاہ کا زمانہ بھی دیکھا۔ محمد فرخ سیر کا جب عہد آیا۔ تو اس نے بھی سخت مجبور کیا۔ محمد یار خان نے اس شرط پر کام منظور کیا۔ کہ دربار کی آمد و رفت سے مجھے معاف فرمایا جائے۔ . . . . . . محمد شاہ کے زمانہ میں بھی وہ زندہ تھا مگر دو تین مرتبہ سے زیادہ اس کے دربار میں نہیں گیا (مآثر الامرا جلد سوم صفحہ ۷۰۶ تا ۷۱۰)

میرزا بیدل کا شاہی قصیدہ لکھنے سے انکار

میرزا عبد القادر بیدل عظیم آبادی[1] جو فارسی شاعری کا لاثانی استاد گذرا ہے۔ ابتدائے عمر میں شاہزادہ محمد اعظم بن شہنشاہ اورنگ زیب کی سرکار میں ملازم تھا۔ منصب خاص کا امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ میرزا کے کسی دوست نے جو شاہزادہ کے مقربوں سے تھا۔ شاہزادہ کے پاس میرزا کی لیاقت و قابلیت کی تعریف کی شاہزادہ نے کہا۔ اگر میرزا ہماری تعریف میں ایک قصیدہ لکھے۔ تو ہم اس کے منصب و تقرب میں اضافہ معقول کریں گے۔ میرزا کو جب خبر ہوئی کہا۔ تعریف کرنے کے لئے نوکر نہیں ہوں بلکہ کام کرنے کے لئے ہوں۔ ساتھ ہی استعفا دیدیا۔ اور نوکری چھوڑ کر دہلی چلے گئے۔ دوست احباب نے بہت سمجھایا کہ ایک قصیدہ لکھدو۔ کیا حرج ہے۔ لیکن نہ مانا۔

زمانہ حال کے شعرا پر بھی نظر ڈالو اور دیکھو۔ کس طرح زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں۔ ظالم کو رحمدل۔ ناانصاف کو منصف متعصب کو بے تعصب۔ بخیل کو حاتم بنانا ان کا معمولی کام ہے۔ چند پیسوں کے لئے اپنے ضمیر کا خون کر دیتے ہیں اور افسوس ہے اکثر اوقات پیسے بھی نہیں ملتے۔ صرف خالی واہ واہ پر ہی مست ہو جاتے ہیں۔ جن شاعروں میں خودداری انکا وصف ہے۔ جو اپنے ضمیر کا خون نہیں کرتے۔ جو شیطان کو شیطان اور رحمان کو رحمان کہنے میں ذرا باک نہیں کرتے

[1] وطن عظیم آباد پٹنہ۔ دہلی کے نواب شکر اللہ خان اس کے ارادتمندوں میں تھے۔ اور اس کی بڑی قدر کرتے تھے نواب نظام الملک آصف جاہ اول شاعری میں میرزا بیدل کے شاگرد تھے۔ اور جب وہ آتا۔ اس کا استقبال کرتے اور اپنی مسند پر بٹھاتے تھے ۱۱۳۳ھ میں انتقال کیا۔ مآثر الکرام دفتر ثانی صفحہ ۱۴۸۔

جنہوں نے کبھی کسی ظالم کو رحیم نہیں بنایا۔ وہی شاعر حقیقی معنوں میں تلامیذ الرحمن کہلانے کے مستحق ہیں۔

عہد عالمگیری کا ایک حق گو اور خیر خواہ رعایا گورنر لاہور

عہد عالمگیری کے صوبیداران لاہور میں امانت خان[1] میرک معین الدین احمد ایک لائق۔ خیر خواہ رعیت۔ آزاد گو اور حریت نواز صوبیدار گذرا ہے۔ وہ ابتدا میں دیوان بیوتات تھا۔ اس کے دستخط و مہر کے بغیر خواجہ سراؤں اور محل کی بیگمات کو کوئی چیز نہ مل سکتی تھی چونکہ اسم با مسمی تھا۔ نہ خود مال حرام کھاتا تھا۔ نہ کسی کو کھانے دیتا تھا اس لئے بہت لوگ اس کے دشمن ہو گئے۔ بادشاہ تک بھی رپورٹیں پہنچیں۔ اس نے خود ہی استعفےٰ پیش کر دیا۔ مگر بادشاہ نے یہ سنکر نہ صرف استعفےٰ واپس کر دیا۔ بلکہ اس کو لاہور کی صوبیداری عطا کی۔ تاکہ ایسے نیک اور دیانتدار حاکم سے رعایا کے کثیر حصّہ کو فایدہ پہنچے۔

صوبیداری کے زمانہ میں اہل عملہ و دفتر ہمیشہ اس سے نالاں رہے کیونکہ اس کے عہد میں ان کو مال حرام کھانے کا بہت کم موقعہ ملتا تھا۔ لیکن زمیندار اور عام لوگ بہت خوش تھے۔ مقدمات میں پیشیاں نہیں پڑتی تھیں۔ اور انصاف حاصل کرنے کے لئے روپیہ خرچ کرنا نہیں پڑتا تھا۔ ایک مرتبہ ماتحت حکام نے بقایا مالگذاری اور جدید مطالبہ کی عدم وصولی پر جیل خانہ میں اس قدر قیدی بھیجے کہ جگہ تک نہ رہی۔ امانت خان کو خبر ہوئی۔ قید خانہ آیا قیدیوں کو دیکھا اور بہت افسوس کیا ان سے ہم کلام ہوا۔ بہت کچھ پوچھتا رہا۔ انہوں نے اپنی ناداری و فلاکت اور امساک باران وغیرہ کے عذرات اور ماتحت حکام کے تشدد و مظالم بیان کئے۔ امانت خان نے سوچا ان کو قید کر دینے سے سرکار کو سوائے ظالم کہلانے اور بدنامی حاصل کرنے کے اور کچھ نہ ملیگا۔ اور ان لوگوں اور ان کے لواحقین کے دلوں میں جو گرہ حکومت کی طرف سے بیٹھ جائے گی اس سے اور بھی پیچیدگیاں بڑھینگی اس نے بہت سے لوگوں کو ان کی حیثیت کے مطابق مالیہ بالاقساط ادا کرنے پر رہا کر دیا اور ایک بہت بڑی تعداد کو بالکل ہی معاف کر دیا۔ لوگ دعائیں دیتے اور بادشاہ کی سلامتی جان کی خیر مناتے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ رقم معافی کی تعداد ماثر الامرا میں دو لاکھ روپیہ لکھی ہوئی ہے۔

---

[1] وطن قدیم خواف (خراسان) تھا ان کے بزرگ اکبر کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور معزز عہدوں پر ممتاز رہے اصل نام معین الدین احمد تھا صوبیدار رہے کابل کے زمانہ میں امانت خان خطاب ملا امانت خان تین چار سال تک لاہور کا گورنر رہا لاہور کے محلہ خوافی پورہ میں اس کے عالیشان مکانات تھے ۱۰۹۵ھ میں بزمانہ صوبیداری اورنگ آباد اس کا انتقال ہو گیا نواب صمصام الدولہ میر شاہنواز خان مصنف ماثر الامرا اسی امانت خان کے ذریات سے تھے۔

دفتری حکومت نے جو امانت خان کے سراسر خلاف تھی۔ اس عنایت و بخشش کو رعب و سیاست کا تباہ کر دینا بتایا اور پرچہ نویسوں کو اپنے ساتھ ملا کر شہنشاہ کو اس معافی مالیہ کی رپورٹ ایسے الفاظ میں بھجوائی جس سے یہ معلوم ہو کہ اس واقعہ سے تمام رعایا پر سے شہنشاہی رعب و داب بالکل اٹھ گیا ہے۔ لوگ حکومت کو کمزور سمجھکر ہر جگہ خود سر ہونے والے ہیں۔ بادشاہ کو جب رپورٹ پہنچی۔ اس نے دربار لاہور سے کیفیت طلب کی امانت خان نے خود سارا واقعہ لکھا۔ عمال کی سخت گیری عوام کی ناداری و بے بسی اور معافی مالیہ سے جو اہم ترین نتائج نکلنے والے تھے ان سب کی تفصیل لکھی۔ بادشاہ نے بہت تحسین فرمائی اور اس کی مصلحت اندیشی و خدا ترسی کی تعریف کی۔

انہی دنوں امانت خان کے نام دار الخلافہ سے حکم پہنچا۔ کہ فلاں شخص کو حاضر حضور کرو۔ امانت خان نے اس کو طلب کیا۔ اور بادشاہ کا حکم سنایا۔ وہ شخص بہت ڈرا (اور کہا کوئی قصور گناہ) اس نے کہا مجھے کچھ علم نہیں۔ وہاں سے حکم آیا ہے۔ اس کی تعمیل ضروری ہے (شائد اس میں کچھ تمہاری بہتری ہی کا سامان ہو) اس شخص نے کہا۔ اگر آپ میری جان اور آبرو کے کفیل ہوتے ہیں۔ تو میرا سفر آسانی سے کٹ جائے گا امانت خان نے کہا۔ میں ایسے شخص پر جس نے اپنے باپ اور بھائیوں کے ساتھ وہ سلوک کیا ہے۔ جو تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کس طرح اعتماد کر سکتا ہوں۔

اُس زمانہ میں مخبر اور خفیہ نویس صرف رعایا ہی کو تکالیف پہنچانے ان کی جھوٹی سچی رپورٹیں کر کے ان کو جیل خانہ میں بھجوانے کے لئے مقرر نہیں تھے۔ بلکہ بڑے بڑے حاکموں یہاں تک کہ صوبیداروں (گورنروں) کے پیچھے بھی خفیہ پولیس لگی رہتی تھی۔ اور ان کے ظلم و ستم ان کی نا انصافی اور ان کے ہر قسم کے خیالات و حالات کی اطلاع بادشاہ تک پہنچائی جاتی تھی۔

مخبروں نے ڈاک بہ ڈاک یہ خبر بادشاہ کو پہنچائی کہ امانت خان نے بادشاہ کے متعلق اس قسم کا خیال ظاہر کیا ہے۔ بادشاہ بھائیوں کے قید و قتل اور باپ کی نظر بندی کے الزام پر بھڑک اٹھتا تھا۔ اس نے طیش میں آ کر حکم دیا۔ کہ امانت خان نہ صرف منصب ہی سے بلکہ جاگیر سے بھی معزول کیا جائے۔ آدمی حکم لیکے چلا گیا۔ بعد میں جب غور کیا۔ تو خیال آیا۔ جو شخص حق بات کے کہنے میں میرا لحاظ بھی نہیں کرتا۔ اور صرف اپنے خدا ہی سے ڈرتا ہے اس سے بہتر آدمی اور کہاں ملیگا[۱] چنانچہ ڈاک بہ ڈاک رستے ہی سے معزولی کے احکام واپس منگوائے گئے۔ اور اس کے منصب و اعزاز میں اضافہ فرمایا۔

---

[۱] مآثر الامرا جلد دوم صفحہ ۱۴

دکن کا ایک انصاف پسند اور حق گو صوبیدار

امانت خاں نے صوبیداری دکن کے دنوں میں اورنگ آباد کو اپنا مستقر بنایا تھا۔ ایک مرتبہ شہنشاہ اورنگ زیب اورنگ آباد میں آیا۔ شہزادہ معزالدین ایک تیموری شہزادہ نے نیابت سے کارخانے کھول رکھے تھے۔ بادشاہ کی خدمت میں عرضی پیش کی کہ میرے کارخانے قلت مکانات کی وجہ سے شہر سے باہر ہیں۔ موسم برسات کا ہے۔ مکانات بوسیدہ اور خراب اور اسباب زیادہ اگر حکم ہو۔ تو حویلی ہائے سنجر بیگ متوفی ہیں کہ بالکل محفوظ ہیں اسباب رکھ دوں۔ بادشاہ نے امانت خاں کے نام حکم لکھ دیا۔ لیکن اس نے تعمیل نہ کی۔ شاہزادہ نے پھر عرضی دی۔ بادشاہ نے محمد علی خاں سامان کو (جسے نہایت قرب و اعتبار حاصل تھا) حکم دیا کہ امانت خاں سے کہکر وہ مکان شہزادہ کو دلوا دیا جائے۔ لیکن اس حق پرست وحق آگاہ نے پھر بھی مکان نہ دیا۔

ایک دن بادشاہ کی سواری جارہی تھی محمد علی خاں، شہزادہ معزالدین اور امانت خاں سب لوگ جلو میں تھے۔ محمد علی خاں نے بادشاہ سے کہا مرشد زادہ (شہزادہ) کو حویلی سنجر بیگ عطا فرمانے کے لئے حضور نے کئی احکام صادر فرمائے ہیں۔ مگر صوبیدار صاحب نے ابھی تک حویلی نہیں دی۔ بادشاہ نے امانت خاں سے سبب پوچھا اس نے بے محابا اور بیدھڑک جواب دیا حضور بغور فرمائیں۔ جب اس برق و باران کے موسم میں شہزادہ کو حسب خواہش مکان نہیں مل سکتا۔ تو سنجر بیگ کے وارثوں اور لواحقین کو جو اس وقت بے سر و سامان ہیں۔ کہاں سر چھپانے کو جگہ ملیگی۔ آج جو اور دل کو تکلیف دیتے ہیں کل انہیں بھی مصائب برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اگر بڑے بڑے آدمیوں اور شہزادوں نے اس طرح بے وسیلہ اور مصیبت زدہ لوگوں کے مکانات چھین لینے ہیں تو کم سے کم میری عملداری میں ایسا نہ ہو۔ اور اگر حضور کو پاس خاطر منظور رہے تو میرا استعفےٰ قبول فرمائیے اور یہ کام اس کو سپرد کیجئے۔ جس کا جگر لوہے اور دل پتھر کا ہے۔ بادشاہ نے امانت خاں کا یہ جواب سنکر سر نیچے کرلیا اور خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ دیا (ماثر الامرا جلد اول صفحہ ۲۶۶)

اعلےٰ حکام اور بادشاہوں اور کچہریوں کے سنگ دربان

نواب امانت خاں صوبیدار لاہور و اورنگ آباد کی وفات کے بعد اس کے بیٹے میر حسین کو نواب امانت خاں ثانی کا خطاب ملا۔ اس کا ایک واقعہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے۔ ایک مرتبہ عالمگیر نے دربار عام کیا۔ امانت خاں ثانی مع اپنے بیٹے کے گیا۔ چوبدار نے امانت خاں کو تو گذر جانے دیا۔ مگر اس کے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر روک رکھا۔ بادشاہ سامنے ہی تھا۔ اور دور سے دیکھ رہا تھا۔ خان مذکور نے فرط غضب سے ادب و حفظ پادشاہی کو بھی الگ رکھکر چوبدار کو وہ مارا کہ بے ہوش کردیا۔ اس کے بعد بیٹے کو لیکر بادشاہ کے پاس آیا۔

اور عرض کیا۔ یہ بے ننگ و بے غیرت لوگ اور تو اور خانہ زادگان شاہی کو بھی ہمیشہ تنگ کرتے رہتے ہیں (مطلب یہ کہ ملاقات یا اطلاع کرانے کی فیس جبراً لیتے ہیں) اور اپنی چوبداری کے مقابلہ میں کسی کے عہدہ و عزت کا کوئی پاس نہیں کرتے ما ایسے ادنٰے درجہ کے لوگوں سے بھی ہماری ناموس و حمیت محفوظ نہیں رہ سکتی۔ بادشاہ نے دلجمعی و تسلی کی باتوں سے اس کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ اور حکم دیا کہ اس فرقہ کی بھی نگرانی رکھی جائے۔ اور آج کے دن ان کا پہرہ چوکی موقوف ہوا[1]

ایک صوفی درویش کا جواب عالمگیر کو

اورنگ زیب کے زمانہ میں ایک صوفی اور درویش شیخ محب اللہ الہ آبادی کے نام سے گذرے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب تسویہ کے نام سے لکھی جس میں علاوہ اور امور کے جبرئیل و وحی کی حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے "جبرئیل محمد در ذات محمد بود صلی اللہ علیہ وسلم و ہم چنیں جبرائیل باہر پیغمبرے در ذات وے بود و آن قوت باطنی ایشان بود کہ در غلبہ آن قوت وحی بر ایشان نازل مے گردید ولہذا جبرئیل باہر پیغمبرے بزبان وے سخن گفتہ" جب یہ رسالہ شاہ اورنگ زیب کی نظر پڑا۔ تو انکار عظیم کیا۔ شیخ اس زمانہ میں رحلت کر گئے تھے۔ لیکن ان کے نامور مریدوں میں سے دو شخص پایہ تخت میں موجود تھے۔ ایک میر سید محمد جو ملازم شاہی اور امرا دربار میں سے تھے۔ دوسرے شیخ محمدی جو لباس درویشی و زہد میں تھے۔ اول بادشاہ نے میر سید محمد سے تسویہ کی اس عبارت کی شرح دریافت کی۔ سید نے شیخ کی مریدی سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں بادشاہ نے شیخ محمدی کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تمہیں شیخ کی مریدی کا اقرار ہے تو احکام شرع شریف سے اس رسالہ کے مقدمات کو مطابق کر کے بتاؤ۔ اور اگر مطابق نہیں کر سکتے۔ تو اس کی مریدی سے استغفار کرو۔ اور کتاب کو آگ میں ڈال دو۔ شیخ محمدی نے جواب دیا۔ مجھے نہ ان کی مریدی سے انکار ہے نہ استغفار کی ضرورت۔ لیکن جس مقام سے کہ شیخ نے گفتگو کی ہے مجھے وہاں تک رسائی حاصل نہیں ہے جس وقت میں اس رتبہ کو پہنچ جاؤنگا۔ تو آپ کی درخواست کے موجب اس کی شرح لکھ بھیجوں گا۔ اور اگر بادشاہ نے اس کا جلانا ٹھان لیا ہے۔ تو اس فقیر متوکل کے گھر سے کہیں زیادہ شاہی مطبخ میں آگ موجود ہے۔ حکم دیا جائے کہ یہ رسالہ اور جس قدر اس کی نقلیں دستیاب ہوں آگ میں جھونک دی جائیں۔ بادشاہ اس جواب کو سنکر ساکت رہ گیا[2]

---

[1] صاحب مآثر الامرا جو خود بھی امیر الامرا ہیں اس فرقہ کی نسبت لکھتے ہیں "این طائفہ از خدمت دیگر زندگی ناطبۂ تا ایت چوب ولائق دار است" شیخ سعدی بھی لکھتے ہیں۔

در میر و وزیر و سلطان را	بے وسیلت مگرد پیرامن
سگ و دربان چو یافتند غریب	آن گریبان گرفت و آن دامن

[2] از مآثر الکرام مصنفہ مولانا آزاد بلگرامی مرحوم صفحہ ۱۵۔

اس واقعہ سے معلوم ہوگا کہ بعض باخدا لوگ ایسے بھی موجود تھے کہ وہ اورنگ زیب جیسے جلیل القدر شہنشاہ کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔

فصل چہارم

از شاہ عالم بہادر شاہ اوّل تا اختتام سلطنت مغلیہ

بیگناہوں کا فتوے قتل صادر کرنے سے انکار

عالمگیر نے اپنے بیٹے شہزادہ کام بخش کو صوبہ بیجاپور کی حکومت اپنی زندگی ہی میں دیدی تھی۔ شاہ عالم (بہادر شاہ) نے باپ (عالمگیر) کے بعد حیدرآباد کے صوبہ کا اس پر اضافہ کردیا اور مفتی حافظ احمد کے ہاتھ خلعت ہائے خاصہ و جواہر گرانبہا وغیرہ بھائی کے پاس بھیجے۔ ناعاقبت اندیش مشیروں نے کام بخش کو شاہی ایلچی کے متعلق کہا کہ یہ ارادہ فاسد سے آئے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ حضور کے دشمنوں پر کوئی آنچ نہ آئے۔ شاہزادہ نے حکم دیا کہ ایلچی کے ہمراہ جس قدر آدمی ہیں۔ ان سب کی اسم نویسی کی جائے۔ تاکہ ہماری سرکار سے سب کے نام حسب حیثیت یومیہ نقد و خوراکی مقرر ہوجائے۔ ایلچی کے پاس اکثر لوگ آتے رہتے تھے۔ ان میں کئی عالم و حافظ قرآن اور بے بضاعت تھے ان سب نے اپنے نام ہمرہان ایلچی میں لکھوا دیئے۔ حکم ہوا کہ ان سب کی آج ہمارے ہاں دعوت ہے۔ ان اجل گرفتوں کی تعداد اسی تھی۔ دس دس کی تعداد میں یہ لوگ اندر بلوائے گئے۔ اور ان کو تیغ بے دریغ سے لقمۂ اجل بنایا گیا۔

ان اجل گرفتوں میں دو حقیقی بھائی بھی تھے۔ ان کی والدہ مامتا کی ماری دوڑی آئی۔ واویلا و فریاد سے آسمان سر پر اٹھالیا۔ اور کہا یہ ایلچی کے ہمراہیوں سے نہیں ہیں۔ صرف تنگدستی کی وجہ سے اس مصیبت میں پھنس گئے ہیں۔ شاہزادہ نے یہ سوچکر کہ اس ظلم و ستم کا عام چرچا ہوجائے ملا سدرالدین منیج جہ۔ یاد رہے کہ دکن کے فاضلان متدین میں سے تھا۔ ان دونوں بھائیوں

کے قتل کا فتوے طلب کیا ۔ مفتی نے جواب میں شاہزادہ سے کہا ۔ آخر ان کا گناہ کیا ہے ؟ شاہزادہ نے کہا ۔ یہ بادشاہی ایلچی کے ساتھ ملکر مجھے ہلاک کرنا چاہتے تھے ۔ مفتی نے کہا سخن ساز لوگوں کے کہنے سننے سے محض سوئے ظن سے کام لینا شریعت کے خلاف ہے ۔ تاپ نے بیگناہ مسلمانوں کی خونریزی کی ۔ وہ قیامت کے دن جوابدہی اور ندامت کا باعث تو ہوگی ہی ۔ لیکن اس ظلم و خونریزی کا نتیجہ یہاں بھی اپنا اثر دکھائے بغیر نہ رہے گا " خون بیگناہان " کی تاب نہ لاکر حیدرآباد کے اکثر فضلا و شرفا مع اہل و عیال صد ہا ان کے سینگ سمائے ہیں چلے گئے ہیں ۔ جب یہ لوگ باہر جائیں گے تو آپ کی ضعف سلطنت کا باعث ہوں گے ؂

چنانچہ جب اپنے ایلچی کے محبوس ہونے اور بیگناہ مسلمانوں کے مارے جانے کی خبر شاہ عالم کو پہنچیں اور شاہی خریطہ کا جواب ناصواب بھی اس کو مل گیا ۔ تو باوجود شدت بارش بادشاہ نے کوچ کر دیا ۔ حیدرآباد کے متصل ایک عظیم جنگ ہوئی جسمیں شاہزادہ کام بخش اور اس کے دونوں بیٹے مارے گئے ۔

نظر بندی قبول کی مگر ضمیر فروشی نہیں کی !

بہادر شاہ ؂ کے زمانہ (۱۱۲۱ھ) اور اس کے چوتھے سال جلوس کا ذکر ہے کہ کسی مذہبی معاملہ پر فضلائے لاہور نے شورش کی ۔ بادشاہ نے ان کو بلا بھیجا ۔ حاجی یار محمد اور محمد مراد تین چار مشہور فاضلوں کے ساتھ بادشاہ کے پاس گئے ۔ بادشاہ نے رعب دکھا کر آنکھیں غصہ سے لال پیلی کر کے ایک سوال کیا ۔ دربار کو توقع تھی ۔ کہ علمائے لاہور اپنے دعوے سے دست بردار ہو کر عفو تقصیرات کے خواہشمند ہوں گے ۔ لیکن حاجی یار محمد نے بادشاہ کے قول کا ایسا رد کیا کہ اس کا کوئی جواب نہ ہو سکا ۔ بادشاہ نے برآشفتہ ہو کر فرمایا ۔ تو بادشاہوں کے غضب سے نہیں ڈرتا ۔ حاجی یار محمد نے جواب دیا ۔ مجھے اپنے خدا سے ہمیشہ چار چیزوں کی خواہش رہی ۔ اول تحصیل علم دوم حفظ کلام اللہ سوم حج ۔ چہارم شہادت ۔ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے تین نعمتیں عطا کیں اب آرزوئے شہادت باقی ہے ۔ بادشاہ کی توجہ سے ممکن ہے ۔ اس میں بھی کامیاب ہو جاؤں ۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ حاجی یار محمد کا یہ استقلال اور حوصلہ دیکھکر قریباً ایک لاکھ آدمی اس کے ساتھ متفق ہو گئے ۔ واقعہ یہ تھا کہ بہادر شاہ بعض شیعہ علماء کے ایما سے خطبہ میں کچھ الفاظ بڑھانا چاہتا تھا ۔ اور علمائے

؂ حدیقۃ العالم (فارسی) مقالہ دوم صفحہ ۱۲ تا ۱۵ ۔

؂ اپنے باپ عالمگیر کے بعد دو بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگ کر ۱۱۱۸ھ میں تخت پر بیٹھا اور ۱۹ محرم ۱۱۲۴ھ کو انتقال کر گیا ۔ مدفن لاہور

اہل سنت اس سے انکار کرتے تھے۔ آخر بادشاہ کو ہار ماننی پڑی اور خطبہ وہی رہا۔ جو عالمگیر کے زمانہ میں پڑھا جاتا تھا۔ بادشاہ نے دل میں کدورت رکھی اور آخر کسی بہانے سے حاجی یار محمد اور اس کے دو اور ہمراہیوں کو قلعہ میں نظر بند کر دیا لیکن ان تکلیفوں اور نظر بندیوں پر بھی انہوں نے ضمیر فروشی سے کام نہ لیا۔

حقیقی مشیر کی صاف گوئی نے فتنہ و فساد کو دور کروا دیا

تاریخ ارادت خانی[1] کے حوالہ سے "زوال سلطنت تیموریہ" میں لکھا ہے۔ اعظم شاہ اور اس کے بیٹے بیدار بخت میں بگاڑ تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ عالمگیر اعظم شاہ کی نسبت اپنے پوتے سے زیادہ محبت کرتا تھا جب اعظم شاہ نے بھائی سے باغی ہو کر ۱۰ ذی الحجہ ۱۱۱۸ھ کو تخت پر جلوس فرمایا۔ تو ہر چند بیٹے نے خوشی منائی۔ مگر باپ کو تخت سے اتارنے کی تاک میں ہر وقت رہتا تھا اور باپ بھی بیٹے سے غافل نہ تھا۔ ارادت خان سے ایک دن شہزادہ بیدار بخت نے پوچھا۔ اگر باپ بادشاہ ہو۔ اور وہ اپنے بیٹے کی جان لینی چاہے۔ اور بیٹے کو باپ کے اس ارادے کا علم ہو گیا ہو۔ تب بیٹے کو اپنی حفاظت کیلئے کیا کرنا چاہئے۔ بیدار بخت کا منشا یہ تھا کہ ارادت خان میری طرفداری کرے۔ مگر اس نے ایسا استادانہ جواب دیا۔ کہ بیدار بخت نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ ارادت خان نے کہا ہمیں تردد کی کیا ضرورت ہے آپ کے دادا عالمگیر کا طریقہ اپنے باپ (شاہجہان) کے ساتھ کافی مثال ہے۔

یہ حرکت قابل فخر نہیں بلکہ قابل افسوس ہے

جب اعظم شاہ اپنے بھائی اور بادشاہ شاہ عالم بہادر شاہ سے مقابلہ کر رہا تھا۔ تو اس کا بیٹا بیدار بخت بھی اس کے ساتھ تھا۔ ارادت خان لکھتا ہے۔ بیدار بخت کے چند سپاہیوں نے بادشاہی لشکر کے کسی عیش خیمہ کو لوٹ لیا۔ جب بیدار بخت کو خبر ہوئی۔ تو اس نے مجھے کہا میرے باپ کو مناسب اور موزوں الفاظ میں اس بہادری اور فتح کی اطلاع دو۔ میں نے انکار کیا اور کہا یہ بھی کوئی فتح ہے جس کی اطلاع دے کے اپنی ہنسی کراؤں۔ شاہزادہ مجھ پر خفا ہوا۔ اور کہنے لگا کیا تم اس کو معمولی بات سمجھتے ہو۔ میں نے کہا۔ سپاہیوں کے ڈیروں خیموں کے لٹ جانے کے اکثر اتفاق ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ڈیروں اور خیموں کو نوشاحین کے نگہبان شاگرد پیشہ لوگ ہوتے ہیں۔ بہادری میں داخل نہیں ہے بلکہ مجھے ان لوگوں پر افسوس ہے جنہوں نے یہ حرکت کی ہے۔

---

[1] ارادت خان شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد میں دوآب کا حاکم تھا۔ فرخ سیر کے زمانہ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا نام مبارک اللہ ارادت خان اور تخلص واضح تھا۔ وہ صاحب دیوان تھا ۲۶ برس کی عمر میں ۱۱۲۶ھ تک اس نے بہادر شاہ اس کے بھائیوں اور جہاندار شاہ اور فرخ سیر کے چشم دید حالات و واقعات لکھے ہیں۔

بادشاہ کا اپنی معشوقہ زن بازاری کے رشتہ داروں ڈوموں اور میراسیوں کو جاگیریں اور منصب دینا اور وزیر کا فرمان لکھنے سے انکار

بہادر شاہ کے بعد اس کا بیٹا معز الدین جہاں شاہ جہاندار شاہ کا لقب اختیار کر کے تخت دہلی پر بیٹھا۔ اس کی حکومت تو صرف دس مہینے ہی رہی مگر اس کے عہد ناپائدار میں فسق و فجور کی بنیاد خوب مستحکم ہوگئی۔ قوال کلاونت اور ڈوم۔ ندیم و مصاحب بنے۔ لال کنور ایک بازاری عورت کو محلات میں ڈالکر ممتاز محل کا خطاب دیا۔ اس کے بھائی خوشحال خان کو اکبر آباد کی صوبہ داری اور منصب پنجہزاری سہ ہزار سوار عنایت کیا۔ اسیطرح لال کنور کے اور کئی رشتہ داروں کو منصب، اور جاگیریں دی ہیں۔ آصف الدولہ اسد خان کا بیٹا ذوالفقار خان وزارت کے عہدہ پر تھا۔ اس نے ان ڈوموں اور کلاونتوں کے اسناد اور فرمان لکھنے میں عمداً توقف کیا۔ لال کنور کو خبر ہوئی اس نے بادشاہ سے شکایت کی۔ جہاندار شاہ نے وزیر سے سبب پوچھا وزیر نے کہا ہم خانہ زاد رشوت ستان ہیں، جب تک رشوت نہ ملے۔ ہم کام نہیں کرتے۔ بادشاہ نے مسکرا کر کہا۔ لال کنور سے کیا رشوت لوگے۔ وزیر نے عرض کیا۔ ہزار طنبورے جن پر استادوں نے نقاشی کا کام کیا ہو۔ بادشاہ نے کہا طنبورے کیا کروگے؟ ذوالفقار خان نے کہا جب قوال صوبہ داری کا کام کریں کلاونت منصب دار کہلائیں۔ اور ڈوم جاگیریں حاصل کریں۔ تو ہم خانہ زاد بیکار بیٹھے کیا کریں گے۔ بادشاہ یہ سنکر ہنس پڑا۔ اور اپنا حکم عطائے جاگیرات وغیرہ کا منسوخ کر دیا (تاریخ ہندوستان مولوی ذکاء اللہ جلد نہم صفحہ ۹۰)

زمانہ فرخ سیر کا ایک حق گو واعظ

فرخ سیر بادشاہ دہلی کے تیسرے سال جلوس سنہ ۱۱۲۵ھ ۱۷۱۳ء میں ملتان سے ایک واعظ شیخ عبد اللہ نام دار الخلافہ میں آیا۔ خواجہ محمد جعفر خان دوران خان بخشی کا بھائی تھا شیخ عبد اللہ اس سے ایکدن ملنے گیا۔ دیکھا کہ لوگ سلام کی بجائے آداب زمین بوس بجا لاتے ہیں شیخ نے خواجہ کو نصیحتیں کیں اور کہا سجدہ سوائے معبود برحق کے کسی کو سزاوار نہیں ہے۔ اور سرود کا سننا بھی (قوال خواجہ کے ہاں گا رہے تھے) شریعت کے خلاف ہے۔ خواجہ نے اپنی امارت و ریاست کے زعم میں دونوں باتوں کی پرواہ نہ کی۔ بات بڑھ گئی۔ ادھر ادھر سے سوال جواب ہوتے رہے یہانتک کہ جنگ فساد بھی ہوگیا اور ایک آدمی بھی مارا گیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ اس نے دونوں کو شہر سے باہر نکلوا دیا۔

سلہ ۲۴ رجب سنہ ۱۰۹۵ھ کو شہزادہ عظیم الشان بن بہادر شاہ کے ہاں پیدا ہوا۔ عالمگیر کا پڑپوتا تھا جہاندار شاہ (حکومت مدت دس ماہ) کے بعد سنہ ۱۱۲۳ھ میں تخت پر بیٹھا اپنے اکل چار ماہ تخت نشینی کے بعد سنہ ۱۱۳۱ھ میں ... آنکھوں میں سلائی پھیر کر اور اندھا کر کے قید خانہ میں ڈالدیا کچھ عرصہ کے بعد قتل کر دیا گیا سلہ تاریخ ہندوستان جلد نہم مولوی ذکاء اللہ مرحوم صفحہ ۱۳۰۔

فرخ سیر کو آزادانہ اور خیر خواہانہ مشورہ

آصف الدولہ اسد خان شاہجہان اور عالمگیر کا عہد دیکھے ہوئے تھا وزارت اور عمدہ خدمات پر ممتاز رہا تھا سنہ ۱۱۲۹ھ میں جبکہ فرخ سیر کا عہد حکومت تھا اس کی عمر ۹۰ سال کی تھی۔ کوئی امیر اس آخر زمانہ میں اس کے برابر نہ تھا جب اس کے مرض نے طول کھینچا۔ تو فرخ سیر نے عیادت کیلئے اپنا ایک محرم خاص اس کے پاس بھیجا اور یہ پیغام بھی دیا۔ کہ افسوس ہم نے آپ کی قدر نہ جانی۔ آپ کے خاندان کے ساتھ بھی سلطنت نے اچھا سلوک کیا۔ اب سوائے ندامت کے اس ذکر سے کیا فائدہ ہے اب میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ سادات (حسین علی خان اور عبد اللہ خان بادشاہ گر) کے ساتھ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ آصف الدولہ نے جواب میں کہلا بھیجا۔ آپ نے اپنے اب وجد کے رویہ کے خلاف جو عظیم غلطی کی ہے۔ وہ قابل افسوس ضرور ہے۔ لیکن بجز حکم خدا عمل میں نہیں آئی۔ میرے خیال میں ایسا آرہا ہے۔ کہ جس طرح ہمارے خاندان سے وزارت نکل گئی ہے۔ اسی طرح خاندان تیموریہ سے سلطنت بھی نکل جائے گی۔ لیکن فی الحال ملک کا اختیار جو سادات بارہ کو دیا ہے صلاح دولت اس میں ہے کہ تا مقدور انہیں کے ساتھ سلوک کریں۔ ورنہ روز بروز مادۂ فساد وعناد زیادہ ہوگا۔ اور سر رشتہ اختیار ہاتھ سے جاتا رہیگا۔

اکل حلال کے مقابلہ میں بادشاہی وظیفہ لینے سے انکار

مولانا شیخ کلیم اللہ جہان آبادی عالم باعمل اور ولی کامل تھے تالیف تفسیر اور تعلیم حدیث کے سوا آپ کا اور کوئی شغل نہ تھا۔ امراؤ سلاطین کے پاس نہ کبھی گئے۔ نہ جانے کی خواہش کی۔ بلکہ خود امراؤ رؤسا ملنے کو آتے تھے۔ اور آپ ان کی ملاقات سے پرہیز کرتے تھے۔ فرخ سیر نے آپ کے علم وفضل کا حال سنکر آپ کا وظیفہ مقرر کرنا چاہا۔ مگر آپ نے انکار کردیا۔ اور صرف چار روپیہ ماہوار پر جو آپ کے مکان کا کرایہ آتا تھا۔ گذر اوقات کرتے رہے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ بعہد محمد شاہ بادشاہ سنہ ۱۱۴۳ھ میں دہلی میں انتقال فرمایا۔

سلہ آصف الدولہ اور اس کا بیٹا ذوالفقار خان جو جہاندار شاہ کا وزیر تھا۔ فرخ سیر کے خلاف تھے۔ جب فرخ سیر بادشاہ ہوا۔ تو باپ بیٹا عفو تقصیر کیلئے میر جملہ کی معرفت بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے آصف الدولہ کو تو رخصت کردیا اور ذوالفقار خان کو رخصت نکیا اور کہا۔ اس سے ابھی کام ہے۔ آصف الدولہ سمجھ گیا کہ بیٹے کی خیر نہیں روتا پیٹتا باہر آگیا۔ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ بیٹا قتل ہوگیا۔ باپ نے کہ اصل نام ابراہیم اسد خان ... تھا بیٹے کی تاریخ لکھی ؎

ہاتف شام غریباں باد چشم خوں فشاں

گفت ابراہیم اسمٰعیل را قربان نمود

سلہ مزارات اولیائے دہلی حصہ دوم صفحہ ۲۷۔

روشن الدولہ رکن اعظم دربار مغلیہ کو ایک معلم کی فہمائش

سلطان فرخ سیر کے عہد میں مولانا محمد لطیف بدایونی دہلی کے شاہی مدرسہ میں درس و تدریس پر مامور تھے۔ آپ کا آوازۂ علم و فضل ہندوستان سے لیکر بخارا و تاتار تک پھیلا ہوا تھا۔ مولانا شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے مرید تھے۔ اتباع شریعت و پیروی سنت میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ روشن الدولہ ظفر خان جو سلطنت کا رکن اعظم تہا آپ کے حلقہ درس میں داخل ہوا۔ اور حدیث شریف کا سبق شروع کیا۔ ایک دن اتفاق سے دہلی کے کوئی معزز شخص ظفر خان کی ملاقات کو حلقہ درس میں آ گئے۔ ظفر خان نے سبق کی حالت میں اس شخص کو اٹھکر تعظیم دی۔ آپ کو یہ فعل سخت ناگوار و ناپسند ہوا۔ اسی وقت مجلس برخاست فرمائی۔ اور ظفر خان سے ارشاد کیا۔ کہ آیندہ ہرگز میرے سامنے سبق کو نہ آنا۔ اس لئے کہ تو نے حدیث نبوی پر اہل دنیا کی تعظیم کو مقدم سمجھا[1]

غور کرو۔ مولانا ایک مدرس ہیں۔ اور ظفر خان سلطنت کا ایک رکن اعظم ہے مگر آپ نے حق و صداقت کے اظہار میں اس کی رکنیت کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اسلام نے جس حریت و آزادی اور جس دلیری و جرات کی تعلیم اظہار حق کے لئے دی ہے اس کا پورا اتباع کیا ہے۔ کوئی بھی زبردست طاقت آپ کو اس کے اظہار سے نہیں روک سکی۔ یہ باتیں ہیں جو آج ہم سے مفقود ہو رہی ہیں اور جن کے نہ ہونے سے ہم ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

مولانا ۹ جمادی الآخر سنہ ۱۰۹۰ھ کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ اور بمقام دہلی ۲۱ ربیع الاول سنہ ۱۱۴۰ھ کو وفات پا گئے۔ قیام مدرسہ رفت۔ تاریخ وفات ہے۔ پائین مزار حضرت محبوب الہیؒ دفن کئے گئے۔

حضرت شاہ کلیم اللہؒ فرمایا کرتے تھے: "مریدان را فخر بر پیر خود باشد و من برایں مرید مے نازم"

ایک باحمیت مفتی کا جلال نواب زادہ کے داڑہی کترانے پر

نواب علی محمد خان حاکم روہیل کھنڈ[2] کے صاحبزادہ نواب سعد اللہ خان نے ایک دن حجامت بنوانا شروع کی۔ مولانا مفتی عبد الغنی جن کی درسگاہ سے شاہان مغلیہ۔ نوابان اودہ اور امرایان روہیل کھنڈ تک بعض اوقات ضروری فتاوے طلب کرتے تھے

---

[1] اکمل التاریخ حصہ دوم صفحہ ۴۹ مطبوعہ مطبع قادری بدایوں۔

[2] داؤد خان نام ایک روہیلہ پٹہان کوہستان ہزارہ سے آکر علاقہ کھیڑ (مراد آباد) کے ایک زمیندار کے پاس نوکر ہو گیا۔ یہ زمانہ عالمگیر کی اواخر سلطنت کا تہا۔ داؤد خان نے اپنے مالک کی طرف سے ایک دو زمینداروں کے ساتہ لڑائیاں کر کے خوب نام پیدا کیا۔ موضع بانکولی کی تاخت و تاراج میں ایک خوردسال صاحب اقبال بچہ ایک کھیت میں اس کو نظر پڑا۔ چونکہ لاولد تہا۔ پدرانہ شفقت کے ساتہ اس کو پالا اور نام اس کا علی محمد خان رکہا۔ یہی علی محمد خان بعد میں تمام علاقہ روہیل کھنڈ کا مالک و حاکم کہلایا۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی سے بہی لڑا۔ مگر آخر دربار شاہی سے معافی مل گئی۔ علماء و مشائخ کی بڑی قدر کرتا تہا اور ریاست و حکومت پہ اتباع شریعت کرتا تہا۔ ۱۱۶۱ھ میں وفات پا گیا (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۲ پر دیکہو)

اتفاق سے پاس ہی بیٹھے تھے اور بمقام آنولہ (ضلع رائے بریلی) جو ان دنوں حکومت روہیلہ کا دارالخلافہ تھا۔ ولائے روہیل کھنڈ کے ہاں فروکش تھے۔ نواب زادہ نے حلق راس سے فارغ ہونے کے بعد حجام کو داڑھی کترنے کا حکم دیا۔ اور اپنی حکومت و ریاست کے گھمنڈ میں مولانا کا مطلق پاس نہ کیا۔ حجام نے نواب زادہ کی ڈاڑھی کترنے کو ہاتھ بڑھایا ہی تھا۔ کہ مفتی صاحب کو ہتک شریعت پر کمال غصہ آیا۔ اور آپ نے ایک طمانچہ حجام کے مارا جس کا اثر نواب زادہ کے چہرہ تک پہنچا۔ نواب زادہ کو غصہ تو بہت آیا۔ مگر کچھ ہیبت حق اور کچھ اس لحاظ سے کہ وہ میرے باپ کے جلیل القدر مہمان ہیں خاموش ہو گیا جب نواب علی محمد خان کا انتقال ہو گیا۔ اور نواب سعد اللہ خان کا دور دورہ ہوا۔ تو اس نے مولانا سے بدلہ لینے کے لئے ان پر ایک قتل کا اتہام لگایا اور ان کو بدایوں سے آنولہ طلب کیا۔ مفتی صاحب نے کہا۔ بلا دعویٰ و حضوری فریقین و گواہان محض آپ کا کہنا خواہ آپ حاکم وقت ہی ہیں کیا اصل رکھتا ہے۔ البتہ اگر قضاۃ اور مفتیان اسلام حکم شرعی فرمائیں۔ تو مجھے بدل و جان منظور ہے۔ نواب کو اس صاف گوئی پر بہت طیش آیا اور کچھ کہنا ہی چاہتا تھا۔ کہ دفعۃً فالج گرا۔ امرا وزرا اور متعلقین نے مولانا کے قدم پکڑ لئے کہ نواب کو آپ کی اور شریعت کی بے ادبی کی پوری سزا مل گئی اب للہ دعا فرمایئے۔ اکمل التاریخ جلد دوم صفحہ ۳۶ پر لکھا ہے کہ آپ کی دعا سے مرض بالکل زائل ہو گیا۔ اور اسی وقت سے حافظ الملک حافظ رحمت خان روہیلہ وغیرہ تمام امرائے روہیلہ آپ کا احترام کرنے لگے۔ (اخبار الصنادید تاریخ ریاست رامپور)

آج کتنے پیر۔ کتنے سجادہ نشین کتنے مولوی و مفتی اور کتنے عالم و امام ہیں جو شریعت اسلام کی علانیہ ہتک دیکھتے ہیں۔ اور اپنے مریدوں عقیدتمندوں اور زیر اثر لوگوں کو اس سے منع کرنے کی جرأت اور طاقت رکھتے ہیں ہاں ہمیں اس موقع پر حضرت مولوی حافظ سید جماعت علیشاہ صاحب قبلہ علی پوری کا ایک واقعہ یاد آگیا ہے جو ۱۹۲۰ء کے بہت سے اخبارات میں بھی چھپ چکا ہے۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ انجمن اسلامیہ کے جلسہ میں یا کسی اور تقریب پر لائل پور تشریف رکھتے تھے۔ اس علاقہ میں ایک بہت بڑا زمیندار آپ کا مرید و عقیدتمند تھا۔ اس نے خواہش ظاہر کی بلکہ بیجا اصرار کیا کہ میرے غریب خانہ پر چلئے اور دعوت قبول فرمایئے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے انکار فرمایا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۱) ؎ آپ بارہویں صدی ہجری کے نہایت برگزیدہ بزرگوں میں ہیں حضرت بحر العلوم مولانا محمد علی مرحوم کے تربیت یافتہ ہیں۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۰۹ھ کو وفات پائی۔ مزار بدایوں میں ہے۔ روضہ صفا (از شیخ اکرام اللہ محشر بدایونی) تذکرۃ الواصلین (از خان بہادر مولوی رضی الدین وکیل) اور اکمل التاریخ (از مولوی محمد یعقوب ضیار قادری بدایونی) میں آپ کے مفصل حالات درج ہیں۔

صاف کہدیا کہ تم نے اپنے لڑکے کے بیاہ پر خلاف شریعت اسلام ایسی حرکات کی ہیں (آتشبازی، ناچ مجرا اور فضول رسومات کی بجاآوری) کہ ہم تم سے علانیہ ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں جب اس شخص نے توبہ کی اور آیندہ ایسی لغویات سے محترز رہنے کا حتمی وعدہ کیا۔ تو آپ اس کے گھر تشریف لیگئے۔

ملک کی خرابی اور خودغرض اراکین سلطنت کی غفلت پر نظام الملک کی دلسوزی بادشاہ کے روبرو

محمد شاہ[۵] بادشاہ دہلی کے زمانہ میں ہندوستان میں طوائف الملوکی کا زور رہتا سلطنت کی جڑ اکھڑ چکی تھی۔ ملک میں بدامنی، شورش اور بے انصافی کا چرچا تھا۔ بادشاہ رات دن مئے و معشوق میں محو تہا۔ خودغرض اراکین بھی بادشاہ کی غفلت و سرشاری ہی کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے۔ نظام الملک[۶] آصف جاہ اول جس نے بعد میں حیدر آباد دکن میں اپنی الگ مستقل سلطنت قائم کرلی۔ یہ حال دیکھتا تہا۔ لیکن خودغرض اراکین کی کثرت اور بادشاہ کی کم فہمی کی وجہ سے بادشاہ کو کچھ کہہ نہ سکتا تہا۔ آخر ایک دن جی کڑا کرکے بادشاہ سے کہا۔ ملک کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ اجارہ دار رعایا پر شدید ظلم کر رہے ہیں۔ اجارہ داری کا دستور جو ملک کی خرابی و ویرانی کا باعث ہے برطرف ہونا چاہیئے اور رشوت جس کو پیشکش کی آڑ میں دل پسند بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور جو بادشاہوں کے داب سے بعید اور رائے سلیم کے خلاف ہے موقوف ہونی چاہیئے۔ ایسی ہی چند اور باتیں کہیں۔ بادشاہ نے اور امرا سے مشورہ کیا۔ وہ کب چاہتے تھے کہ پیشکش اور اجارہ داری محالات موقوف ہو۔ کیونکہ یہ مدین آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ تھیں۔ امرا نے بادشاہ کو نظام الملک کے خلاف ایسی پٹی پڑھائی کہ بادشاہ بدگمان ہوگیا۔ اور نظام الملک عاقبت اندیشی اور اپنی آبرو کے لحاظ سے آخر ربیع الاول [۶] سنہ جلوس محمد شاہی کو دکن کی طرف چلا گیا۔

---

[۵] ۱۵ ذیقعدہ ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوا۔ خجستہ اختر جہاں شاہ بن شاہ عالم بہادر شاہ کا بیٹا اور عالمگیر کا پڑپوتا تہا قلعہ سلیم گڑھ (دہلی) میں مقید تہا ۱۸ برس تک میں پرورش پائی رفیع الدولہ کے انتقال کے بعد سید عبداللہ خان اور سید حسین علی خان نے قید سے نکالکر تخت پر بٹھایا نادر شاہ کی لوٹ اسی کے زمانہ میں ہوئی سلطنت مغلیہ اس کے زمانہ ہی میں کمزور ہوگئی تہی مگر اس کے بعد رہی سہی کمر بھی ٹوٹ گئی۔ مرہٹے اور سکھ عروج حاصل کر رہے تہے اور گھر میں سازشیں اور خانہ جنگیاں تہیں آخر ۲۶ ربیع الثانی ۱۱۶۲ھ مطابق اپریل ۱۷۴۸ء میں انتقال کرگیا [۶] کئی دفعہ دکن کی صوبیداری پر مامور رہے اور کئی دفعہ بلائے گئے۔ قلمدان وزارت بھی ان کے سپرد رہا عجیب دل و دماغ کا شخص تہا۔ امرائے تیموری و تورانی اور خود بادشاہ مشکلات کے وقت اسی کو یاد کرتے تہے یہی نظام الملک حیدر آباد دکن دسلطنت آصفیہ کے بانی ہیں موجودہ نظام دکن اعلیحضرت میر عثمان علی خان انہی کی اولاد سے ہیں۔ نظام الملک کی سوانحعمری انشاءاللہ الگ لکھی جائے گی۔

ذلت آمیز عہد نامہ پر بادشاہ سے علیحدگی

محمد شاہ خود تو بندۂ عیش ہی تہا۔ اور اسی کی نالائقیوں نے ہندوستانیوں کی اسلامی سلطنت کو انتہائی ضعف پہنچایا۔ مگر اس کے امرا و وزرا بھی خود غرضیوں چالبازیوں اور مکر و فریب کا ایک بدترین نمونہ تھے۔ دیکھتے تھے۔ کہ مرکز سلطنت سے باہر طوائف الملوکی کا دورہ ہے۔ ہر صوبہ خود سر ہونے کی کوشش میں ہے مگر ان صوبیداروں پر حملہ اس لئے نہیں کرتے تھے۔ کہ اگر بادشاہ سے جدا ہو گئے۔ تو بادشاہ کسی اور کے اثر میں آجائے گا۔ اور پھر ہمارے خطابات و مناصب قائم نہ رہ سکیں گے۔ چنانچہ ۱۷۳۵ء میں جب بادشاہ اور اس کے خود غرض امرا کی غفلتوں کی بدولت مرہٹہ سپہ لار دہلی تک آگیا۔ اور بادشاہ محل میں جاچھپا تو امیر الامرا خان دوران اور نواب قمر الدین وزیر نے صرف اپنے اعزاز و منصب کی خیر منانے کے لئے انتہا درجہ کی ذلت قبول کر کے صوبجات دہلی و آگرہ کی آمدنی کا چوتھا حصہ مرہٹوں کو دینا قبول کیا۔

سعادت خان صوبہ دار اودھ جو بہترین تربیت یافتہ لشکر رکھتا تہا۔ شہنشاہی گورنمنٹ کی اس بزدلی اور بے شرمی سے سخت برافروختہ ہو کر محمد شاہ سے اجازت لئے بغیر اودھ چلا گیا (کتاب ہندوستان پر حملے صفحہ ۱۳۶)

شاہان اودھ اسی سعادت خان کی اولاد سے تہے جن کے قبضہ اقتدار میں اودھ کی سلطنت ۱۸۵۶ء تک رہی ہے جنوری ۱۷۳۹ء میں جب نادر شاہ نے ایران سے آکر محمد شاہ پر فتح پائی ہے۔ تو اس نے بھی شہنشاہ ہند کو اس کمزوری پر ملامت کی جو مرہٹوں کے مقابلہ میں اس سے ظہور میں آئی تھی۔ اور جس کی وجہ سے ادائیگی چوتھ کا اس نے اقرار کیا تہا۔ بلکہ بقول فریزر صاحب نادر شاہ جب حملہ ہند کے لئے کابل میں پہنچا۔ تو اس نے وہاں سے محمد شاہ کو ایک خط میں لکھا۔ کہ میرا کابل آنا اور اس صوبہ پر قبضہ کر لینا محض حمیت اسلامی اور آپ کی دوستی پر مبنی ہے۔ میرے ذہن میں بھی کبھی یہ بات نہ آئی تھی۔ کہ دکن کے مرہٹے دہلی کے شہنشاہ پر ٹیکس لگائیں گے۔ یہ چٹھی آغاز ماہ جمادی الثانی ۱۱۵۱ھ مطابق اگست ۱۷۳۸ء میں محمد شاہ کو ملی تھی (کتاب ہندوستان پر حملے صفحہ ۱۴۷)

امرائے سلطنت کے روبرو ایک خیر خواہ ملک کے خیالات

محمد شاہ کے بعد جب اس کا بیٹا احمد شاہ تخت دہلی پر بیٹھا۔ تو سلطنت کی یہ حالت تھی۔ کہ گوجرات مرہٹوں کی پامالی میں تھا۔ بنگال بہار اوڑیسہ علی وردی خان کے جانشینوں کے تصرف میں تہے۔ اودھ میں نواب

صفدر جنگ کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ وسط دواب میں بنگش حکمرانی کرتے تھے۔ اور وہ اضلاع جن کو اب روہیل کھنڈ کہتے ہیں رہیلوں کے پاس تھے پنجاب احمد شاہ درانی کے قبضہ میں تھا۔ باقی سارے ہندوستان پر ہندو متسلط تھے صرف دکن کا وہ ٹکڑا ان کے ہاتھ سے محفوظ تھا جسمیں نظام کی حکومت تھی میدان سلطنت میں انگریزی سوداگر بھی کچھ کچھ پاؤں جماتے جاتے تھے۔ غرض بادشاہ عیش وعشرت میں مست تھا اور بادشاہی کے معنے یہ سمجھے جاتے تھے۔ کہ روز وشب مے نوشی اور عورتوں سے صحبت ہو۔ رات دن طبلہ سارنگی کھڑکا کرے۔ اور یہ خبر نہ ہو کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے صفدر جنگ خان خانان اور نواب غازی الدین خان عماد الملک (اصل نام شہاب الدین محمد خان خلف امیر الامراء فیروز جنگ) اور اور وزراء امراء کچھ بادشاہ کی حرکات سے جلے بیٹھے تھے کچھ آپس میں ان کی چلتی تھی اس لئے عاقبت محمود خان کاشمیری نے جس کا بادشاہ کے دربار میں بڑا رسوخ تھا۔ ملک کی یہ افسوسناک حالت دیکھکر ایکدن امراء کو جمع کیا اور تقریر کی اے امرائے سلطنت ہمارے بادشاہ کی نالائقیوں سے سلطنت برباد ہوئی جاتی ہے۔ قیام سلطنت کے اسباب نظر نہیں آتے۔ رات دن مئے ومعشوق میں غرق ہے اس کی متلون مزاجی آپ لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کسی دشمن کے ساتھ لڑنے کی اسمیں جرات نہیں ہے۔ اپنے خیر خواہوں اور دوستوں کے ساتھ جھوٹے وعدہ کرتا اور ان کو اپنا دشمن بنا رہا ہے۔ راستبازی کا اسمیں شائبہ بھی نہیں ہے۔ اگر اکبر اور اورنگ زیب کی وسیع سلطنت کی بنا چاہتے ہو۔ تو کسی اور شہزادہ کو تخت پر بٹھاؤ۔ ورنہ یاد رکھو نہ تم رہوگے نہ سلطنت رہے گی۔ سب امراء نے اور علماء نے محمود خان کا ساتھ دیا۔ دہم شعبان ۱۱۶۷ھ مطابق جولائی ۱۷۵۴ء کو احمد شاہ چھ سال دس ماہ کے بعد تخت سے اتارا گیا۔ اور شاہزادہ کو عالمگیر ثانی کا خطاب دیکر بادشاہ بنایا

چونکہ سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اور بادشاہ عموماً کاٹھ کی پتلی ہوتے تھے۔ اس لئے جو علاج سوچا گیا۔ وہ کارگر نہ ہوا۔ بلکہ سلطنت کی حالت روز بروز بگڑتی گئی۔ لیکن بادشاہ میں جو عیوب تھے۔ ان کا اظہار اس نے بقائے ملک کی خاطر صاف لفظوں میں کر دیا۔

ایک درویش نے سر کٹوا لیا مگر گورنر لاہور کو اسکی بدعہدی پر سرزنش کردی

نواب زکریا خان خان بہادر ناظم لاہور کا بیٹا (نواب شہنواز خان) محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں لاہور کا صوبہ دار تھا چونکہ اس نے صوبیداری اپنے بڑے بھائی نواب یحییٰ خان سے بلا اجازت بادشاہ زبردستی چھین لی تھی۔ اس لئے نواب شاہنواز خان نے احمد شاہ ابدالی کو فتح پنجاب کی دعوت دی۔ احمد شاہ نے پشاور پہنچ کر اپنا وکیل شاہنواز خان کے پاس بمقام لاہور بھیجا۔ لیکن جب وکیل نے دیکھا کہ اس کی خاطرداری بھی

اچھی طرح نہیں ہوئی اور نواب نے بھی شاہ دہلی سے معافی مانگ لی ہے تو وہ بے تحریر و تقریر ہی واپس چلا گیا اور احمد شاہ کو نواب کی اس بدعہدی اور تکلیف دہی پر رنج آیا اور وہ بے تحاشا آگے بڑھا اور رہتاس پہنچکر اپنے مرشد کے بیٹے صابر شاہ کو جسکی وہ عزت کرتا تھا نواب کے کے پاس بھیجا۔ صابر شاہ نے نواب کو اس کی بدعہدی پر شرمندہ کیا اور کہا بیٹھے بٹھلائے تم نے بادشاہ کابل کو تکلیف دی ہے کہاں کابل کہاں لاہور۔ اب اس کو مدد دینے کی بجائے الٹا نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ کیا یہی اسلام ہے اور انہی بدعہدیوں اور زبانیوں پر بادشاہت کا دعوے ہے اول تو اپنے بادشاہ سے سرگردانی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اور اگر کوئی وجہ ہو بھی گئی تھی۔ تو ملک سے باہر غیر بادشاہ کو بلانا کیا معنے رکھتا تھا۔ اور اگر بلایا تھا۔ تو زبان پر قائم رہنا تھا۔ اور جو کہا تھا اسے کر دکھانا تھا۔ نواب شاہنواز خان کو یہ کھری کھری باتیں سنکر نہایت غصہ آیا۔ چنانچہ سر دربار نواب کے حکم سے جلاد نے صابر شاہ[1] کا سر تن سے جدا کر دیا جب ان حالات کا احمد شاہ کو علم ہوا۔ تو اس نے غضبناک ہو کر لاہور پر حملہ کر دیا۔ شاہنواز خان کو شکست ہوئی اور وہ جان بچاکر بھاگ گیا

حق گوئی کیلئے جلا وطنی کی سزا

احمد شاہ ابدالی جسے درانی بھی کہتے ہیں۔ ابتدا میں نادر شاہ کا ایک فوجی افسر تھا۔ لیکن نادر کی ناگہانی موت سے ایران و افغانستان میں اس قدر انقلاب ہوا کہ یہ فوجی افسر رفتہ رفتہ افغانستان کا جس کی قلمرو میں اس وقت ہرات و مشہد کے علاوہ اردگرد کے اور ممالک بھی تھے جلیل القدر بادشاہ ہو گیا۔ اس کی طاقت ایسی زبردست اور اس قدر مستحکم تھی۔ کہ وہ چاہتا۔ تو بآسانی تخت ایران حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے ہندوستان کی طرف نگاہ دوڑانی مناسب سمجھی۔ جسے گو نادر شاہ نے نہایت سختی سے لوٹا تھا۔ تاہم وہ ابتک ایک متمول ملک سمجھا جاتا تھا۔ ۱۷۴۷ء سے ۱۷۶۱ء تک احمد شاہ ابدالی نے اپنے چار زبردست حملوں سے مرہٹہ طاقت اور سلطنت مغلیہ کی تباہی کو درجہ تکمیل تک پہنچا دیا افغان جب ہند و پنجاب کے حملوں کا نام سنتے تھے تو نادر شاہ کے زمانہ کی لوٹ کو یاد کر کے ان کے منہ میں پانی بھر آتا تھا۔ اور وہ جوق جوق فوجوں میں بھرتی ہوتے تھے۔

لاہور کو ان فوجوں نے لوٹا ہے اور بار بار لوٹا ہے۔ ایسی ہی ایک لوٹ کے دوران میں احمد شاہ ابدالی کو عید کا دن لاہور میں آ گیا۔ مسجد وزیر خان میں نماز پڑھی۔ مولوی محمد صدیق امام مسجد تھے انہوں نے خطبہ میں احمد شاہ ابدالی کو سلطان عادل کہا۔ مولانا شہر یار بھی جو لاہور کے عالم متبحر تھے۔ اور جن کا سلسلۂ درس بھی لاہور میں محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں جاری رہا ہے۔ شامل نماز تھے۔

[1] صابر شاہ کا مقبرہ لاہور میں متصل قلعہ و بادشاہی مسجد ابتک موجود و آباد ہے

[2] تاریخ پنجاب مصنفہ رائے بہادر کنہیا لال (لاہور) و تحقیقات چشتی مصنفہ مولوی نور احمد چشتی مرحوم

مگر ذرا دُور تھے۔ لوگوں نے ان کو خبر کی۔ کہ امام صاحب نے ابدالی کو محض خوشامد کے طور پر سلطان عادل کہا ہے حالانکہ اس کے ظلم وستم سے تمام شہر نالاں ہے آپ امام کے پاس آئے ابدالی بھی وہیں تھا۔ بادشاہ نے قدمبوسی کی۔ آپ نے منع کیا۔ کہ شریعت ان باتوں کی اجازت نہیں دیتی۔ پھر مولوی محمد صدیق سے (جو آپ کے شاگرد بھی تھے) کہا تم کو معلوم ہے پٹھانوں نے شہر والوں پر کسقدر ظلم وتشدد کئے ہیں۔ بادشاہ سے کتنی مرتبہ فریاد کی گئی۔ کیا ایک مرتبہ بھی دادرسی ہوئی اسلام ایسے بادشاہ کو عادل کہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ بادشاہ ناراض ہوا اور لاہور سے آپ کو جلاوطن کر دیا۔ آپ مسجد چینیانوالی کے امام تھے۔ (تذکرۃ العلماء ومشائخ صفحہ ۵۴۴)

ملت کُشی اور ایمان فروشی کا انجام!

اورنگ زیب کی وفات کے بعد ہندوستان میں بدنظمی وبدامنی کا مدت تک دور دورہ رہا۔ مرہٹوں کا غلبہ روز بروز زیادہ ہو رہا تھا صوبیداران سلطنت مغلیہ گو خود مختار تھے۔ لیکن مرہٹوں کے "چوتھ" کے تقاضا نے کبھی ان کو چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ اگر احمد شاہ ابدالی کابل سے ہندوستان کا رُخ نہ کرتا۔ تو کچھ شک نہیں کہ مرہٹے جو لاہور تک لوٹ مار کرتے آگئے تھے۔ ایکدن سارے ہندوستان کے مالک ہوجاتے لیکن نواب نجیب الدولہ نواب روہیل کھنڈ کی تحریک اور "مہم کے اخراجات کی ذمہ داری" سے ۱۷۶۰ء میں احمد شاہ نے کابل سے ہندوستان کا رخ کیا۔

بالاراؤ مرہٹوں کا پیشوا تھا۔ اس نے سارے ہندوستان کو مسخر کرنیکا ارادہ کیا ہی تہا۔ کہ احمد شاہ ابدالی کی خبریں اس کے کانوں تک پہنچیں۔ اس کا جوش اور بھی بڑھا اس نے اپنے پندرہ سالہ لڑکے بسواس راؤ کو فوج کا سپہ سالار بنایا۔ اور ہندوستان کے تمام سرداروں کو اپنے جھنڈے کے پیچھے جمع ہونے کی دعوت دی۔ بڑے بڑے سردار ۱۵-۱۶ تھے جن میں راجپوت مرہٹے اور مسلمان بھی تھے۔ چھوٹے سرداران کے علاوہ تھے۔ فوج قریباً ۸۰ ہزار سوار اور ۲۵ ہزار پیدل تھی۔ اور چھوٹے چھوٹے ہندوستانی دستے الگ تھے۔

مسلمانوں میں ایک ابراہیم خان گردی تہا جس کے پاس دو ہزار سوار اور نو ہزار پیدل تھے۔ ایک شمشیر بہادر تہا جس نے تین ہزار سوار پیش کئے تھے۔ اکتوبر ۱۷۶۰ء سے جنوری ۱۷۶۱ء تک مختلف مقامات پر لڑائی ہوتی رہی۔ آخر بسواس راؤ اور اس کے ہزارہا ساتھی میدان جنگ میں کام آئے احمد شاہ نے اس اصول کے ماتحت کہ دشمنی کی حد دشمن کی جان تک ہے۔ سرداران مرہٹہ کی لاشوں کا پورا احترام کیا اور ہندو لاشوں کے جلائے جانے اور مسلمان مُردوں کے دفن کئے جانے کے احکام صادر کئے۔ قیدیوں میں ابراہیم خان گردی بھی تہا۔ جب وہ پیش ہوا۔

تو احمد شاہ نے نفرت انگیز لہجہ میں اس سے پوچھا۔ کہو خانصاحب کیا حال ہے؟ کس طرح تشریف آوری ہوئی۔ ابراہیم نے کہا۔ ایک جان فروش سپاہی ہوں حضور جان بخشی کریں گے۔ تو اسی طرح حق نمک ادا کروں گا۔ احمد شاہ نے کہا جان فروشوں کی جان بخشی تو ہوسکتی ہے لیکن ایمان فروش دنیا میں رہنے کے قابل نہیں ہے اس کے بعد حکم دیا کہ اس مُرتدِ کو میری آنکھوں سے دور کرو۔ چنانچہ فوراً ہی حرف غلط کی طرح اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔[1]

جس طرح بابر نے پنجاب و ہند کو فتح کرکے اسے اپنا وطن بنا لیا تھا۔ اگر اسی طرح احمد شاہ ابدالی بھی پنجاب میں مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا۔ تو کچھ شک نہیں کہ مسلمانوں کو کچھ عرصہ کیلئے ہندوستان میں پھر استحکام ہو جاتا۔ مگر اس نے اپنا مقصد لوٹ مار رکھا۔ سلطنت مغلیہ کا مرکز (دار الخلافہ دہلی) کمزور ہو چکا تھا۔ مرہٹے اس کے حملوں سے دوبارہ اٹھنے کے قابل نہ رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ دہلی میں انگریزی حکومت کیلئے رستہ صاف ہو گیا اور پنجاب میں سکھ حکومت نے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے۔

دغا فریب کی باتوں سے مجھے معاف رکھئے

شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی کے زمانہ میں مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر[2] اور باجی راؤ پیشوا[3] والئے پونہ کے درمیان ایک عظیم الشان لڑائی ۲۵ اکتوبر ۱۸۰۲ء کو پونا کی گھاٹیوں میں ہوئی ہے۔ افتخار التاریخ میں لکھا ہے کہ پیشوا کی فوج میں چودہ ہزار پیدل و سوار اور اسی توپیں تھیں ہلکر کیطرف ایک لاکھ ہم ہزار فوج کا معہ دو سو بڑی توپوں کے اندازہ لگایا جاتا ہے۔ نواب امیر خان جو بعد میں والئے ٹونک قرار پائے ہلکر کے طرفداروں بلکہ ان کے ماتحتوں میں تھے نواب امیر خان بڑا شجاع اور جنگجو سپاہی گذرا ہے جس راجے مہاراجے کا اس نے ساتھ دیا ہے۔ وہ ضرور دشمن پر کامیاب ہوا ہے۔ مہاراجہ ہلکر نے بھی پیشوا کو شکست دی ہے۔

جب مہاراج کو معلوم ہوا کہ سرمنٹھ پیشوا پونا سے پانچ کوس کے فاصلہ پر مقیم ہے۔ تو اس نے دو چار مرہٹہ پنڈت اس کے پاس روانہ کئے کہ عجز و نیاز اور عذر و معذرت سے اسکو سمجھا کر

---

[1] مشاہیر اسلام مصنفہ خواجہ محمد عباد اللہ اختر بی اے صفحہ ۲۰۶۔

[2] اٹھارہویں صدی میں یہ رئیس بڑا جنگ آزما اور سورما گذرا ہے تکوجی راؤ والئی اندور کا بیٹا تھا۔ یہ ریاست تکوجی کے باپ ملہار راؤ ہلکر نے قائم کی۔ جو پہلے باجی راؤ پیشوا کے نوکروں میں تھا۔ جسونت راؤ چونکہ بیاہتا بیوی سے نہ تھا۔ اس لئے دوسرے بھائیوں کے ساتھ اس کی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اور اس نے بہت تکلیفیں اٹھائیں اسی زمانہ (۲۳ ۱۲۱۱ھ مطابق ۵ جون ۱۷۹۹ء تا نہایت ۲۵ مئی ۱۸۰۰ء) میں نواب امیر خان سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اور دونوں کے اقبال نے ترقی کی۔ مہاراجہ جسونت راؤ نے ۱۲ نومبر ۱۸۱۱ء کو وفات پائی۔

[3] باجی راؤ پیشوا ثانی ۱۲۱۱ھ میں مسند پر بیٹھا۔ نومبر ۱۸۱۷ء میں انگریزوں کے ساتھ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۹ پر)

مہاراج کا مہمان بنائیں لیکن پیشوا نے مہاراج کی کسی بات کا اعتبار نہ کیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ وہ مجھے اپنے جال میں پھنسانا چاہتا ہے۔ البتہ پیشوا نے نواب امیر خان کو لکھا۔ کہ اگر تم کہ شجاع آدمی ہو اور زبان کا پاس رکھتے ہو۔ اپنے عہد و پیمان سے میرا اطمینان کر دو۔ تو میں پونہ میں آسکتا ہوں۔ نواب پیشوا کا یہ رقعہ لیکر مہاراج کے پاس گئے۔ اس وقت وہ اپنے ہاتھ کا زخم آگ سے سینک رہے تھے۔ مہاراج نے کہا۔ تم اپنی طرف سے پیشوا کو دلجمعی لکھ بھیجو۔ کہ اگر آپ نے ملکر سے صلح کر لی۔ تو بندھیل کھنڈ کا ملک جو ایک کروڑ کی جمع ہے۔ تم کو دلا دوں گا۔ نواب نے کہا۔ میں جو سرینت سو اپنی کفالت سے یہاں لاؤں گا۔ تو بہر حال ان کا شریک اور حامی رہوں گا۔ اور ان کی ذات کو اپنی ذات سمجھوں گا۔ مہاراج نے کہا۔ پا ہیانہ کرتبوں سے ملک داری کے داؤ پیچ زیادہ مشکل اور زیادہ کارآمد ہوتے ہیں۔ ان باتوں میں جھوٹے وعدوں اور دغا فریب ہی سے کام نکلتا ہے۔ نواب نے کہا۔ میں آپ کا خیر خواہ ہوں سب کچھ ہوں۔ لیکن دغا فریب کی باتوں میں میں آپ کے ساتھ شامل نہیں ہوسکتا۔ یہ کہا اور مہاراج کے سامنے ہی رقعہ کی پشت پر لکھدیا کہ "آپ کے خانگی مقدمات اور جھگڑوں میں ہم جیسے غیر کفو لوگوں کا دخیل ہونا مصلحت کے خلاف ہے"۔[۱]

ایک وہ لوگ تھے۔ کہ مکر و ریا اور دغا فریب غیر مسلموں کے ساتھ نہیں کرتے تھے۔ اور ایک خود مختار فرمانروا کے سامنے انکار کر دیتے تھے۔ آج ایک ہم مسلمان ہیں۔ کہ مسلمانوں ہی کا خون پی رہے ہیں۔ اور کن کن چالوں۔ دہوکہ بازیوں اور مکر و فریب کی باتوں کو تدبر اور عقلمندی اور حکمت عملی کے الفاظ کا لباس پہناتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۸) اس کی لڑائی ہوئی۔ مگر اپنے سرداروں اور وکیلوں کی قصیدہ بازیوں کی بدولت ناکامیاب رہا ستارا اور ناگپور وغیرہ ریاستوں میں جان چھپاتا پھرا۔ آخر یکم جون ۱۸۱۹ء کو اس نے سرجان ملکم کے پاس اپنے آپ کو حاضر کر دیا۔ لاکھ روپیہ ماہوار مشاہرہ مقرر ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں اسی کی اولاد سے نانا راؤ اور راجیندر نے سرکار انگریزی سے بغاوت کر کے رہا سہا نام و نشان بھی مٹا دیا تھا۔

[۲] (صفحہ سابق کا حاشیہ) امیر خان سنبھل ضلع مراد آباد میں ایک غریب پٹھان محمد حیات خان کے گھر ۱۱۸۲ھ (مطابق ۱۶ امئی ۱۷۶۸ء لغایت ۶ مئی ۱۷۶۹ء) میں پیدا ہوا۔ امیر خان ابتدا میں باپ کی طرح لوٹ مار کرتے رہے۔ ان کی بہادری کی تمام راجپوتانہ مالوہ اور روہیل کھنڈ میں شہرت ہوگئی بات کے دہنی تھے۔ جس کو دوست بنایا کبھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اپنی ضمیر کے خلاف کبھی کوئی کام نہ کیا۔ جودھ پور۔ جے پور۔ اندور گوالیار۔ بھوپال سب ان کی عزت کرتے تھے آخر دہلی میں نومبر ۱۸۱۷ء میں انگریزوں سے ایک عہد نامہ ہو گیا جس پر نواب امیر خان نے ۱۶ دسمبر کو دستخط کئے۔ اسی عہد نامہ نے ان کو ریاست ٹونک کا بانی قرار دیا۔ ۳۰ ستمبر ۱۸۳۴ء کو وفات پائی۔ ۶۱ سال کی عمر تھی جس میں ۲۰ سال مفلسی و گمنامی میں بسر کئے۔ موجودہ نواب ٹونک نواب حافظ محمد ابراہیم علی خان صولت جنگ آپ کے پڑپوتے ہیں۔

[۱] افتخار التواریخ صفحہ ۱۳۳ مصنفہ پنڈت دیبی پرشاد منصف جودھپور۔ مارواڑ۔

مسجد میں تصویریں رکھوانے پر بادشاہ دہلی کو ایک بزرگ درویش کا خط!

حضرت شاہ عبداللہ معروف بہ شاہ غلام علیؒ دہلی میں بڑے پایہ کے بزرگ گذرے ہیں۔ سید اسمٰعیل مدنی نام ایک بزرگ مدینہ منورہ سے آپ کے ملنے کیلئے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد شاہ صاحب نے سید مدنی کو فرمایا۔ جامع مسجد میں آثار نبویہ ہیں دیکھنا چاہتے ہو۔ تو دیکھ آؤ۔ مدنی نے واپس آکر کہا۔ برکات نبویہ وہاں موجود تو ہیں۔ مگر ظلمت کفر بھی وہاں معلوم ہوتی ہے۔ شاہ صاحب کو بھی اس کی خبر نہ تھی تحقیق کی تو معلوم ہوا۔ واقعی بعض اکابران دین کی وہاں تصویریں ہیں۔ چنانچہ آپ نے بعد دریافت کامل بادشاہ اکبر شاہ ثانی کے نام ایک زبردست خط لکھا۔ اور وہ تصویریں مسجد جامع سے نکلوا دیں یہ خط بجنسہٖ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ میں درج ہے چند الفاظ یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں "بتحقیق شدکہ تصویرہا دریں جا نہادہ اند تصویر پیغمبر خدا علیہ السلام وائمہ اہل بیت و اولیائے رضی اللہ عنہم ساختن و پیش خود داشتن در شرع محمدی جائز نیست۔ تصویر حضرت ابراہیم علیہ السلام خود پیغمبر خداؐ بدست مبارک شکستہ اند ہائے مسلمانی و توحید وائے بادشاہی و متابعت اسلام کجا شدند پیروی نمائید و این بت پرستی موقوف نمائید۔ چہ نالم و چہ گریہ کنم۔ برخرابی مسلمانی و بدامنی وسستی مسلمانان۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائد۔ در مسجد جامع و قلعہ بادشاہی کہ سرد جائے مسلمانان است اصنام داشتن چہ معنے دارد اگر مرا قوتے عود نمائد از شہر بت پرستان ہجرت نمائم"

نواب دبیرالدولہ کا وزارت دہلی سے استعفا اور وزارت پنجاب سے انکار

اکبر شاہ ثانی اپنے باپ کی طرح انگریزوں کا پنشن خوار تھا۔ مگر بادشاہی اور وزارت کا سلسلہ بدستور چلا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ رزیڈنٹ نذریں دیتے اور خطابات حاصل کرتے تھے۔ آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہونے سے بادشاہ ہمیشہ پریشان رہتا تھا۔ اضافہ پنشن قرض کی سبکدوشی اور انتظام کو بہتر حالت پر لانے کے لئے اس نے خواجہ فریدالدین احمد کو جو کشمیر کے ایک نامور خاندان سے تھے اور جن کے والد خواجہ عبدالعزیز بعہد محمد شاہ بادشاہ دہلی میں آئے تھے، قلمدان وزارت سپرد کیا۔ جو لکھنؤ۔ ایران برہما اور سندھیل کھنڈ وغیرہ میں سرکار انگریزی کی خدمات انجام دینے کی وجہ سے بہت تجربہ کار

ؔ ولادت ۱۱۵۶ھ بمقام بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب ۱۱۷۸ھ میں دہلی گئے اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے مشرف بیعت ہوئے۔ پھر ساری عمر دہلی ہی میں رہے ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۵ء میں بمقام دہلی انتقال فرمایا۔ اور اپنے پیر و مرشد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

ؔ اپنے باپ شاہ عالم ثانی کے بعد جس کی آنکھیں نمک حرام غلام قادر روہیلہ نے نکال لی تھیں دسمبر ۱۸۰۶ء میں تخت نشین ہوا حکومت برائے نام تھی اور شہر دہلی پر نہیں بلکہ صرف قلعہ کے اندر رہی تھی ہر جگہ انگریزوں کا قبضہ تھا ابوظفر بہادر شاہ خاتم السلاطین مغلیہ اسی کا بیٹا تھا جو ۱۸۶۲ء میں بحالت قید (بہ الزام بغاوت غدر ۱۸۵۷ء) رنگون میں انتقال کر گیا۔

تھے۔ بادشاہ نے نواب دبیرالدولہ امین الملک مصلح جنگ کا خطاب دیکر ۱۸۱۵ء میں قلمدان وزارت آپکے سپرد کیا۔ نواب نے تمام شاہزادوں۔ بیگیاتوں ملازموں اور عملۂ شاہی کی تنخواہوں میں دس فی صدی کی کمی کردی جن میں ان کی اپنی تنخواہ بھی تھی۔ باورچی خانہ جسپر صدہا روپے روزانہ کا خرچ تھا۔ یک قلم موقوف کر دیا عیش پرستی اور تفریح طبع کے تمام کارخانے یک لخت بند کر دیئے ان تدابیر سے بادشاہ کا قرضہ تو ادا ہوگیا۔ اور سب ملازموں کو تنخواہوں بھی برابر ملنے لگیں مگر خود غرضوں کی جماعت جو شاہی باورچی خانہ سے دو وقت بیکار محض کھانا کھاتی تھی ناراض ہوگئی۔ کنکوے باز اور کبوتر باز اور راور لوگ جن کا اُلو سیدھا ہو رہا تھا۔ سب نواب کو بدنام کرنے لگے۔ بادشاہ کو بھی بہت کچھ کہا سُنا کہ آپ ان کی اولاد میں جنہوں نے بڑے بڑے صوبے چشم زدن میں بخش دیئے ہیں مستحقین انعام و اکرام سے مالامال ہوگئے ہیں اس کشمیری نے آپ کو سارے شہر اور سارے ملک میں بدنام کر دیا ہے۔ عالمگیر کے بعد اس کے جانشینوں سے چشم بصیرت اور ادراک فہم جاتے رہے تھے۔ صرف کان ہی کان رہ گئے تھے یہی وجہ تھی۔ کہ اس حالت کو پہنچ گئے تھے۔

اکبرشاہ پر بھی اکثر خوشامدیوں کی ان چاپلوسانہ باتوں کا اثر ہوا۔ دبیرالدولہ کو خبر ہوئی۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا جو کچھ کرتا ہوں آپکے فایدہ کے لئے کرتا ہوں۔ خود غرضوں کی باتوں میں نہ آیئے۔ یہ رہی سہی ساکھ کو بھی مٹادیں گے جب دیکھا کہ بادشاہ بدستور بے رخی و بے اعتنائی سے پیش آتے ہیں تو دبیرالدولہ استعفا دیکر کلکتہ چلے گئے۔

دبیرالدولہ کے بعد حالت پھر بگڑ گئی۔ تمام کارخانے بدستور جاری ہو گئے۔ قرضہ بھی چڑھ گیا تنخواہیں بھی ملازمین اور بیگیات کی رُک رُک کے اور کبھی کئی ماہ کے بعد ملنے لگیں۔ بادشاہ کی پریشانیاں جو کم ہوگئی تھیں پھر بڑھ گئیں۔ آخر ۱۸۱۹ء میں پھر دبیرالدولہ کو یاد کیا۔ اور اس کے داماد سید محمد تقی سے بھی سفارشی خط لکھوایا (جو اکبرشاہ ثانی کے بہت گہرے دوست تھے) دبیرالدولہ پھر دہلی آئے وزارت کا عہدہ بھی ملا۔ مگر جب دیکھا کہ خوشامد پرست بادشاہ کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اور اپنے فائدہ اور بادشاہ کی خرابی کے درپے ہیں۔ تو بادشاہ کو بہت کچھ نشیب و فراز بتائے۔ مگر ناکامی دیکھی۔ تو ۱۸۲۲ء میں پھر استعفا دیدیا۔

نواب دبیرالدولہ کے حسن انتظام اس کی قابلیت و تجربہ کاری اور انگریزی پالٹیکس سے اسکی واقفیت کی خبریں مہاراجہ رنجیت سنگھ فرمانروائے پنجاب تک بھی پہونچیں۔ رنجیت سنگھ گو خود علم سے بے بہرہ تھا۔ مگر بڑا مردم شناس تھا۔ اس نے بتیس ہزار روپیہ زادراہ دیکر اپنا ایک معتمد دہلی

میں ان کے پاس بھیجا۔ اور وزارت پنجاب کی خوشخبری سنائی۔ دبیر الدولہ نے اپنی بیٹی عزیز النساء (والدہ سرسید احمد خاں مرحوم) کے مشورہ سے مہاراجہ کی عنایت خسروانہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وزارت سے انکار کر کے سفر خرچ واپس کر دیا۔

۱۸۲۴ء یا ۱۸۲۵ء میں اکبر شاہ نے دبیر الدولہ کو پھر یاد کیا اور وزارت کا بوجھ آپ کے کندھوں پر رکھنا چاہا۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ اور پھر آخر عمر تک کسی سے کوئی تعلق پیدا نہ کیا۔ ۱۸۲۵ء (مطابق ۱۲۴۰ھ) میں آپ کا انتقال ہو گیا (از سیرت فریدیہ مولفہ سرسید احمد خان مرحوم)

سرسید احمد خان کا جاگیر اور تعلقہ لینے سے انکار

غدر سنہ ستاون (۱۸۵۷ء) کا آغاز ہندوستان میں جس طرح انگریزوں اور امن پسند ہندوستانیوں کے لئے نہایت جان گسل تھا۔ اسیطرح اس کا انجام اہل ہند (کردہ و ناکردہ گناہوں) کے لئے نہایت مصیبت انگیز تھا۔ سرسید[1] احمد خان اس زمانہ میں بجنور میں صدر امین تھے۔ اور انہی دنوں میں انگریزوں کے بجنور سے چلے جانے کے بعد کمشنر میرٹھ نے ان کو صاحب ضلع کے اختیار دیدیئے تھے۔ انہوں نے نہ صرف کئی انگریزوں کی جانیں بچائیں بلکہ بلوائیوں کو غدر اور بدامنی کے انجام سے سمجھاتے رہے۔ نواب محمود خان نے جو بلوائیوں کا سرغنہ تھا۔ سرسید احمد خان کو بلوایا اور کہا تم ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ جو جاگیر چاہو نسلاً بعد نسلاً ہم سے ٹھہرالو۔ اور ہم سے حلف لے لو کہ وہ جاگیر ہم ہمیشہ بحال رکھیں گے۔ سرسید احمد خان نے جب انکار کیا بلکہ الٹا اس کو نشیب و فراز سمجھائے تو وہ ان کا دشمن ہو گیا۔ اسی اثنا میں ایک شخص منیر خان نامی چار سو بلوائیوں کی جمعیت لیکر نگینہ سے بجنور آگیا اور سرسید اور مولوی علیم اللہ بجنوری کو جہاد کا فتوے لکھہ دینے پر مجبور کیا۔ مگر دونوں نے بہت سی دلیلیں دینے کے بعد اس کو قائل کیا۔ کہ مذہب کی رو سے یہ موقع جہاد کا نہیں ہے۔ مولوی علیم اللہ تو قتل ہوتے ہوتے بچے اور سرسید جان بچا کر میرٹھ بھاگ گئے۔ جہاں کئی دنوں کے بعد پا پیادہ پہونچے۔ مولانا حالی سرسید کی لائف (حیات جاوید) میں لکھتے ہیں جب وہ میرٹھ پہنچے ہیں ان کے پاس صرف چھہ پیسے اور اس پھٹے ہوئے کرتہ کے سوا جو وہ پہنے ہوئے تھے اور کچھہ نہ تھا۔ سرسید اور ان کے خاندان کو جو مصائب بلوائیان غدر کی بدولت پیش آئے ان کی داستان طویل ہے اور نہ ان کے اظہار کا یہ موقع ہے۔ مختصر یہ کہ غدر کے فرو ہونے کے بعد

[1] ہندوستان کا یہ بہت بڑا ریفارمر مسلمانوں کا لیڈر اعظم ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء مطابق ۵۔ ذوالحجہ ۱۲۳۲ھ کو زمانہ شاہ عالم ثانی دہلی میں پیدا ہوا۔ مولانا حالی مرحوم نے حیات جاوید کے نام سے آپ کے مکمل سوانحات عمری لکھے ہیں۔ علیگڈھ کالج آپ کی بہترین یادگار ہے ۱۸۹۸ء میں بعمر اسی سال چند ماہ بمقام علیگڈھ وفات پائی۔ سید راس مسعود ایم اے بیرسٹرایٹ لا ناظم سررشتہ تعلیم حیدرآباد دکن (خلف جسٹس سید محمود مرحوم) آپ کے پوتے ہیں۔

گورنمنٹ نے جب ایک تعلقہ ان کو بطور جاگیر دینا چاہا۔ تو انہوں نے صاف انکار کر دیا چنانچہ انہوں نے اپنے ایک لیکچر ۲۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کے دوران میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں گورنمنٹ نے مجکو لعوض وفاداری تعلقہ جہان آباد جو سادات کے ایک نامی خاندان کی ملکیت ہے اور ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ ملکیت کا تھا دینا چاہا۔ تو میرے دل کو نہایت صدمہ پہنچا میں نے اپنے دل میں کہا۔ مجھ سے زیادہ کوئی نالائق دنیا میں نہ ہوگا کہ قوم پر تو یہ بربادی ہو۔ اور میں ان کی جایداد لیکر تعلقہ دار بنوں میں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا۔ ہمارے ملک خصوصاً بدنصیب مسلمانوں کو ایسے ہی بےغرض خادم اور حقیقی لیڈروں کی ضرورت ہے۔

غدر کے بعد اسباب بغاوت ہند کی تصنیف میں سرسید کی جراءت

غدر کے فرو ہونے کے بعد جب مسلمان کثرت سے انگریزوں کی غلط فہمیوں کا شکار ہونے لگے۔ اور بعض اور ہندوستانیوں نے بھی خیر خواہئے سرکار کی آڑ میں مسلمانوں سے اگلے پچھلے بغض نکالنے شروع کئے۔ اور جب سرکار کی نظر میں مسلمان ہونا ہی اس کا کافی جرم سمجھا گیا۔ تو سر سید احمد خان نے پھر جراءت اور دلیری اور اسلامی حمیت سے کام لیا اور ہر چند کہ زمانہ نازک تھا۔ خیالات ظاہر کرنے کی مطلق آزادی نہ تھی۔ مارشل لا کا دور دورہ تہا اور حاکموں کی زبان ہی قانون تھی اور سب سے زیادہ یہ کہ سرسید احمد خان سرکاری ملازم تھے اور بوجہ خدمات غدر گورنمنٹ سے حقیقی خیر خواہ تسلیم کئے گئے تہے۔ تاہم انہوں نے ہمت کی اور باوجود دوستوں کے منع کرنے کے انہوں نے مراد آباد میں جہاں وہ ملازم تھے اسباب بغاوت ہند پر ایک مبسوط رسالہ لکھا جسمیں رعایائے ہندوستان بالخصوص مسلمانوں کو جن پر سارا نچوڑا انگریزوں کی بدگمانی کا تہا۔ بغاوت کے الزام سے بری کیا اور اس خطرناک اور نازک وقت میں وہ تمام الزامات جو لوگوں کے خیال میں گورنمنٹ پر عاید ہوتے تھے۔ نہایت دلیری اور آزادی کے ساتھ پوست کندہ بیان کئے۔ رائے شنکر داس مراد آباد کے منصف سرسید کے بڑے دوست تھے انہوں نے کہا اب بھی موقعہ ہے تمام کتابوں کو جلا دو اور اپنی جان کو خطرہ میں نہ ڈالو۔ سرسید نے جواب میں کہا۔ ایک ایسے کام پر جو سلطنت اور رعایا دونوں کے لئے مفید ہو۔ مجھکو اگر گزند بھی پہنچ جائے۔ تو گوارا ہے۔ مسٹر سسل بیڈن ان دنوں گورنمنٹ آف انڈیا (بعہد لارڈ کیننگ گورنر جنرل) کے فارن سکرٹری تھے۔ انہوں نے کونسل میں سرسید احمد خان کے خلاف سپیچ دی اور کہا کہ اس کو ایسے باغیانہ مضمون کی اشاعت کے لئے سخت سزا ملنی چاہیئے۔ بلکہ سرسید سے زبانی بھی اپنی خفگی اور ناراضگی کا درشت الفاظ میں ذکر کیا لیکن سرسید نے اظہار حق کے معاملہ میں صرف خدا کی رضامندی اور اپنے ضمیر سے

اطمینان کے سوا اور کسی کی پرواہ نہ کی۔

سرسید کا اپنے دوستوں کو اپنی یادگار قائم کرنے سے منع کرنا

سرسید احمد خان کی یادگار کے متعلق ان کی زندگی ہی میں بعض یورپین پروفیسروں اور ان کے ہندوستانی دوستوں نے کالج میں ان کی یادگار قائم کرنی چاہی۔ انہوں نے دونوں فریقوں سے انکار کر دیا۔ یورپین پروفیسروں کا منشا تھا کہ ولایت کے کالجوں کی طرح یہاں بھی فونڈرز ڈے (یعنی بانی مدرسہ کی سالگرہ کا دن) بطور خوشی منایا جائے۔ لیکن آپ نے اس میں یہ ترمیم کر دی کہ بانی کالج کی جگہ کالج کی سالگرہ کا دن مقرر ہونا چاہیئے آہ! آج اسی ملک میں ایسے لوگ بھی ہیں اور ایسے حاکم بھی ہیں۔ جو اپنے سامنے اپنی یادگاروں کے قائم ہونے کی مخالفت دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مخالف دو چار نہیں بلکہ قوم کا عظیم گروہ ہے مگر اپنی زبردستی کی ہر دلعزیزی یا ڈھٹائی کی وجہ سے اپنے خود غرض مداحوں کی پیٹھ ٹھونکتے رہتے ہیں

زمانہ ملازمت میں سید احمد خان کا اپنے افسر کو جواب کہ میرے ذاتی معاملات میں دخل نہ دو

غدر (۱۸۵۷ء) سے بہت پہلے کا ذکر ہے۔ سرسید دہلی میں منصف اور جان پاٹن گنیس سشن جج تھے قسمت دہلی کے دو جاگیردار بھائیوں میں جن میں ایک سرسید کا گہرا دوست تھا۔ جاگیر کی بابت سخت تنازعہ تھا اور ان کا جھگڑا گورنمنٹ میں پیش تھا دوسرے جاگیردار نے جج صاحب سے یہ شکایت کی۔ کہ میرے بھائی کو سید احمد خان بہکاتا اور ہر قسم کی مدد دیتا ہے۔ آپ اس کو سمجھا دیں کہ وہ میرے بھائی کو فساد پر آمادہ نہ کرے اور ان سے ملنا چھوڑ دے پاٹن صاحب ویسے ہی سشن جج تھے۔ اور ان کا رعب اور طنطنہ ان کے عہدہ سے بھی زیادہ تھا۔ انہوں نے سرسید کو بلایا اور کہا کہ اُن سے ملنا ترک کر دو۔ سرسید نے کہا بیشک میں آپ کا ماتحت ہوں۔ سرکاری معاملات میں جو کچھ آپ ہدایت کریں گے بسر و چشم تعمیل کروں گا۔ مگر میرے ذاتی تعلقات میں آپ کو دخل نہ دینا چاہیئے۔ اگر چند روز کے بعد آپ یہ بھی کہدیں کہ اپنے بھائیوں اور عزیزوں سے بھی ملنا چھوڑ دو۔ تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ مولانا حالی سرسید کے حالات میں لکھتے ہیں ہر چند ہندوستان کی آب و ہوا انگریزوں میں خوشامد پسندی پیدا کر دیتی ہے۔ مگر پھر بھی وہ آزاد اور صاف گو شخص کی قدر کرتے ہیں۔ چنانچہ جج صاحب نے یہ معقول عذر سنکر سرسید پر بے جا دباؤ نہیں ڈالا افسوس ہے اب دونوں باتیں نہیں ہیں بلکہ اب تو یہ حال ہے کہ اگر کسی کو معلوم ہو جائے۔ کہ فلاں شخص کے ملنے سے خواہ وہ شخص قوم و ملک کا کیسا ہی دلسوز اور اس کا کیسا ہی عزیز کیوں نہ ہو۔ حاکم وقت ناراض ہے یا وہ اس کو اچھا نہیں سمجھتا تو بغیر حاکم کے کہنے

وہ خود ہی اس سے الگ ہو جاتا ہے اور ایسا کہ گویا جان پہچان ہی نہیں۔
۱۸۵۰ء میں سرسید رہتک میں صدر امین تھے۔ ایک شخص بابر خان نمبردار رہتک نے جو گستری صاحب مجسٹریٹ کی موچھ کا بال تھا۔ سید صاحب کے اجلاس میں جھوٹی گواہی دی انہوں نے بعلت حلف دروغی ماخوذ کیا۔ گستری صاحب نے رہائی کی زبردست سفارش کی بلکہ اپنا رعب بھی دکھایا۔ مگر سید صاحب نے باوجود ماتحت ہونے کے اپنے انگریز حاکم کی سفارش کو جو انصاف اور عدل کے خلاف تھی رد کر دیا۔ اور اس نمبردار کو تین سال کے لئے بڑے گھر بھیج دیا۔ اسیطرح میونسپلٹی رہتک میں بھی وہ صاحب ضلع کی مرضی کے خلاف آزادی سے بحث کرتے تھے۔ اور کئی دفعہ ایسا ہوتا تھا کہ باوجود دست بچنیوں کی ہاں میں ہاں ملانے کے وہ کامیاب ہو جاتے تھے۔

حکام کی عدم ہمدردی کے متعلق سید احمد خان کی شکایت

سید احمد خان نے مسلمانوں اور انگریزوں میں میل جول ملت ملاپ اور راہ و رسم پیدا کرنے کے لئے ایک رسالہ احکام طعام اہل کتاب پر لکھا جس سے مقصود یہ تھا۔ کہ مسلمانوں کا مذہب انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانے سے مانع نہیں ہے بلکہ یہ صرف ایک جھجک اور رکاوٹ ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم کے اصلی خیالات سے بے خبر رہتی ہے چنانچہ سب سے پہلے خود انہوں نے عمل کیا۔ اور ایک مثال قائم کی۔ اسی کے ساتھ حاکم قوم کی طرف سے جو بے اعتنائیاں ہندوستانیوں کے ساتھ ہوتی تھیں ان کو وہ برملا کہہ دیتے تھے۔ ۱۸۸۴ء میں مسٹر بلنٹ ممبر پارلیمنٹ علیگڈھ آئے وہاں ایک جلسہ کے دوران میں جس میں بیشتر ہندوستانی اور یورپین اصحاب تھے سرسید نے ایک طویل تقریر میں کہا۔ ہماری بڑی آرزو یہ ہے کہ انگریزوں کی طرف سے ہمارے ساتھ ہمدردی ظاہر ہو۔ اور افسوس ہے کہ یہ آرزو پورے طور پر ظاہر نہیں ہوئی۔ ..... ہمدردی سے میری مراد پولیٹکل ہمدردی نہیں ہے۔ (یعنی جو سپیچوں میں رسمی طور پر بیان کی جاتی ہے) پولیٹکل ہمدردی تانبے کے برتن پر چاندی کے ملمع سے زیادہ کچھ وقعت نہیں رکھتی اس کا اثر دونوں (فریقوں) کے دلوں میں کچھ نہیں ہوتا۔ ایک فریق جانتا ہے کہ وہ تانبے کا برتن ہے۔ دوسرا فریق سمجھتا ہے۔ کہ وہ جھوٹے ملمع کی قلعی ہے۔ ہمدردی سے میری مراد برادرانہ و دوستانہ ہمدردی ہے۔

بحالت ملازمت سرسید کا جواب اپنے صوبہ کے لاٹ صاحب کو

سرسید احمد خاں کے زمانہ میں سر ولیم میور ممالک مغربی و شمالی کے لفٹنٹ گورنر تھے انہوں نے ۱۸۶۱ء میں لائف آف محمد کے نام سے ایک کتاب چار جلدوں میں لکھی۔ اور اس میں اسلام شارع اسلام اور مسلمانوں کے مذہب پر ایسا زہر اگلا کہ عیسائیوں کے خیال میں اس کا کوئی جواب نہ ہو سکتا تھا۔ سرسید نے باوجود سرکاری ملازم ہونے کے اپنے صوبہ کے سب سے بڑے حاکم یعنی لاٹ صاحب کی کتاب کے جواب لکھنے کا ارادہ کیا چونکہ ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی کے قدیم کتب خانے ضائع ہو چکے تھے۔ اس لئے وہ اپنے بیٹے سید محمود کے ہمراہ ولایت چلے گئے۔ جہاں انڈیا آفس کے کتب خانہ اور برٹش میوزیم کی لائبریری سے ان کو بہت سا مصالحہ ملا۔ اور باوجود مالی مشکلات کے دل کی جلن کا یہ حال تھا کہ قرض لیا۔ دوستوں سے روپیہ منگوایا۔ اور اپنے گھر دہلی لکھدیا کہ میرا اسباب یہانتک کہ ظروف مسی تک بیچ دو اور روپیہ بھیجو۔ آخر اس زہریلی کتاب کا جواب خطبات احمدیہ کے نام سے چھپوایا۔ ان کے اکثر دوست جاگیردار اور سرکاری عہدہ دار سر ولیم میور کی گورنمنٹ کے ماتحت تھے ان سب نے ان کو منع کیا۔ مگر انہوں نے کسی کی نہ سُنی

مذہبی فرائض کی ادائیگی کے متعلق سرسید کی اسلامی غیرت

سرسید کے ایک عزیز کو ایک مرتبہ ایک ایسے متعصب افسر سے سابقہ پڑا جو ان کی نماز پر اعتراض کرتا تھا اور نماز کی رخصت نہ دیتا تھا آخر انہوں نے ڈر کے مارے نماز چھوڑ دی اور سرسید کو سارے حالات کی اطلاع دیدی سرسید نے جواب میں لکھا۔ نماز جو خدا کا فرض ہے اس کو ہم اپنی شامت اعمال سے جس خرابی سے ہو ادا کریں یا قضا کریں۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم نماز نہ پڑھو اس کا صبر ایک لمحہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ بات سُنی بھی نہیں جا سکتی۔ میری سمجھ میں نماز نہ پڑھنا صرف گناہ ہے جس کے بخشے جانے کی توقع ہے۔ اور کسی شخص کے منع کرنے سے نہ پڑھنا یا سستی کرنا میری سمجھ میں کفر ہے جو کبھی بخشا نہ جائیگا۔ صاف کہدینا تھا کہ میں اپنے خدائے عظیم الشان قادر مطلق کے حکم کی اطاعت کروں گا۔ نہ آپ کی۔ کیا ہوتا؟ نوکری نہ ہوتی۔ فاقے مرجاتے نہایت اچھا تھا۔

سرسید کی آزاد بیانی کمشنر میرٹھ کے روبرو

جب (علیگڈھ) سائنٹفک سوسائٹی کا مکان بنکر تیار ہوا تو سرسید نے مسٹر ولیم کمشنر میرٹھ کو افتتاحی رسم کے ادا کرنے کیلئے بلایا۔ کمشنر صاحب کو عنایت اللہ خاں مرحوم رئیس بھیکن پور ضلع علیگڈھ سے ایام غدر کے بے بنیاد شبہات کے متعلق کچھ ناراضگی تھی انہوں نے کہلا بھیجا اگر عنایت اللہ خاں جلسہ میں شریک ہوئے تو ہم نہیں آ سکتے سرسید نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے جو سوسائٹی کا پریزیڈنٹ ہو اور جس نے فیاضانہ امداد کی ہو۔ وہ جلسہ میں شریک نہو کمشنر صاحب نے پہلے تو نہ مانا مگر بعد میں بمشکل سے راضی ہو گئے غرض سرسید احمد خاں نہایت آزاد و دلاور حریت پسند تھے ان کا ظاہر باطن ایک تھا اور افسوس ہے کہ ان اوصاف کی روز بروز کمی ہو رہی ہے۔

(۱۳)

باب سیزدہم

ایران و افغانستان

فصل اوّل

نادر شاہ ایرانی

سزائے تازیانہ قبول کی مگر حاکم سے عرب بیتی رائے نہیں بدلی

نادر شاہ ایرانی کو سب جانتے ہیں۔ مورخوں نے اس کی تصویر بڑی ہیبت ناک کھینچی ہے ایران کے سرحدی ممالک اور ہندوستان کے لوگ نادر کو قہر الہی اور غضب خداوندی کا نمونہ تصور کرتے ہیں۔ لیکن نادر درحقیقت ظالم و جابر اور نالائق بادشاہوں اور قزاقوں اور بداعمالوں کی سزادہی کے لئے منتقم حقیقی نے بھیجا تھا۔ نادر ایران کا نجات دہندہ تھا۔ جو خاندان صفویہ کی تلواروں اور افغانوں کی معرکہ آرائیوں سے نیم بسمل ہو رہا تھا نادر میں غیر معمولی اوصاف تھے وہ غارت گردن اور لیٹروں کے گھر میں پیدا ہوا لیکن ایسا مستقل مستقل مزاج۔ جفاکش۔ بات کا دھنی اور ارادے کا پکا تھا کہ اس گمنام گڈریہ نے اپنی اوصاف کی بدولت ایران افغانستان ترکستان اور ہندوستان کی پولیٹیکل بے چینیوں کا قلع قمع کیا۔

ایشیا کا یہ نامور سپہ سالار جس نے دنیا کو اپنی فوجی مہمات سے محو حیرت کر دیا تھا۔ ۲۸ محرم سنہ ۱۱۰۰ھ (۱۶۸۸ء) کو پیدا ہوا۔[1] ۲۴-۲۵ سال کی عمر تھی کہ نادر قلی گورنر خراسان کے ماتحت ایک دستہ کا افسر مقرر ہو گیا۔ اور آخر ایک ہزار سوار کے افسر کے درجہ تک ترقی کر گیا۔ گورنر نے کوئی بات پوچھی۔ نادر نے اختلاف ظاہر کیا۔ گورنر کو اس اختلاف کی توقع نہ تھی۔ اس نے نادر کو تازیانہ لگوائے۔ لیکن نادر وہی کہتا رہا۔ جس کی اس کے ضمیر نے شہادت دی۔ اس کی زندگی کا یہ پہلا واقعہ تھا۔ کہ ایک جلیل القدر افسر کے سامنے اس نے اس کی ناخوشی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے استقلال اور اپنے ضمیر کی پیروی کا ثبوت دیا

خطابات و اعزازات کی ضبطی اظہار حق کی وجہ سے

شاہ طہماسپ کی ایران میں برائے نام حکومت تھی۔ اشرف افغان جو محمود افغان کا قاتل بھتیجا تھا تخت ایران کا مدعی تھا۔ نادر چاہتا تھا کہ افغانوں کا ایران سے بالکل خاتمہ کر دے لیکن ایرانی اُمراجن کے قبضہ و اثر میں شاہ طہماسپ تھا کاردبار سلطنت میں نادر کی کوئی پیش نہیں چلنے دیتے تھے۔ آخر نادر نے تنگ آکر بادشاہ کو لکھا کہ وقت آگیا ہے۔ کہ بادشاہ اس بات کا فیصلہ کرے کہ ایسے افغانوں کی نسبت جو غیر ملکیوں کو تکلیف دے رہے ہیں کیا کرنا چاہیئے بادشاہ کو جب یہ رقعہ پہنچا۔ تو وزرائے شاہی نے جو سب نادر کے خلاف تھے بادشاہ کو بھڑکایا اس نے نادر کے تمام خطابات و اعزازات جو بہ حیثیت سپہ سالار خراسان اسے حاصل تھے۔ ضبط کر لئے۔ اور اس سے جواب طلب کیا کہ اس نے اپنے اختیارات سے تجاوز کر کے اس قسم کا خط کیوں لکھا ہے؟ نادر نے جواب میں لکھا۔ خود غرض لوگوں اور ملک کے بدخواہوں کے اثر میں آکر رعایا سے لڑائی مول لینا بادشاہ کی شان کے شایاں نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نادر، بادشاہ پر غالب آگیا اور وہ نالائق وزراء کے اثر سے محفوظ رکھنے کیلئے اسے مشہد لے گیا۔[2]

ترکی و ایران کا معاہدہ ایک محب وطن ایرانی کی نظر میں!

ترکوں اور ایرانیوں میں ۱۷۲۹ء کے اوائل میں اس لئے جنگ شروع ہو گئی۔ کہ ترکوں نے نادر کی خواہش کے مطابق آذربائیجان کو خالی نہ کیا تھا۔ ترک اس جنگ میں قریباً ہر جگہ پسپا ہوتے رہے۔ اسی دوران میں نادر کو اس محاذ پر جانا پڑا جہاں افغانوں نے خراسان پر یورش کی تھی۔ ترکوں نے نادر کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر کمزور طبیعت کے بادشاہ طہماسپ سے اپنے مفید مطلب صلح کا معاہدہ کر لیا۔ نادر اس شرمناک معاہدہ پر سخت برافروختہ ہوا۔ پہلے تو اس نے معاہدہ کی نرم شرائط پر اعتراض کیا۔ اور کوشش کی کہ یہ معاہدہ

---

[2] کتاب ہندوستان پر حملے مترجمہ کارخانہ پیسہ اخبار لاہور صفحہ ۹۷

کسی طرح منسوخ ہو جائے۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر اس نے سلطان المعظم (ٹرکی) کو صاف طور پر کہلا بھیجا۔ کہ یا تو وہ صوبہ آذربائیجان خالی کر دے۔ ورنہ آمادۂ جنگ رہے۔ نادر نے اصفہان میں یہ بھی اعلان کر دیا۔ کہ ٹرکی معاہدہ کی دفعات فوائد ایران کے خلاف ہیں۔ اس لئے ناموس وطن کی خاطر مرنے مارنے کو تیار ہو جاؤ۔ یہ واقعہ ۱۷۳۱ء کا ہے۔ نادر بادشاہ سے ملا۔ بادشاہ نہایت کمزور طبیعت تھا۔ اس نے زبان سے تو کچھ نہ کہا۔ مگر قرائن سے بتایا۔ کہ وہ ٹرکی معاہدہ کو پسند کرتا ہے۔ نادر نے مشورہ کونسل ایسے کمزور بادشاہ کو ملک کی تباہی و ذلت کا باعث بتایا۔ اور اسے معزول کر دیا۔ اور خود ترکوں سے متعدد معرکہ آرائیاں کیں اور ان کا تہس نہس کر کے اکتوبر ۱۷۳۴ء میں ان کو ان شرائط کے منوانے پر مجبور کیا جو نادر نے اپنی خواہش کے مطابق پیش کی تھیں۔ اسی صلحنامہ کے مطابق ترکوں کو ایران کے تمام شمالی صوبجات واپس کر دینے پڑے

مجتہد اعظم کی صاف گوئی نادر شاہ سے

شاہ طہماسپ کی معزولی اور اس کے ہشت ماہہ بچہ عباس ثالث کے انتقال کے بعد تخت ایران خالی تھا۔ چنانچہ وسط جنوری ۱۷۳۵ء میں نادر قلی نادر شاہ بن گیا۔ ملکی مصلحتوں نے اسے مجبور کیا کہ وہ ٹرکی سے رابطۂ اتحاد رکھنے کے لئے شیعہ مذہب کو ترک کر کے اہل سنت و الجماعت ہو جائے۔ چنانچہ جب اس نے لپنے تبدیل مذہب کرنے کا اعلان کیا۔ اکثر علماء تو خاموش ہو گئے بعض نے زبان تو کھولی۔ مگر نادر شاہ کی مرضی کے مطابق۔ مجتہد اعظم ابھی تک خاموش تھے۔ ان کو مجبور کیا گیا۔ تو انہوں نے کہا۔ مذہب کی رہنمائی کے لئے ہمارے پاس قرآن (کلام الہی) اور احادیث رسالت پناہی موجود ہیں۔ مذہب میں ایجاد و اختراع اور تغیر و تبدل کرنا دنیاوی بادشاہوں کا کام نہیں ہے مجھے امید ہے کہ جلالت مآب لپنے دور حکومت کو ایک قائم شدہ مذہب کے بیخ و بنیاد سے اکھیڑنے کی کوشش سے شروع نہ کریں گے ورنہ نتیجہ نہایت خوفناک ہوگا[1]

مجتہد اعظم نادر شاہ کی ہیبت و عظمت کو خوب جانتا تھا۔ اس کو یہ بھی علم تھا کہ میری صاف گوئی اور جذبۂ حریت میرے لئے کسقدر خطرناک ثابت ہوگی۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ شہنشاہ ایران کو یہ کہنا کہ پولٹیکل مصلحتوں سے نہیں بلکہ بحث مباحثہ سے مذہب میں تبدیلی مناسب ہے اپنی موت کی بخیط پیشین گوئی کرنا ہے وہ اس امر سے بھی ناواقف نہیں تھا۔ کہ خلاف رائے سلطان رائے جستن بخون خویش۔ باید دست شستن۔ مگر اس نے یہ سب کچھ جانتے ہوئے اپنے ضمیر کی پیروی

[1] چنانچہ ۱۲ سال کے بعد ۱۰ جون ۱۷۴۷ء کو یہ خوفناک نتیجہ ظہور میں آیا۔ نادر کی زندگی کے آخری تین سالوں میں اس کی بدگمانی شیعہ فرقہ سے بڑھتی گئی اور اس نے بیدریغ بڑے بڑے افسروں کو قتل کرنا شروع کیا رہا تاآنکہ خود بھی بعمر ۶۰ سال فتح آباد میں تاریخ مذکورہ بالا کو قتل ہو گیا۔

کی۔ نادر کے حکم سے مجتہد اعظم کا گلا سر دربار گھونٹ دیا گیا۔ یہ پہلا قدم تھا۔ جو نادر نے اپنی تباہی کی طرف اٹھایا تھا۔

نادر شاہ کے احکام اپنے بیٹے کے نام

نادر شاہ ایران جیسی قدیم اور عظیم الشان سلطنت کا شہنشاہ تھا۔ اس کو کیا ضرورت تھی۔ کہ وہ اپنے بچوں کو عام سپاہیوں میں بھرتی کراتا۔ اور پھر ان کو رفتہ رفتہ لفٹنی وکرنیلی سے سپہ لاری کے عہدہ تک پہونچاتا اور جس عہدہ پر اس کا کوئی فرزند ہوتا۔ اسی عہدہ کی اس کو تنخواہ بھی دلاتا۔ مگر وہ جانتا تھا۔ کہ اگر میرے لڑکے صرف ناز ونعمت ہی میں پرورش پاتے رہے اور دوسرے امرازادوں اور شہزادوں کی طرح اپنی نالائقوں کی وجہ سے اہل دربار کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہی بنے رہے تو یہ سلطنت اور یہ عروج جو اس محنت وجانبازی سے حاصل ہوا ہے۔ صرف میرے دم تک ہی رہیگا اس کا بڑا بیٹا رضا قلی مرزا جو محمد شاہ بادشاہ دہلی کا داماد بھی بنا تھا جب لفٹنی کے عہدہ پر پہنچا۔ تو نادر شاہ نے ایک حکمنامہ کے ذریعہ یہ امر اچھی طرح اس کے ذہن نشین کر دیا۔ کہ کسی جرم یا فرائض منصبی میں غفلت کرنے کی پاداش میں اسے ایسی ہی سخت سزا دی جائے گی جیسی کہ دوسروں کو دی جاتی ہے (از کتاب ہندوستان پر حملے صفحہ ۱۷۴)

اسی تعلیم وتربیت کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ نادر شاہ جب ہندوستان آیا۔ تو رضا قلی میرزا نے باپ کی عدم موجودگی میں عہدۂ نائب السلطنت کے فرائض نہایت خوش اسلوبی وبیدار مغزی سے انجام دیئے۔

نادر شاہی خفیہ پولیس کا کام

خفیہ پولیس آج سے نہیں ہے ہر زمانہ اور ہر حکومت میں اس کا رواج رہا ہے لیکن زمانہ سابق میں اس کا سب سے بڑا فرض یہ تھا۔ کہ اہلکاروں اور عام رعایا کے حالات کی خبریں پہنچانے کے علاوہ گورنروں اور صوبیداروں کے خیالات سے بھی بادشاہ کو اطلاع دیا کرتے تھے۔ رعایا کے ساتھ جو ناانصافیاں اور سختیاں ظالم حکام کی طرف سے ظہور میں آتی تھیں ان کی رپوٹیں بادشاہ تک پہنچاتے تھے۔ چنانچہ نادر شاہ کے زمانہ میں بھی پرچہ نویسوں مخبروں اور جاسوسوں کا بڑا زور تھا۔ ان کی رپورٹوں کے خوف سے گورنر اور دیگر حکام رعایا پر ظلم وستم کرنے سے ڈرتے تھے۔ بلکہ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی۔ کہ ہم رعایا پر عدل وانصاف سے حکومت کریں تاکہ نادر شاہ کی خوشنودیٔ مزاج حاصل ہو (کتاب ہندوستان پر حملے صفحہ ۱۷۳)

نادر میں اور نادر شاہ میں تمیز کرنا سیکھو

ہمارے والیان ریاست بھی اپنے پرائیویٹ کمروں میں منظور نظر مصاحبوں سے بے تکلفی اور ہنسی مذاق کی باتیں کرتے ہیں۔ نادر شاہ بھی تفکرات سلطنت

سے آزاد ہونے کے لئے آزادی و بے تکلفی کی محفل گرم کرتا اور بعض اوقات اپنے پرائیویٹ ملازموں کو دستر خوان بھی مدعو کرتا تھا۔ لیکن ایک فرق ہے۔ جو ہمیں ایرانی و ہندوستانی پرائیویٹ محفلوں میں نظر آتا ہے۔ نادر کا حکم تھا۔ کہ ایسی صحبتوں میں امور سلطنت کے متعلق اشارہ تو کجا بات بھی نہ کی جائے نہ کسی شخص کی یہ جرات تھی۔ کہ بے تکلفانہ گفتگو کی بدولت نادر شاہ کو اپنا دوست تصور کرلے اور اس دوستی پر نازاں ہو کر ملکی معاملات میں مشورہ دینے کی جرات کرے چنانچہ ایک مرتبہ دو آدمیوں نے ایسی ہی غلطی کی۔ نادر نے فوراً ان کو مروا ڈالا اور کہا جو شخص نادر (اصلی نام) اور نادر شاہ (بادشاہی نام) میں تمیز نہیں کرسکتا وہ نالائق منہ لگائے تو کیا زندہ رہنے کے بھی قابل نہیں۔

فصل دوم

مولوی عبداللہ الغزنوی

مولوی عبداللہ الغزنوی کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے سزائے جلاوطنی

آج سے نصف صدی پیشتر امرتسر میں مولوی عبداللہ الغزنوی[1] نہایت نامور عالم و متقی بزرگ گذرے ہیں امرتسر اور لاہور کا خاندان غزنویہ آپ ہی کی ذریات سے ہے۔ آپ اپنی تیزیٔ فہم سے ابتدائے عمر ہی میں علماؤ مشائخ کا درجہ رکھتے تھے۔ حدیث و تفسیر اور کتاب و سنت کی اشاعت کے لئے آپ کی زندگی وقف تھی آپ بھی علم کی پیاس نہ بجھی تو شیخ حبیب اللہ قندھاری کی خدمت میں قندھار میں گئے۔ جو مجتہد وقت امام الزمان اور زہد و تقویٰ میں بے مثل تھے واپس آئے۔ تو لوگوں کو توحید و اتباع سنت کی طرف بلایا اور شرک و بدعت اور مروجہ رسومات سے ان کو منع کیا۔ یہ باتیں چونکہ مسلمانوں

[1] ۱۲۳۰ھ میں بہادر خیل (مضافات غزنی) میں پیدا ہوئے۔ توحید و سنت کی اشاعت میں بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ لاہور دہلی امرتسر میں عرصہ تک رہے امرتسر میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ مولوی عبدالواحد غزنوی امام مسجد چینیانوالی لاہور جو جید عالم اور صالح بزرگ ہیں۔ آپ کے فرزند ہیں۔ امرتسر کے نامور عالم مولوی محمد داؤد غزنوی خلف مولوی عبدالجبار مرحوم آپ کے پوتے ہیں۔ مولوی عبداللہ صاحب نے ۱۲۹۸ھ میں بمقام امرتسر انتقال فرمایا۔

میں عرصہ دراز سے طبیعت ثانیہ ہو چکی تھیں۔ اس لئے بہت لوگ مخالف ہو گئے۔ بعض عالموں نے جب اپنے کاموں میں روڑا اٹکتا دیکھا۔ تو اطراف واکناف میں مولوی عبداللہ کے خلاف فتوے لکھ کر بھیجے۔ اور افغانستان میں ایک شور عظیم پیدا کر دیا جن عالموں اور مولویوں کی دربار کابل میں رسائی تھی وہ امیر دوست محمد خان کے پاس پہنچے۔ جو اس وقت مملکت افغانستان کا فرمانروا تھا۔ اس سے کہا اے امیر تو بیشک بیدار مغز اور حامیٔ دین متین ہے لیکن ایک فتنہ سے غافل ہے جو دین اور مذہب کی آڑ میں تیری سلطنت کو تہ و بالا کر کے خود مدعی بننے والا ہے اگر ایک سال تک تو نے اس کی خبر نہ لی۔ تو تیرے ملک اور تیری بادشاہی کی خیر نہیں ہے۔

مولوی صاحب کو خبر ہوئی۔ کہ کابل اور غزنی کے بعض دنیا پرست اور دین فروش مولویوں نے بادشاہ کے پاس میرے متعلق جھوٹ کا طوفان باندھا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی باتوں میں آکر بادشاہ خواہ مخواہ تکلیف پہنچائے وہ اپنے دوستوں کے مشورہ سے خود بخود کابل چلے گئے۔

فریق مخالف کے مولوی صاحبان بھی بہ تعداد کثیر کابل میں آئے امیر نے چاہا۔ کہ فریقین کے مناظرہ و مباحثہ سے حق و باطل کی امتیاز کرے۔ مگر چونکہ مولوی تعصب و نفسانیت اور مرتبہ و عزت کی محبت میں مبتلا تھے انہوں نے کہا ہمارے پاس معتبر شہادتیں موجود ہیں کہ یہ شخص کافر اور مرتد ہے اس لئے مباحثہ کی ضرورت نہیں ہے امیر دوست محمد خان بلا تحقیقات سزا دینے کے خلاف تھا۔ مگر علماء کے اجتماع عظیم کی مخالفت سے ڈرتا تھا۔ اس لئے بادل نخواستہ گواہوں کو بلایا وہاں بڑے بڑے مولوی لمبی لمبی ڈاڑھیوں والے دستار فضیلت سروں پر باندھے جبّہ اوڑھے ایمان و آخرت کے لحاظ و خوف سے آزاد پہلے ہی موجود تھے۔ کسی نے کہا میرے سامنے اس نے وجود رسالت سے انکار کیا ہے کسی نے کہا یہ خود نبوت کا مدعی ہے غرض جو جس کے جی میں آیا کہہ دیا۔ امیر نے ملّاؤں کے خوف سے آپ کو حدود کابل سے نکال دیا۔ آپ وہاں سے سوادنیر وہاں سے ہزارہ اور پھر دہلی پہنچے جہاں مولوی سید نذیر حسین مرحوم سے سند حدیث حاصل کی۔ یہ تو تحقیق معلوم نہیں کہ آپ کس سنہ میں دہلی گئے کتنا عرصہ وہاں رہے۔ البتہ آپ کی واپسی اس زمانہ میں ہوئی ہے جب دہلی کا غدر ۵۷ء اپنے نتائج بد سے عالم وجاہل امیر و غریب، شریف و رذیل سب کے لئے سوہان روح کا باعث ہو رہا تھا۔

بعض عالموں کا جھوٹی گواہی دینے سے اقرار	مولوی عبداللہ کے خلاف جن عالموں نے جھوٹی گواہیاں دی تھیں ان میں اکثر سلطنت کے وظیفہ خوار تھے ان سب کا افسر خان ملا خان

تھا اس کی تحریک و زبردستی سے ان سب مولویوں نے بھرے دربار میں اپنے ایمان کا ستیاناس کیا تھا۔ بعض مولوی جب واپس اپنے گھروں کو آئے تو لوگوں نے پوچھا کیا فیصلہ کر آئے بعض ان میں انصاف پسند بھی تھے۔ مگر تنخواہوں اور وظیفوں اور سالیانوں کے خوف اور اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے جھوٹی گواہی دینے کے لئے کابل چلے گئے تھے انہوں نے جواب میں کہا۔ فیصلہ کرنے کون گیا تھا۔ ہم تو اپنا ایمان کابل چھوڑنے کیلئے گئے تھے بعض مولویوں نے نزع کے وقت اپنی جھوٹی گواہی کا اقرار کیا۔ اور خدا سے بخشش طلب کے امیدوار رہے یہ وہ لوگ تھے جو مولوی عبداللہ کو حق پر سمجھتے تھے۔ مگر صرف حکام رسی۔ جاہ طلبی اور سنہری و روپہلی مصلحتوں کی وجہ سے اظہار حق کی جرأت نہ رکھتے تھے بلکہ حق کو دبانے کے درپے تھے۔ اور ہماری بدقسمتی سے اس زمانہ میں بھی ایسے مولویوں اور سجادہ نشینوں اور جبہ پوشوں کی کمی نہیں ہے۔

مولوی عبداللہ الغزنوی کا خط امیر شیر علی خان کے نام

کچھ عرصہ کے بعد آپ اس خیال سے کہ شاید اب امیر دوست محمد خان کا خیال بدل گیا ہو۔ افغانستان آ گئے۔ آپ کے دشمنوں کو خبر ہوئی۔ وہ امیر دوست محمد خان کے پاس پہنچے اور آپ کے اخراج کا پروانہ لے آئے آپ اہل و عیال سمیت ایک بستی میں جا چھپے۔ دشمنوں نے وہاں بھی آپ کو نہ ٹھہرنے دیا۔ آخر آپ یاغستان چلے۔ آپ کے مخالف مولوی بہت سی مسلح جمعیت لیکر آپ پر چڑھ آئے آپ کے گھروں کو جلا دیا آپ کے کئی ایک دوست زخمی ہو گئے۔ آپ کا اسباب اور کتابیں دشمنوں نے لوٹ لیں آپ ظالم حاکموں اور خود غرض اہل جاہ مولویوں کے ہاتھوں ستم اٹھاتے وہ بدہ کوہ بکوہ پھرتے تھے۔ ابھی اثنا میں امیر دوست محمد خان کا ہرات میں انتقال ہو گیا اور تخت کابل پر امیر شیر علی خان بیٹھا آپ نے نئے امیر کے نام ایک چٹھی لکھی کہ اظہار حق اور اتباع سنت کی خاطر حاسدوں کے افترا اور ان کی تہمتوں کا نشانہ ہورہا ہوں۔ امیر مرحوم نے بغیر تحقیق احق کے مجھے جلا وطن کر دیا۔ امید ہے کہ آپ اُن کی پیروی نہ کریں گے۔ لیکن امیر شیر علی خان بھی گرد و پیش کے حالات کی وجہ سے مجبور تھا اس نے بھی جلا وطنی کے حکم کو برقرار رکھا جب آپ کو کوئی جگہ امن و امان کی نظر نہ آئی۔ تو آپ تن تنہا جنگل کی کسی غار میں جا کر چھپ رہے

شیدایان حق موت سے نہیں ڈرتے

امیر شیر علی خان کے اقبال کے بعد امیر محمد افضل خان کابل کا بادشاہ ہوا اس کے عہد میں غدار سرداروں کے رسالہ کی مدد سے آپ گرفتار کر لئے گئے

اس وقت آپ کے تین فرزند مولوی محمد، مولوی عبداللہ، مولوی عبدالجبار، آپکے ہمراہ تھے۔ جب آپ حاکم صوبہ سردار محمد عمر خان پسر امیر دوست محمد خان کے پیش ہوئے۔ تو اس نے کہا مولوی صاحب! جو کچھ علمائے عصر کہتے ہیں آپ کیوں ان کے خلاف چلتے اور تکلیفیں اٹھاتے ہیں آپ نے کہا کتاب و سنت کا نام یہ دین فروش مولوی مٹا رہے ہیں میں ان کا ساتھ کس طرح دے سکتا ہوں۔ سردار محمد عمر خان کے جرنیل نے کہا۔ اس شخص کو میرے حوالے کیجئے۔ کہ ابھی اس کو توپ سے اڑا دوں آپ نے کہا جب تک جان بدن میں ہے۔ کتاب و سنت کے احکام کی اشاعت کی سرگرمی کبھی کم نہ ہوگی۔ اس راہ میں میرے ٹکڑے ہو جائیں۔ میری انتڑیاں جنگل کے درختوں اور کانٹوں پر ڈالی جائیں اور پھر ان پر کوے اپنی چونچیں ماریں۔ تو میری روح کو انتہائی مسرت حاصل ہوگی یہ استقلال دیکھکر سردار محمد عمر خان نے بہ حفاظت تمام عزت کے ساتھ امیر محمد افضل خان کے پاس کابل میں روانہ کر دیا۔ افضل خان کے دربار میں ملا نصراللہ وغیرہ علماء موجود تھے انہوں نے کہا ہم امیر دوست محمد خاں کے زمانہ میں اس کا کفر وارتداد ثابت کر چکے ہیں اس لئے دوبارہ تحقیق کی ضرورت نہیں ہے آخر علماء نے قتل کے فتوے کی تجویز پیش کی۔ مگر ملا مشکی کے اختلاف سے یہ فتوے ترک کر کے سو دروں کے مارے جانے کی تجویز پاس ہوئی اور یہ بھی کہ دروں کے علاوہ سر اور داڑھی مونڈی جائے منہ کالا کیا جائے اور گدھے پر سوار کر کے سارے شہر میں ان کو تشہیر کرایا جائے ان سزاؤں میں آپکے تین بیٹے جو آپ کے ہمراہ ہی گرفتار ہوئے تھے شامل تھے۔ آپ کے مکتوبات اور سوانحعمری میں لکھا ہے تین آدمی نوبت بہ نوبت آپ کو مارتے تھے جب ایک تھک جاتا تو دوسرا اس کے ہاتھ سے درہ پکڑ لیتا اس دن کسی کو آپکے بچنے کی امید نہ تھی۔ کیونکہ آپ ضعیف العمر تھے اور درے سو سے زیادہ لگائے گئے تھے اس زدوکوب اور تشہیر کے بعد آپ کو آپکے بیٹوں سمیت قید خانہ میں ڈالدیا گیا چند دنوں کے بعد ایک شخص آپ کے پاس زندان میں آیا اور آپکے واقعہ کو یاد کر کے رونے لگا۔ آپ نے فرمایا عزت اور داڑھی کیا چیز ہے۔ کیوں روتے ہو؟ شکر کرو کہ دین کی نعمت ہاتھ سے نہیں گئی۔ البتہ ان بے دینوں کے لئے رونا چاہئے جو دنیا کی خاطر دین کو اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھے دو سال تک آپ قید خانہ میں رہے امیر محمد افضل خان کے مرنے کے بعد جب امیر اعظم خان کی باری آئی تو اس نے عین گرمی کے دنوں میں قید سے رہا کر کے حکم دیا کہ ان کو حدود افغانستان سے باہر نکالکر پشاور پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ نہایت سخت گیر

اور سنگدل سپاہیوں کے پہرہ میں پا پیادہ آپ کو پشاور پہنچایا گیا۔

اہل اللہ انتقامی جذبات کے تابع نہیں ہوتے

مولوی عبدالاحد خانپوری نے ایکدن آپ سے کہا میرے لئے دعا کیجئے۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہر تکلیف و مصیبت میں ایمان کی استقامت نصیب کرے۔ آپ نے فرمایا۔ میں تو اس شخص کے حق میں بھی دعا کرتا ہوں جو کابل میں مجھکو نہایت سختی کے ساتھ دُرّے مارتا تھا کیونکہ وہ جاہل تھا جانتا نہ تھا کہ کس کو مار رہا ہوں۔ اور کس جرم پر مار رہا ہوں۔ تمہارے لئے کیونکر نہ دُعا کروں۔ بلکہ میرے دل سے تو بے اختیار تمام مسلمانوں کے لئے دعا نکل رہی ہے۔

مولوی عبداللہ الغزنوی اور زیارات قبور

مولوی عبداللہ صاحب پشاور۔ لاہور۔ دہلی وغیرہ سے ہوکر واپس امرتسر آنے لگے۔ تو سرہند میں حضرت خواجہ مجدد الف ثانی امام ربانیؒ کے مزار پر بھی گئے۔ بعض لوگوں نے منع کرنے میں مبالغہ سے کام لیا اور کہا آپ قاطع بدعات ہوکر مزاروں پر جاتے ہیں آپ نے فرمایا جس ولیمہ کی دعوت میں ڈھول ڈھمکا ہو۔ وہاں جانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ صاحب ولیمہ نے ایک ایسا کام کیا ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی اس لئے وہ زجر و توبیخ کے قابل ہے حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی نے کسی بدعت کا حکم نہیں دیا۔ نہ وہ خود ان لوگوں میں تھے (بلکہ انہوں نے دین کو از سر نو زندہ و تازہ کیا) اس لئے ایسے عذرات پر اپنے آپ کو زیارت قبر اور صاحب قبر کو دعا کے فایدہ سے محروم کرنا مناسب نہیں ہے آپ وہاں دیر تک کھڑے ہوکر دعا کرتے رہے اور اس وجد و کیفیت خضوع و خشوع کے ساتھ اور اتنی دیر تک کہ آپ کے ہمراہیوں کو وہاں کھڑے ہونے کی تاب نہ رہی[1]

مولوی صاحب کا اپنے بیٹے کو ملازمت کرنے سے منع کرنا

آپ کے فرزند مولانا سید احمد مرحوم لکھتے ہیں میں ایک مرتبہ غزنی سے اپنے والد محترم کے پاس قریہ خیرالدین میں آیا اور کہا تنگدستی سے بسراوقات ہو رہی ہے۔ اجازت دیجئے۔ کہ ملازمت کروں آپ نے فرمایا میرے پاس نہ دینار ہیں۔ نہ درہم بلکہ جاہ و مرتبہ بھی اوروں کے لئے ہے ہمیں ان باتوں سے کیا سروکار۔ توحید الٰہی کی اشاعت میری طرف سے میراث میں قبول کرو۔ میں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے وہ ایسا امین ہے کہ کسی کی امانت ضایع نہیں کرتا۔ اہل دول اور امراؤ خانان کی ہمنشینی سے پرہیز کرنا اور ان کے اختلاط کو زہر قاتل تصور کرنا کلام الٰہی کو نور صدر اور جلاء حزن و ذہاب سمجھنا اور سچے مومن بنے رہنا۔ پھر انشاء اللہ کشادگی و فراخی نصیب ہوگی۔

---

[1] از سوانح عمری مولوی عبداللہ الغزنوی صفحہ ۴۱۔

(۱۴) باب چہاردہم

سلاطین کشمیر امیران سندھ فرمانروایان گجرات شاہان دکن وغیرہ

فصل اوّل

سلاطین کشمیر

کشمیر میں اسلام کی ابتداء ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۵ء سے ہوتی ہے۔ ۲½ سال تک کشمیر کا سب سے پہلا نومسلم ملک صدرالدین (سابق بادشاہ کشمیر اصل نام رنچن شاہ) تخت کشمیر پر اسلامی رنگ میں حکمران رہا لیکن اس کی موت کے بعد ۱۵½ سال تک پھر سابق راجگان کشمیر کی حکومت قائم ہو گئی آخر ۷۴۴ھ میں شاہ میر عرف سلطان شمس الدین (جو ملک صدرالدین کا وزیر بھی رہ چکا تھا) تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا اس کے خاندان میں ۲۱۱ سال (۹۶۱ھ مطابق ۱۵۸۶ء تک حکومت رہی اسی خاندان میں سلطان قطب الدین شہیر کا نامور بادشاہ گذرا ہے

امیر کبیر سید علی ہمدانی کا بادشاہ کو خلاف شرع امور سے منع کرنا

۷۸۱ھ میں امیر کبیر سید علی ہمدانی بار دوم کشمیر میں آئے۔ قطب الدین حسن عقیدت سے پیش آیا۔ اور اکثر اوقات ان کی خدمت میں حاضر بھی ہوتا حضرت امیر کو معلوم ہوا کہ سلطان کے عقد میں دو سگی بہنیں ہیں انہوں نے نہایت تعجب ظاہر کیا اور ان مفتیوں اور عالمان دین کی حمیت دینی پر رنج و افسوس کیا۔ جنہوں نے بادشاہ کا نکاح دو سگی بہنوں سے کرایا اور بادشاہ کی حرکت پر اس کو چشم نمائی نہ کی۔ حضرت امیر نے خود سلطان سے کہا۔ شریعت اسلامیہ ایک ہی وقت میں دو حقیقی بہنوں کے نکاح کی ایک ہی شخص کے ساتھ اجازت نہیں دیتی

آپ بادشاہ اسلام ہو کر یہ کیا ظلم کر رہے ہیں؟ سلطان نے ایک کو طلاق دیدی اور کہا حضرت کے سوا مجھے اس حرکت سے آجتک کسی نے نہیں ٹوکا۔

میر محمد ہمدانی کی نصیحت بادشاہ کشمیر کو

سلطان سکندر بت شکن سلطان قطب الدین کا بیٹا تھا۔ وہ ۷۹۶ھ سے ۸۲۰ھ تک کشمیر کا بادشاہ رہا ہے۔ سیہ بٹ نام ایک ہندو سلطان سکندر کا وزیر تھا وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے اپنی بیٹی سید میر ہمدانی (خلف امیر کبیر سید علی ہمدانی) کے ساتھ بیاہ دی۔ ہندو اس سے نفرت کرنے لگے اس کے دل میں بھی گرہ بیٹھ گئی۔ اس نے کہہ سنکر اور چاروں طرف ہندوؤں کی ناراضگیوں اور سرگوشیوں کے آثار دیکھکر بادشاہ کو ان کی بیخکنی پر آمادہ کر لیا چنانچہ اس وزیر کے ہاتھوں ہندوؤں پر نہایت سختیاں ہوئیں۔ یہانتک کہ اکثر لوگوں نے بہ جبر و اکراہ اسلام قبول کر لیا۔ اکثر مندر منہدم کر دیئے گئے اور اکثر ہندو سختی و تشدد کی وجہ سے بے وطن ہونے پر مجبور ہو گئے۔

میر محمد ہمدانی ابتدا میں تو خاموش رہے لیکن آخر بادشاہ کو سمجھایا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو۔ اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کی اشاعت محبت خلق اور اعمال حسنہ کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اور اب بھی اسی طرح ہوتی رہے گی۔ تلوار کو قابو میں رکھو۔ اور تالیف قلوب سے کہ بادشاہوں کا آئین ہے کام لو۔ یہ بیرحمی و ظلم کسی دین میں جائز نہیں سلطان پر اس نصیحت کا اثر ہوا اور اس نے وزیر کو اس ظلم و جبر سے بحکم خاص منع کر دیا۔

یہ سلطان بذاتہ بہت نیک تھا۔ اس نے شراب کشید کرنے۔ بیچنے۔ خریدنے اور پینے کی ممانعت کر دی تھی۔ سب سے پہلے ستی کی رسم بھی جس کے رو سے ہندو عورت اپنے مردہ شوہر کے ساتھ زندہ جلائی جاتی تھی۔ اسی بادشاہ نے موقوف کی۔

سلطان زین العابدین کے انصاف وعدل کی حیرت انگیز مثالیں

سکندر کے بعد اس کا بیٹا شاہی خان زین العابدین کے نام سے کشمیر کا بادشاہ ہوا۔ اس بادشاہ نے اپنے عدل و انصاف اور اپنی بے تعصبی و علم دوستی اور مردم شناسی کی وجہ سے کشمیر کا نام چار دانگ عالم میں روشن کر دیا۔ ہندو اس بادشاہ کو ایک اوتار سمجھتے تھے۔ مورخان ہنود اس بادشاہ کے انصاف کے متعلق لکھتے ہیں۔ ایک شہزادہ دریا کی سیر کر رہا تھا جب عالی کدل[1] پہنچا۔ وہاں ایک پنڈتانی کو دیکھا۔ جو غارت گر ہوش و حواس تھی۔ اس پر اشارہ و کنایہ سے ڈورے ڈالنے شروع کئے

[1] سرینگر کے ایک پل کا نام جو سلطان علاء الدین کے نام پر ہے۔

وہ حسن کی دیوی عصمت و پاکدامنی کا ایک نمونہ تھی۔ اس نے خاوند سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ مورخان ہنود لکھتے ہیں۔ کہ شاہزادہ اسی وقت اس کے خاوند کی بددعا سے بیمار ہو گیا۔ سلطان کو کسی نہ کسی طرح اصل واقعہ کی خبر ہو گئی۔ وہ پابرہنہ برہمن کے گھر گیا۔ اور شاہزادے کی دعائے صحت اور معذرت و ندامت کا خواستگار ہوا۔ برہمن نے بادشاہ سے کہا جب بادشاہ اور شاہزادے اپنی رعایا کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے۔ تو غریب رعایا کا کہاں ٹھکانا ہوگا۔ غرض بادشاہ قصور معاف کرا کر واپس آیا اور شاہزادہ کو بھی اسی وقت صحت ہو گئی۔ سلطان کے ایک مسلمان مقرب و مصاحب نے شراب کے نشہ میں کسی بات پر خفا ہو کر ایک ہندو کو اس قدر مارا کہ وہ بیچارا جان ہی سے جاتا رہا۔ سلطان زین العابدین کو خبر ہوئی۔ حکم دیا اس روسیاہ کو گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں تشہیر کیا جائے۔ تا کہ شراب نوشی کا انجام اور تقرب شاہی کے گھمنڈ میں کسی بیگناہ کے قتل کا نتیجہ معلوم ہو اور باقی لوگ بھی خبردار ہو جائیں۔

خلاف شرع امور دیکھکر ایک عالم کا بادشاہ کی مجلس کو ترک کر دینا

سید محمد امین منطقی (خلف سید حسین منطقی بیہقی) کشمیر کے نامی علماء میں تھے۔ سلطان زین العابدین نے جب جھیل وُلر میں اپنا عالیشان محل زینہ لنک[1] تعمیر کیا۔ تو جشن شکرانہ میں مولانا منطقی کو بھی بلوایا۔ وہ آئے اور دیکھا کہ جشن شکرانہ تو صرف نام ہی نام ہے۔ یہاں تو تمام امور نامشروع کا شور و شر برپا ہے۔ ناچ رنگ کی محفلیں گرم ہیں اور حمد الہی کا کہیں نام و نشان ہی نہیں۔ آپ کی رگ حمیت جوش میں آئی۔ بادشاہ کو سمجھایا۔ کہ یہ "دھوم دھمکا" شرع اسلام کے خلاف ہے۔ مگر بادشاہ نے جلسہ کو برہم کرنا مناسب نہ سمجھا۔ آپ موقع پا کر وہاں سے غائب ہو گئے۔ آخر عمر میں آپ نے بادشاہ کی مصاحبت بھی ترک کر دی تھی۔

بادشاہ کی دعوت سے انکار

اسی سلطان کے عہد میں ایک نامی بزرگ شیخ بہاء الدین گنج بخش (ہمعصر شیخ نور الدین ولی) صاحب کمال گذرے ہیں۔ سلطان زین العابدین نے ایک مرتبہ آپ کو محلات شاہی میں آنے اور دریا کی سیر کرنے کی دعوت دی۔ آپ نے کہلا بھیجا ہم فقیروں کو سیر دریا اور محلات شاہی سے کیا نسبت و تعلق ہے ہمیں معاف رکھو۔ ہم سلطنت کے دور ہی سے دعاگو ہیں۔ کیا کشمیر میں آج بھی یہی حال ہے؟

زین العابدین کشمیر میں بڈشاہ (سلطان المعظم) کے نام سے مشہور ہے اس کی حکومت ۸۲۶ھ

---

[1] زینہ لنک عین ولر میں واقعہ ہے۔ سمبت ۱۹۱۱ء میں ایک مرتبہ وہاں گیا۔ مکان کا نام و نشان نہیں تھا دیواریں گری ہوئی تھیں۔ ایک مسجد البتہ موجود تھی۔

سے ۹۱۷ھ تک رہی ہے۔ اس کی بنا کردہ نہروں کے آثار اب تک کشمیر میں موجود ہیں۔ محکمہ آبپاشی اور محکمہ تراجم بھی اس نے قائم کئے تھے۔

ایک کشمیری رئیس کی سردربار جرأت

آخر اس خاندان (شہمیری) کو بھی زوال آیا۔ ۹۴۷ھ سے ۹۵۸ھ تک میرزا حیدر[1] ترک سلطان نازک شاہ کے زمانہ میں سلطنت کا مختار کل تہا۔ اور بادشاہ اس کے آگے دم نہ مار سکتا تھا۔ اس زمانہ میں خاندان چک کا بڑا عروج تہا۔ وہ سلطنت کے کاموں میں برابر کے مدعی اور حصہ دار بنتے تھے۔ میرزا حیدر نے خواجہ بہرام خلف مسعود چک سے جو کشمیر کا نامی جنگ جو امیر تہا حلف قرآن اور عہد و پیمان کے بعد صلح کر لی۔ اور سلطنت کی متابعت کے وعدہ پر اس کا عہدہ و منصب برقرار رکھنے کا وعدہ کیا۔ لیکن جب وہ حاضر دربار ہوا۔ تو میرزا میرک میرزا حیدر کے ایک متوسل نے خنجر نکال کر اس کا فیصلہ کر دیا۔ عیدی رینہ کو جو اس وقت دربار میں موجود تہا۔ اس وعدہ خلافی پر سخت طیش آیا۔ اس نے میرزا حیدر سے کہا تمہارے وعدے تو گوز شتر سے بھی زیادہ بے حقیقت ہیں۔ عہد و پیمان اور صلح صفائی کے بعد قتل کرنا اور اپنی بدعہدیوں کا ثبوت دینا ترکوں ہی کا کام ہے۔ یہ کہکر دربار سے اٹھکر روانہ ہونے لگا۔ میرزا حیدر نے معذرت چاہی کہ مجھے اس واقعہ سے مطلق آگاہی نہیں ہے۔ میں بالکل بیخبر ہوں۔ علی رینہ نے کہا اگر یہ واقعہ صحیح ہے۔ کہ آپ کو خبر نہیں ہے۔ تو قاتل کو سزا ملنی چاہیئے۔ ورنہ اس بدعہدی کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ میرزا حیدر نے حکمت عملی سے معاملہ کو ٹالدیا۔ لیکن لوگوں میں بے اعتباری کی جو گرہ بیٹھ گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۹۵۸ھ میں مرزا قتل کر دیا گیا

زوال خاندان شہمیری کے بعد کشمیر کا تخت و تاج خاندان چکان کے قبضہ میں آیا۔ ۳۳ سال دو ماہ چکان کی حکومت رہی۔ ۹۸۶ھ میں اکبر کا اقبال تسخیر گوجرات و بنگال کے بعد کشمیر کی طرف بڑھا اور وہاں فتحیاب ہو گیا۔

بادشاہ کشمیر نے اپنے بیٹے کو مروا دیا مگر عدل و انصاف پر دہبہ نہیں لگنے دیا

غازی چک خاندان چکان کا پہلا بادشاہ ہوا ہے اس کے عدل و انصاف کا یہ حال تہا کہ وہ اپنے بیٹے تک کا بھی لحاظ نہ کرتا تھا ملک چاڈورہ (کشمیر کا نامور مؤرخ) اس کے اوصاف حمیدہ کے

[1] بابر کا خالہ زاد اور میرزا سعید والئے کاشغر کا چچیرا بھائی تہا علوم عقلی و نقلی میں ماہر۔ دس سال تک کشمیر کا حکمران رہا۔ آخر ایک جنگ میں کشمیریوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ تاریخ رشیدی اسی کی تصنیف ہے۔ مزار السلاطین (مہاراج گنج سرینگر) میں اسکی قبر جس پر ۱۹۲۳ء میں کرنل سورکھ افسر نے کتبہ بھی لکھوا دیا تہا موجود ہے مگر شکستہ ہو رہی ہے۔

سے متعلق لکھتا ہے ایکدفعہ غازی چک کے ایک ملازم نے کسی سے زبردستی کچھ پھل چھین لیا اور حیدر چک کی نذر کیا پھل کا مالک غازی چک کے پاس فریاد لیکر پہنچا۔ غازی چک نے تحقیقات کی۔ تو معلوم ہوا پھل حیدر چک کے پاس ہے پھل واپس منگوا کر اصل مالک کے سپرد کیا۔ اور خائن کے ہاتھ کٹوا دیئے تاکہ اوروں کو آئندہ کے لئے تنبیہ رہے حیدر چک کو خبر ہوئی۔ وہ برآشفتہ ہوا۔ اور باپ کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ شاہزادہ کے ماموں ملک محمد نے اس کو اس حرکت سے منع کیا حیدر چک نے ماموں کو اپنے باپ کا خیر خواہ سمجھکر قتل کرا دیا۔ غازی چک کو اطلاع ہوئی وہ سخت غضبناک ہوا حکم دیا موت کا بدلہ موت اور خون کا بدلہ خون ہے۔ امراء وزراء نے جان بخشی کی سفارش کی مگر ایک کی نہ مانی اور اپنے عدل و انصاف پر دھبہ نہ لگنے دیا۔

حق گوئی کے جرم میں قاضی موسیٰ کی شہادت اور اس کی ماں کے کلمات حیرت انگیز

شاہان چک عقائد کے لحاظ سے شیعہ تھے اہل سنت ان کے عہد (۳۳ سالہ حکومت) میں سخت مصائب کا شکار رہے۔ یعقوب شاہ چک آخری بادشاہ چکان کے زمانہ کا ذکر ہے کہ بادشاہ اور وزیر (محمد بٹ) دونوں اہل سنت کی بربادیوں کے درپے تھے جامع مسجد کی تجدید و مرمت کیلئے قاضی موسیٰ نے جو کشمیر کے قاضی القضاۃ تھے اور علوم و فنون میں ماہر مسلمانوں کو تحریک کی۔ حکومت چونکہ شیعہ تھی اس کو یہ بات سخت ناگوار گذری مختلف طریقوں سے قاضی پر ناراضگی کا اظہار بھی ہوا۔ مگر وہ اپنے ارادہ سے نہ رُکے۔ آخر حکومت نے قاضی کو حکم دیا کہ وہ اس امر کا فتوےٰ لکھدے کہ موذن لوگ اذان کے ساتھ کلمہ علی ولی اللہ شامل کر کے پڑھا کریں۔ قاضی نے اس قسم کا فتوےٰ لکھنے سے انکار کر دیا۔ دربار کی نظروں میں یہ حق گوئی و حبارت صادقہ بہت بڑا جرم تھا۔ آخر قاضی موسیٰ ایک باغی کے ساتھ رابطہ رکھنے کے مصنوعی جرم میں برسر دربار شہید کر دیئے گئے۔ وزیر اور بادشاہ کا کلیجہ اس پر بھی ٹھنڈا نہ ہوا۔ تو ایسے عالم فاضل یگانہ روزگار شیخ الاسلام کی لاش ہاتھی کی دم سے باندھکر تمام شہر میں پھرائی جب اس کی لاش اس کے گھر پہنچی تو جانتے ہو۔ اس کی دردرسیدہ اور زخم خوردہ شیر دل ماں نے بیٹے کا یہ حال دیکھکر کیا کہا؟ نہ وہ روئی نہ چلائی۔ نہ اس نے بین کئے۔ نہ نالہ و زاری سے کام لیا۔ اس نے اپنے عقل کل بیٹے کی ننگی لاش کو اپنے سر کے کپڑے سے ڈھانک دیا اور کہا۔ الحمدللہ میرا بیٹا عالم باعمل نکلا۔ اس نے دین بیچنے کے لئے نہیں پڑھا تھا میں خدا کا شکر کرتی ہوں کہ وہ خدا کی راہ میں شہید ہوا ہے۔

جس کشمیر میں اس دل و دماغ کی عورتیں گذر چکی ہوں۔ ایسی ایمانی و روحانی ترقیاں رہی ہوں

ایسی حریت حق گوئی اور مصائب و تکالیف بلکہ تشدد و آمیز موت کی برداشت کا دور دورہ رہا ہو۔ آج وہاں نہ علم ہے نہ عمل نہ حریت نہ حق بیانی مسلمانوں کے دلوں میں نور ایمان اور نعرہ حق کی جگہ ایک ہو کا عالم نظر آرہا ہے۔

کشمیر کے ایک عالم کا منصب قضا سے انکار

مولانا حیدر رتیلو بن خواجہ فیروز کاشمیری کشمیر میں بڑے پایہ کے عالم فاضل فقیہہ محدث گذرے ہیں۔ سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا۔ جوانی میں کشمیر جیسے جنت نظیر وطن سے باہر نکلے اور دہلی میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے حدیث فقہ اور علوم تفسیر کی تکمیل کی صاحب فتویٰ و عالم بےنظیر ہو کر واپس آئے۔ ناظم کشمیر تین مرتبہ آپکے پاس آیا اور کشمیر کی قضا کا عہدہ پیش کیا۔ مگر آپ نے ہر بار درس و تدریس کے سلسلہ میں حرج واقعہ ہونیکا عذر پیش کیا۔ جب تقاضائے شدید عمل میں آیا اور ناظم نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ تو آپ شہر (سرینگر) سے کہیں باہر چلے گئے۔ اور کئی دنوں تک غائب رہے۔ جب دوسرا شخص منصب قضا پر مقرر ہو گیا تو آپ پھر اپنے مکان پر واپس آگئے۔ بزمانہ شاہجہان ۱۰۵۷ھ میں آپنے وفات پائی[1]

آہ! آج وہی کشمیر ہے جہاں اول تو چار دل طرف جہالت و بے علمی کا ابن برس رہا ہے اور اگر کوئی عالم نظر بھی آجاتا ہے تو وہ عمامہ و جبہ اوڑھکر حکام کی دریوزہ گری پر کمر بستہ دکھائی دیتا ہے۔

فصل دوم

امیران سندھ

حجاج بن یوسف خلفائے بنی امیہ (عبدالملک (ولید) کے عہد میں حاکم عراق و عرب تھا جب محمد قاسم سندھ میں آیا۔ تو اس زمانہ میں راجہ ڈاہر سندھ کا ایک زبردست برہمن راجہ تھا۔ ہندوستان کے دیگر تمام راجے اس کے استقلال و قوت سے خائف تھے۔ تمام راجاؤں نے ملکر رائے رل والئے قنوج کی سپہ سالاری میں راجہ ڈاہر پر لشکر کشی کی۔

[1] حدائق الحنفیہ حدیقہ یازدہم صفحہ ۹۰م

مسلمان مسلمان کا خون کریگا تو جہنم میں جائے گا

راجہ ڈاہر کے پاس ایک عرب علافی محمد نام[1] نہایت جنگ جو بہادر رہتا۔ اس کے پاس جاگیر بھی تھی۔ عربان علافی بھی بہ تعداد کثیر موجود تھے۔ راجہ ڈاہر ہمیشہ اس کی مدد کرتا رہتا تھا۔ اس موقعہ پر راجہ ڈاہر کی اس نے وہ مدد کی کہ سپہ سالار افواج ہند کے چھکے چھوٹ گئے۔ فوج ہند پریشان ہو کر بھاگی اور اس کا اکثر حصہ اسیر ہوا۔ راجہ ڈاہر نے محمد علافی کی طاقت میں اور بھی اضافہ کیا۔ اور اسے بہت نوازا۔ محمد قاسم۔ حجاج بن یوسف کا عمزادہ اور داماد تھا۔ خلیفہ ولید نے ۹۲ھ میں اس کو سندھ کی طرف روانہ کیا۔ یہ وہی زمانہ تھا کہ راجہ ڈاہر راجایان ہند کی فوج کو شکست دیکر نہایت غرور و تکبر سے حکومت کر رہا تھا جب اسے خبر ملی کہ عرب سے ایک طوفان چلا آرہا ہے تو اسے فکر ہوئی۔ ڈاہر نے عربان علافی کو جمع کیا۔ اور پوچھا کوئی تجویز بتاؤ کہ اس طوفان سے کشتی حیات کو نجات ملے۔ علافیوں نے کہا۔ اس طوفان عظیم کا مقابلہ بہت مشکل ہے ڈاہر نے محمد حارث علافی سے کہا مجھ پر یہ وقت نہایت نازک ہے۔ تم لشکر کے سپہ سالار بنو اور اس وقت اس خطرناک دشمن سے مجھے بچاؤ۔ محمد حارث نے کہا ہم بدل و جان مع اپنی جماعت اور اپنے مال کے آپ کی خدمت کیلئے حاضر ہیں جس کا ثبوت بھی آپ وقتاً فوقتاً دیکھتے رہے ہیں لیکن اس وقت جن کے مقابلہ پر آپ ہم کو لیجانا چاہتے ہیں وہ مسلمان ہیں۔ ان کا خدا ان کا پیغمبر ان کا صحیفہ آسمانی وہی ہے۔ جو ہمارا ہے۔ ہم کو تاکید ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھو۔ اس لئے ہم اپنے برادران اسلام کے خون میں ہاتھ ڈبو کر مرتد ہونا اور مرنے کے بعد جہنم میں جانا نہیں چاہتے۔ کسی نامسلمان دشمن کے مقابلہ پر ہم کو بھیجئے اور پھر ہماری شجاعت و وفاداری کے جوہر دیکھئے۔ مسلمان کے مقابلہ میں بھیجکر عاقبت میں ہماری روسیاہی نہ کیجئے۔ راجہ ڈاہر نے اس جواب پر دل میں بہت برا منایا۔ مگر خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا آخر محمد قاسم نے ماہ رمضان المبارک ۹۳ھ میں راجہ ڈاہر اس کے بیٹوں اور اس کے لاؤ لشکر پر کامیابی حاصل کی[2]

---

[1] بزمانہ حجاج بن یوسف عربان علافی کا ایک گروہ کرمان و خراسان کے درمیان بود و باش رکھتا تھا عبدالرحمان بن اشعث کو تسخیر ایران کے لئے بھیجا گیا۔ عربان علافی نے جو سردار تھے۔ عبدالرحمان کو قتل کر دیا اور آپ بخوف جان سندھ میں بھاگ آئے راجہ ڈاہر والئے سندھ نے ان کو جنگجو اور شجاع دیکھکر ان کو پناہ دی اور ان کا اعزاز بڑھایا اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ان سے بہت کام لیتا رہا۔

[2] تاریخ سندھ از صفحہ ۲۱ لغایت ۲۶ مصنفہ مرزا محمد کاظم برلاس مراد آبادی۔

مسلمان کے خون ناحق سے خوف

سندھ کے حکمران طبقہ میں ایک طبقہ جامان سمّہ کے نام سے گذرا ہے۔ اسکی حکومت ۷۵۲ھ سے ۹۲۷ھ تک سندھ میں رہی ہے۔ ٹھٹھہ اس کا دارالحکومت تھا۔ اس کے زوال کی تاریخ خرابی سندھ "۹۲۷ھ" ہے۔ اس خاندان کے آخری حکمرانوں میں جام نظام الدین ایک نہایت عادل مرد مسلمان حاکم گذرا ہے۔ اس کا عہد نہایت با امن سمجھا جاتا ہے۔ اس کو اسلام کا اور مسلمانوں کا اسقدر خیال تھا کہ اس کے عہد میں شاید ہی کوئی بدقسمت مسلمان بغیر صوم و صلوٰۃ کے رہا ہو۔ وہ ہر ہفتہ اپنے اصطبل میں جاتا اور گھوڑوں کی پیشانی پر ہاتھ پھیر کر کمال شفقت سے کہتا اے غازیان عرصۂ وغا۔ میں نے تم پر کبھی سواری نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ میرے ملک کے چاروں طرف شاہان اسلام کی حدود ہیں۔ زبان بے زبانی سے دعا کرو۔ کہ بغیر کسی شرعی حجت کے مجھے کسی طرف نہ جانا پڑے تاکہ مسلمانوں کے خون ناحق میں قیامت کے دن گرفتار نہ کیا جاؤں (تاریخ سندھ صفحہ ۱۲۰)

بادشاہ کی جرات امرائے دربار کے سامنے

اس نیکدل بادشاہ کے ایام حکومت ۹۱۴ھ میں ختم ہو گئے۔ جام نظام الدین کے آخر عہد میں ایک مغل زادہ شاہ بیگ نام قندھار سے تسخیر سندھ کے لئے روانہ ہوا اور اس نے کچھ مقامات بھی لئے۔ جام کی طرف سے مقام سیبی تک اس کا تعاقب کیا گیا۔ اس کا بھائی تو مارا گیا۔ مگر شاہ بیگ خود جان بچا کر بھاگ گیا۔ جام نظام الدین کے بعد جام فیروز اس کا بیٹا تخت پر بیٹھا۔ مگر وہ عیاش و غافل نکلا۔ ۹۲۶ھ میں شاہ بیگ نے پھر ٹھٹھا کا رخ کیا۔ اور آخر ۱۱ محرم ۹۲۷ھ کو کامیاب ہو گیا۔ اسی کا بیٹا میرزا شاہ حسن تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ بابر تیموری کا نیر اقبال جاہ و جلال کے ساتھ مطلع ہند پر تابان ہو رہا تھا۔ میرزا کے خوشامدی امرا نے بہت زور دیا۔ کہ میرزا اپنے نام کا سکہ و خطبہ پڑھے اور بابر کا مقابلہ کرے۔ امرا نے ناراضگی بھی ظاہر کی۔ دھمکیاں بھی دیں۔ خوشامد پر آئے۔ تو اس کو دارا و سکندر سے بھی بڑھا دیا۔ کوئی ضعیف دل اور ڈرپوک بادشاہ ہوتا۔ تو ان کا کہنا مانکر اپنے آپ کو تباہ کر لیتا۔ لیکن میرزا نے ان کا کہنا نہ مانا اور بابر کے نام ہی کا خطبہ پڑھا (تاریخ سندھ صفحہ ۱۳۱)

ہمارے بہت سے والیان ریاست اس وقت ہندوستان میں اس طبیعت و مذاق کے ہیں۔ کہ امرائے دربار جو چاہتے ہیں۔ ان سے حسب منشا کر لیتے ہیں۔ وہ بے دست و پائی اور خاموشی کے ساتھ کاغذات پر دستخط کر دیتے ہیں۔

ف تاریخ سندھ صفحہ ۱۳۱ مگر تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ مرحوم میں شاہ حسین نام درج ہے۔

بیگم کی وفاداری اپنے اندھے اور فلک زدہ خاوند کے ساتھ

میرزا شاہ حسین نے بابر کے بیٹے کامران میرزا کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دی تھی جب بابر مر گیا۔ اور ہمایوں کو اس کے بھائیوں عسکری اور کامران نے سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ تو ہمایوں نے آخر تنگ ہو کر سنہ ۹۶۰ھ؎ میں اس کو اندھا کرا دیا۔ اس کے بعد کامران میرزا سفر حجاز پر روانہ ہونے کے لئے سیدھا ٹھٹھہ (سندھ) میں اپنے خسر شاہ حسین کے پاس پہنچا۔ اس نے اس سفر سے منع کیا۔ لیکن میرزا نے کہا اب میرا یہاں رہنا بیکار و دشوار ہے۔ شاہ حسین کی بیٹی یعنی میرزا کی بیوی چوچک بیگم بھی میرزا کے ساتھ تیار ہو گئی۔ باپ نے اور دوسرے رشتہ داروں نے بہت سمجھایا کہ اس کے ساتھ کیوں اپنی زندگی خراب کرتی ہے۔ مگر بیگم نے نہ مانا وہ اپنی ضد پر اڑی رہی۔ اور آخر جہاز پر سوار ہو گئی باپ نے آخری مرتبہ آدمی بھیجے کہ سمجھا بجھا کر لے آئیں۔ وہ نہ آئی تو خود گیا۔ وفادار بی بی نے باپ سے کہا جب میرزا خوشحال اور بادشاہ تھا جب تو مجھے اس کے حوالہ کیا۔ اور اب کہ وہ خستہ حال اندھا اور ادبار میں گرفتار ہے۔ یہاں تک کہ کوئی اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو تسلی دینے والا بھی نہیں مجھکو اس سے! جو میرا خاوند میرا مجازی خدا اور خدا کے بعد پرستش کے قابل ہے۔ جدا کرتے ہو۔ یہ کس ملک کا آئین وفاداری کس قوم کا دستور مروت اور کس مذہب کی انوکھی تعلیم ہے۔ باپ کا دل بیٹی کی اس عالی ہمتانہ گفتگو سے بھر آیا۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بہت کچھ مال و دولت دیکر حسرت و افسوس کے ساتھ رخصت کیا۔ میرزا نے سنہ ۹۶۴ھ میں حجاز ہی میں انتقال کیا۔ (تاریخ ہند مولوی ذکاء اللہ مرحوم و تاریخ سندھ صفحہ ۱۵۱)

ناظم سندھ کا سلوک ایک حق گو دلدادۂ حُریت سے

فرخ سیر کے پانچویں سال جلوس (سنہ ۱۱۲۰ھ) میں سندھ کی نظامت نواب اعظم خان کے سپرد تھی۔ اسی زمانہ میں ایک شیخ حق شناس شاہ عنایت اللہ کا سندھ میں بڑا چرچا تھا۔ بعض سادات (ناظم مذکور خود بھی سادات خانی تھا) اور زمینداروں کی ترغیب سے نواب اعظم خان نے ان گدڑی پوشوں کو تکلیفیں دینی شروع کیں۔ آخر نوبت کشت و خون تک پہنچی۔ اور شاہ عنایت اللہ شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ سنہ ۱۱۳۰ھ کا ہے۔ نواب نے بطور تاوان جنگ تاجروں اور زمینداروں اور دوسرے لوگوں پر محصولات اضافہ کئے۔ شاہ شہید کے درس گاہ کا ایک طالبعلم مخدوم رحمت اللہ نام تھا اس نے ناظم کو رعایا کی اس دل آزاری اور سخت گیری سے منع کیا اور جو ہولناک نتائج اس قسم کے تشدد و ستم آرائیوں کے ہوتے ہیں ان سے آگاہ کیا لیکن

؎ بقول صاحب تاریخ سندھ مصنفہ مرزا کلیچ۔ مرزا کامران سنہ ۹۵۸ھ میں اندھا ہوا تھا۔

ناظم پر کوئی اثر نہ ہوا مخدوم رحمت اللہ یہ کہکر ٹھٹھہ (دارالریاست سندھ) سے باہر نکل آئے کہ ایسے جابر و ظالم حاکم کی عملداری میں رہنا اپنے ضمیر کا خون کرنا ہے۔ ناظم کو خبر ہوئی۔ اس جامع العلوم کو قید زنجیر میں ڈالا۔ اس سوء ادبی سے تمام لوگ بھڑک اٹھے جب ناظم نے دیکھا کہ آگ کے شعلے بہت دور تک پھیلتے جلتے ہیں۔ تو آخر ان کو رہا کر دیا مگر رہا ہو کر بھی طالب علم مذکور ناظم میں جو نقص دیکھتا برملا اس کا اظہار کرتا (تاریخ سندھ صفحہ ۲۳۷)

فصل سوم

فرمانروایان گجرات

داماد کا خون کر دیا مگر انصاف کا خون نہیں کیا

سلاطین گجرات (دکن) میں سلطان احمد شاہ ایک نامی بادشاہ گذرا ہے۔ ۷۹۳ھ مطابق ۱۳۹۰ء میں بمقام دہلی پیدا ہوا۔ ۲۱ سال کی عمر میں دادا کے مرنے کے بعد تخت گجرات پر بیٹھا۔ ۸۴۵ھ میں ۵۲ سال کی عمر کے بعد انتقال کر گیا۔ اس کے عدل و انصاف کا یہ ایک واقعہ مشہور ہے کہ اس کے داماد نے جوانی و حکومت کی مستی اور غرور میں ایک آدمی کا ناحق خون کر دیا۔ سلطان کو خبر ہوئی۔ اس نے گرفتار کر کے مقدمہ قاضی کے پاس بھیجا۔ قاضی نے مقتول کے وارث کو راضی کر کے ۲۲ اشرفیاں خونبہا میں تجویز کیں۔ اور مثل بادشاہ کے پاس بھجوا دی۔ بادشاہ نے کہا بیشک مقتول کا وارث راضی ہو گیا ہے۔ لیکن اس قسم کے کمزور فیصلوں سے بدشعار اور بدمست دولتمندوں کو حوصلہ ہو جائیگا جس کو چاہیں گے۔ جان سے مار کر چند اشرفیاں خونبہا میں دے دیا کریں گے۔ اس لئے اس مقدمہ میں خونبہا کے بدلہ میں قصاص کرنا چاہئے۔ چنانچہ اپنے داماد کو پھانسی کی سزا دی اور حکم دیا کہ لوگوں خصوصاً دولتمند قرابت داروں کی عبرت کیلئے ایک دن رات تک لاش لٹکتی رہے[۵]

ایک شخص کی اخلاقی جرات سے وزیر کی جان بچ گئی!

سلطان محمود شاہ گجراتی اپنے بھائی سلطان قطب الدین کی سات سال سات ماہ اور اپنے بھائی داؤد شاہ کی ہفت روزہ

[۵] تاریخ ہندوستان جلد چہارم حصہ تاریخ گجرات صفحہ ۴۳

سلطنت کے بعد ۸۶۳ھ مطابق ۱۴۵۹ء میں زبردستی تخت سلطنت پر بٹھایا گیا عماد الملک وزیر کل ہوا اور رچند اور سردار جو صاحب اقتدار تھے مہمات بادشاہی کے معاون و مشیر قرار پائے۔ بادشاہ چونکہ کم عمر تھا۔ اور تخت سلطنت پر بیٹھے ہوئے ابھی چند ماہ ہی گذرے تھے۔ اور وزرائے سلطنت بھی عماد الملک کا عروج نہ دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ایکدن بادشاہ سے کہا عماد الملک کی سخت گیریوں سے ہم سب لوگ تنگ آ گئے ہیں۔ آپ اس کو معزول کر دیں ورنہ آپ اپنے آپ کو معزول سمجھیں۔ سلطان نے ان کے خوف اور ان کی سازشوں کی وجہ سے عماد الملک کی معزولی کا اقرار کر لیا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے عماد الملک پابہ زنجیر کر کے احمد آباد میں قید کر دیا گیا۔ بادشاہ سمجھتا تھا۔ کہ عماد الملک درحقیقت سلطنت کا خیر خواہ ہے مگر امرائے دربار کی سازش و فتنہ انگیزی سے دم نہ مار سکتا تھا۔ آخر عماد الملک کے قتل کی تیاریاں ہونے لگیں تاریخ گجرات میں لکھا ہے۔ کہ بادشاہ کو خون بیگناہ کے ارادہ کے خوف سے ساری رات نیند نہ آئی۔ مگر امراء کے خوف سے کسی سے اپنے دل کا راز نہ کہہ سکتا تھا۔ علی الصباح دریچہ میں بیٹھا تھا۔ کہ اس نے فیل خانہ کے گماشتہ ملک عبداللہ کو محل کے نیچے دیکھا۔ بادشاہ نے فراست سے معلوم کیا کہ وہ کچھ عرض کرنا چاہتا ہے مگر رعب شاہی اسے اجازت نہیں دیتا۔ آخر خود ہی کہا کچھ عرض کرنا ہے تو عرض کرو۔ اس نے کہا جان کی امان ہو۔ ایک بیگناہ اور سلطنت کے سب سے بڑے خیر خواہ کی بحیثیت جان کو بچانے کے لئے سر ہتھیلی پر رکھ کے آیا ہوں۔ دشمنوں نے جو کچھ اسکی نسبت حضور سے عرض کیا ہے محض بہتان ہے بلکہ ان افترا پردازوں کا خود ارادہ ہے کہ آپکے بھائی حسن خان کو بادشاہ بنائیں بادشاہ نے اسکو آفرین کہی اور فیل خانہ کی مدد سے تمام فتنہ پردازوں کی خبر لی۔ کسی کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوایا۔ کسی کو قتل کیا کوئی بھاگ گیا۔ غرض اس طرح عماد الملک کی جان بچی۔

۵؎ سلطان محمد شاہ بن سلطان احمد شاہ گجراتی کا بیٹا سلطان قطب الدین جس کی ماں نے اپنے خاوند سلطان محمد شاہ کو زہر سے ہلاک کرنے کے بعد اسے تخت پر بٹھایا۔ سلطان محمد شاہ کی دوسری عورت مخدومہ جہاں سے شاہزادہ فتح خان تھا جو اپنے بھائی کی سلطنت کے زمانہ میں ماں کے ساتھ ہی نظر بند تھا۔ قطب الدین کے بعد جب ارکان دولت نے اس کے چچا یعنی سلطان محمد شاہ کے بھائی داؤد شاہ کو بادشاہ بنایا تو اس سے ایک ہفتہ کے اندر ہی ایسی ناروا حرکتیں ظاہر ہونے لگیں۔ کہ اس کو معزول کر دیا گیا۔ آخر (بقیہ حاشیہ دیکھو صفحہ ۲۷۷)

عماد الملک نے بدعہدئی روزگار پر نظر کر کے وزارت سے استعفیٰ دیدیا اور بقیہ عمر عبادت الٰہی میں بسر کر دی۔

ملک عبداللہ اگر سچی ہمدردی سے کام نہ لیتا۔ اور اپنے بادشاہ کی حقیقی وفاداری و خیرخواہی کا ثبوت نہ دیتا۔ تو وزیر تو خیر مارا ہی جاتا۔ مگر بادشاہ بھی خطروں سے خالی نہ رہتا۔

دو بیگناہوں کو قتل کرانے میں دو گنہگار وزرائے دربار کا قتل

سلطان محمود نے ۸۸۰ھ میں احمد نگر (دکن) کی طرف شکار کو گیا۔ اثنائے راہ میں اس کے ایک سردار بہار الملک نے ایک شخص کو جان سے مار ڈالا۔ اور آپ قصاص کے خوف سے آیدر (راجپوتانہ) کو بھاگ گیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ اس نے ملک حاجی اور عضد الملک کو کہ مہمات بادشاہی کے ناظم اعلیٰ تھے۔ اس کی گرفتاری پر مامور کیا۔ یہ دونوں امیر دل سے اس کے طرفدار تھے۔ تھوڑی دُور جا کر یہ چالبازی کی کہ بہار الملک کے دو نوکروں کو بہت سا روپیہ دینا کر کے ان سے یہ اقرار لے لیا کہ اگر پرسش ہو۔ تو وہ خون کا اقبال کر لیں۔ اور یہ کہا کہ بادشاہ رحیم ہے بخش دیگا۔ اور چونکہ ہمارے مشورہ کے بغیر وہ قتل کا حکم نہیں دے گا۔ اس لئے ہم تم کو ضرور بچا لیں گے۔ وہ دونوں اجل گرفتہ مال کے طمع اور اپنے آقا کی خیرخواہی کے لئے آمادہ ہو گئے۔ بادشاہ کے سامنے دونوں نے اقرار کر لیا۔ بادشاہ نے علماء سے فتوےٰ لیا۔ اور ان مزدور گنہگاروں کو قتل کرا دیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد بادشاہ کو معلوم ہوا کہ ان دونوں سرداروں نے اپنے دوست کو بچانے کے لئے دونوں بیگناہوں کا مجھ سے خون کرایا ہے ہر چند کہ ان دونوں سے بہتر کوئی امیر وزیر اس وقت دربار میں نہ تھا مگر بادشاہ نے اس خیال سے کہ میرا نام ظالموں اور بے انصافوں کی فہرست میں نہ لکھا جائے۔ ان دونوں کو قتل کرا دیا۔ اور عبرت خلائق کیلئے ان کی کھالوں میں گھاس بھروا کے احمد آباد کے چوپڑ کے بازار میں ان کو لٹکوا دیا[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۶) ارکان دولت نے مخدومہ جہاں سے فتح خان کو طلب کیا۔ ماں کی مامتا کی ماری سمجھی کہ یہ بچہ کہیں گوسفند قربانی نہ ہو جائے ارکان دولت سے کہا میرے بچہ کو بغیر تاج و تخت ہی کے رہنے دو۔ وہ سلطنت کا بار گراں اٹھانے کے قابل نہیں ہے۔ مگر عماد الملک لے محل سرائے سے باہر لے آیا۔ اور آخر وہ سلطان محمود شاہ گجراتی کے نام سے ۵۵ سال ایک ماہ دو روز تک گجرات کا بادشاہ رہا۔

[1] تاریخ گجرات مولوی ذکاء اللہ حصہ تاریخ ہندوستان جلد چہارم صفحہ ۷۶۔

باحمیت بادشاہ کا جواب اپنے خوشامدی وزراء کو

٨٧٢ھ میں خبر آئی کہ سلطان محمود خلجی والئے مالوہ نے وفات پائی امراء نے عرض کیا اگر اس وقت حضور مالوہ کی طرف متوجہ ہوں ۔ تو سارے ملک پر آسانی سے قبضہ ہو سکتا ہے ۔ فرمایا اسلام و مسلمانی میں جائز نہیں ہے کہ مسلمان بلا وجہ اور بلا سبب آپس میں لڑیں اور خلائق کو پامال حوادث کریں ۔ اور ان ایام میں کہ سلطان مالوہ نے وفات پائی ہے اور ملک میں عمارت نو کا انتظام ہو رہا ہے جس میں ضرور خامیاں بھی ہوں گی ۔ اس کی ولایت پر جانا اور بری نیت سے جانا آئین مروت و رسم فتوت سے بعید ہے امراء یہ جواب سنکر لاجواب ہو گئے ۔ (تاریخ گجرات مولوی ذکاء اللہ تاریخ ہندوستان حصہ چہارم صفحہ ٤٨)

حضرت سید محمد غوث گوالیاری کے فتوے موت پر دستخط کرنے سے انکار!

شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی جامع کمالات ظاہری و باطنی تھے ٩١١ھ میں قصبہ چاپانیر چمپانیر عرف محمد آباد متصل راج پیپلا صوبہ گوجرات میں پیدا ہوئے بہت سی کتابوں پر آپ نے حاشئے لکھے اور ان کی شرحیں کی ہیں سلاطین وقت اور علماء و فضلا کے نزدیک آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا حضرت سید محمد غوث صاحب مصنف جواہر الخمسہ جب شیر شاہ سوری کے خوف سے گوالیار سے نکلکر گجرات بھاگے ہیں تو وہاں کے علماء ان کے رسالہ معراج نامہ پر معترض ہوئے یہانتک کہ حضرت شیخ علی متقی نے بھی جو صاحب علوم ظاہری و باطنی تھے ۔ اور سلطان مظفر شاہ والئے گجرات جن کا تا حد کمال ادب کرتا تھا ۔ آپکے قتل کا فتوے صادر کر دیا ۔ بادشاہ نے فتوے دیکھکر کہا شیخ وجیہ الدین علوی کے اس پر دستخط نہیں ہیں جب تک ان کی مہر ثبت نہ ہوگی قتل کا حکم نہ دیا جائیگا ۔ شیخ کو لوگوں نے بہت ڈرایا کہ شیخ علی متقی کے جب دستخط ہو گئے ہیں ۔ تو آپ کا انکار بادشاہ کی ناراضگی کا باعث ہوگا ۔ چنانچہ محضر آپکے پاس بھی آیا ۔ آپ دریافت حالات اور بحث و مباحثہ کے لئے خود سید محمد غوث کے پاس گئے ۔ اور جب آپ کا اطمینان ہو گیا کہ یہ بالکل بےقصور ہیں اور عوام اپنی نافہمی اور علماء بھیڑ چالی اور حضرت شیخ علی متقی کے زیر اثر آکر بغیر تحقیقات کامل غریب سید کے قتل نامہ پر دستخط کر رہے ہیں ۔ تو آپنے دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا ۔ وفات آپ کی ٩٧٧ھ میں بزمانہ شہنشاہ اکبر ہوئی ۔ قبر احمد آباد میں زیارت گاہ عام ہے (حدائق الحنفیہ حدیقہ دہم صفحہ ٣٨٩)

فصل چہارم

شاہان دکن

(خاندان بہمنیہ۔ عادل شاہیہ۔ نظام شاہیہ)

حضرت شیخ زین الدین دولت آبادی کی حق پرستی

سلطان علاءالدین حسن گانگو بہمنی کے بعد اس کا بڑا بیٹا سلطان محمد شاہ تخت دکن پر بیٹھا۔ عوام کے علاوہ تمام مشائخ دکن نے حاضرانہ غائبانہ بیعت کی۔ مگر حضرت شیخ زین الدین دولت آبادی نے اس بنا پر بیعت سے انکار کیا کہ بادشاہ شراب پیتا ہے اور امر بالمعروف کی چنداں پرواہ نہیں کرتا محمد شاہ نے ناراض ہو کر ان سے کہلا بھیجا کہ آکر میری بیعت کرو اس مرد حق نے دوبارہ بیعت سے انکار کیا اور کہلا بھیجا کہ چونکہ آپ بیعت کیلئے بلواتے ہیں اس لئے حاضری سے معذور ہوں۔ بادشاہ نے کہلا بھیجا کہ شہر سے نکل جاؤ۔ شیخ زین الدین فوراً شہر سے نکلکر حضرت شیخ برہان الدین (اپنے پیر و مرشد) کی درگاہ میں چلے آئے۔ اور اپنا عصا وہاں گاڑ کر کہا دیکھوں یہاں سے مجھے کون نکالنے والا ہے۔ اس واقعہ سے شہر میں ایک ہلڑ مچ گیا۔ ایسے مقدس بزرگ کے ساتھ ایسا سلوک کرنے سے بادشاہ بہت نادم ہوا اور معذرت تحریری روانہ کی جسمیں یہ مصرع بھی تھا۔ من زان قوام تو زان من باش۔ شیخ نے جواب میں لکھا اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت محمدی کا تابع رہے اور اپنے ملک سے شراب خانے دور کر دے تو مجھ سے زیادہ اس کا کوئی خیر خواہ نہ ہوگا۔ کیسے کیسے حق آگاہ اور حق گو۔ دلدادۂ حریت لوگ تھے۔ جن کی صورتوں کو آج آنکھیں ڈھونڈھتی ہیں اور نہیں پاتیں۔ بادشاہ حضرت زین الدین کی تحریر میں اپنے نام کے ساتھ غازی کا لفظ دیکھکر بڑا خوش ہوا اور اس کو اپنے لئے فال نیک سمجھا۔ شریعت کی ترویج میں بڑی کوشش کی اور ملک میں شراب کی دوکانیں بند کرا دیں۔

بادشاہ کو ایک شخص نے قتل عام سے روکدیا

سلطان محمد شاہ بہمنی راجگان بیجانگر سے اکثر لڑتا رہا ہے۔ ایک مرتبہ (اوائل ۱۳۶۶ء مطابق ۷۶۵ھ) راجہ بیجانگر نے مدگل (علاقہ سلطنت بہمنیہ) پر حملہ کر کے وہاں کے

۱؎ ... تخت نشینی ۷۵۹ھ وفات ۹ ذی قعدہ ۷۶۶ھ از تاریخ فرشتہ

۲؎ ۱۳۵۸ء میں تخت نشین ہوا۔ ۹ ذی قعدہ ۷۷۶ھ مطابق ۱۳۷۵ء کو ۱۷ سال ۹ ماہ پانچ دن کی سلطنت کے بعد انتقال کر گیا

آٹھ سو جنگی جوانوں اور شہر کے تمام مسلمان زن و مرد حتی کہ بچوں تک کو بھی قتل کر ڈالا۔ صرف ایک شخص مسلمان بچ سکا جس نے بادشاہ کو خبر کی بادشاہ نے غصہ سے بے اختیار ہو کر قسم کھائی کہ جبتک ایک لاکھ ہندوؤں کو قتل نہ کروں گا، تب تک تلوار کو نیام نہ کروں گا۔ اور اسی وقت فوجوں کو تیاری و روانگی کا حکم دیدیا

محمد شاہ نے قتل عام شروع کر دیا۔ واقعات مملکت بیجاپور میں لکھا ہے۔ کہ حاملہ عورتیں اور دودھ پیتے بچے بھی تلوار سے نہ بچ سکے۔ راجہ اور اس کے امراء آگے آگے بھاگتے پھرتے تھے۔ بادشاہ ان کے پیچھے پیچھے جاتا تھا جس مقام سے گذرتا وہیں قتل عام ہوجاتا۔ بیجانگر کے معتمدین روز روز کے قتل عام سے تنگ آگئے انہوں نے راجہ کو صلح کے لئے کہا راجہ بھی اپنی حرکت پر نادم تھا۔ ایلچی بھیجا اور ندامت و پریشانی کا اظہار کیا اور خواہان عفو تقصیر ہوا۔ مگر بادشاہ نے صلح سے صاف انکار کر دیا۔ کسی کو مجال دم زدن نہ تھی کہ بادشاہ کو اس خونریزی سے روکتا۔ آخر ایک شخص نے جرأت کی اور کہا حضرت نے قسم کھائی تھی کہ مدگل کے مسلمانوں کے بدلے ایک لاکھ ہندو قتل کروں گا باقبال خداوندی اس سے زیادہ قتل ہوچکے ہیں۔ جہاں پناہ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ کسی ہندو کا تخم باقی نہ چھوڑوں گا۔ بادشاہ ہنسا اور کہا ہاں تمہارا کہنا سچ ہے۔ ایک لاکھ سے زیادہ قتل ہوچکے ہیں اور آئندہ قتل عام کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور راجہ کو صلح کی جو شرائط لکھی گئیں اس نے بلا حیل و حجت منظور کر لیں (واقعات مملکت بیجاپور جلد سوم صفحہ ۴۵۹ تا ۴۶۷)

غرض ایک شخص کی تھوڑی سی اخلاقی جرأت اور انسانی ہمدردی کی بدولت آئندہ جو خونریزی ہونی تھی وہ موقوف ہوگئی۔

حضرت سید محمد گیسو دراز کی حق گوئی

۸۱۵ھ میں حضرت سید محمد گیسو درازؒ دہلی کی طرف سے گلبرگہ آئے۔ سلطان فیروز شاہ بہمنیؒ کو خبر ہوئی۔ وہ مع اپنے تمام امرا اور اولاد کے شہر سے باہر ان کے استقبال کو گیا اور بڑی خاطرداری کی۔ ۸۱۸ھ میں بادشاہ نے اپنے نالائق اور عیاش بیٹے کو ولی عہد بنایا۔ اور حضرت گیسو درازؒ سے دعا چاہی۔ وہ چونکہ خالص اہل اللہ تھے۔ دوکاندار صوفی نہیں تھے۔ کہ بادشاہ کو کسی ذاتی غرض کے لئے خوش کرتے اور ضمیر کے خلاف کہتے انہوں نے صاف صاف کہلا بھیجا۔ کہ جب آپ نے اس کو تخت دیدیا ہے۔ تو فقیر کی دعا کی کیا حالت ہے۔ فیروز شاہ نے دوبارہ آدمی بھیجے اور منت سماجت کی۔ آپ نے کہلا بھیجا۔ خداوند تعالیٰ نے تو سلطنت کا فرمان تمہارے بھائی احمد خان کے نام لکھا

ؒ تاریخ فرشتہ و تاریخ دکن جلد اول

ؒ تخت نشینی ۸۰۰ھ وفات ۸۲۵ھ۔ تاریخ فرشتہ و تاریخ دکن جلد اول۔

ہے۔ اولیاء اپنے اعمال حسنہ کی وجہ سے موزون ہی وہی ہے۔ دوسرے دن کی کوشش محض بیفائدہ ہے حضرت گیسو دراز کا مکان قلعہ کے پاس تھا۔ بادشاہ نے اس جواب سے ناراض ہو کر کہلا بھیجا قلعہ کے پاس آپ کے مرید بہت شور مچاتے ہیں۔ آپ باہر چلے جایئے چنانچہ سید صاحب معہ اپنے اہل و عیال کے شہر سے نکل کر وہاں چلے گئے۔ جہاں اب ان کا مزار ہے فیروز شاہ کے بعد آخر اس کا بھائی احمد خان ہی احمد شاہ کے نام سے تخت پر بیٹھا جو دکن میں سلطان احمد شاہ ولی کے نام سے مشہور ہے۔

مسلمانوں کا نامسلمانوں کی نوکری نہ کرنا

تاریخ دکن میں دلبعہد سلطان علاء الدین بہمنی مسلمانوں کی خودداری کا ایک عجیب واقعہ درج ہے لکھا ہے۔ بیجانگر کے راجے سلاطین بہمنیہ کے باجگذار چلے آتے تھے۔ اور جب وہ کبھی سر اٹھاتے تو مسلمان ان کو وہیں کچل دیتے تھے۔ ۸۲۱ھ سے ۸۴۸ھ کے درمیان کا ذکر ہے۔ کہ دیورائے راجہ بیجانگر نے اس خیال سے کہ مسلمان فن سپہگری اور تیراندازی کو خوب جانتے ہیں مسلمان نوکر رکھنے کی تجویز کی۔ لیکن یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ مسلمان اپنے عروج و اقبال کی وجہ سے نامسلمانوں کی نوکری پسند نہیں کرتے تھے۔ راجہ نے تالیف قلوب کے لئے یہ تجویز کی۔ کہ بیجانگر میں ایک عالیشان مسجد بنوائی۔ شعار اسلام میں جو رکاوٹیں تھیں وہ دور کر دیں اور مسلمانوں کو اچھی اچھی جاگیریں دیں راجہ کے لئے ابھی ایک اور دقت باقی تھی۔ اور وہ یہ کہ مسلمان نہ دربار میں آتے تھے۔ اور نہ اس کو سلام کرتے تھے راجہ نے اس کی یہ تجویز سوچی۔ کہ دربار میں قرآن شریف کو اپنے برابر رحل پر رکھوایا۔ تاکہ جب مسلمان سلام کریں۔ تو مسلمانوں کے نزدیک قرآن شریف کو اور راجہ کی عظمت کے لئے راجہ کو سلام تصور کیا جائے۔ الغرض مسلمانوں کی عظمت و شوکت کا ایک وہ دن تھا۔ کہ وہ اپنے آپ کو ایسا بڑا سمجھتے تھے کہ اول تو کسی غیر مسلم کی نوکری نہ کرتے اور کرتے تو سلام کے روادار نہ ہوتے۔ یا اب ادنےٰ سے ادنےٰ آدمی کی سلام کو وہ اپنی عزت سمجھتے ہیں۔ اور وہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔

بادشاہ دکن کو خطبہ پڑھتے ہوئے ایک حق پرست کا ٹوکنا

سلطان[1] علاء الدین بہمنی ۸۶۲ھ میں مرض سے کچھ عرصہ پیشتر ایک روز مسجد جمعہ میں جا کر خود خطبہ پڑھ رہا تھا۔ جب اس نے اپنے نام کے ساتھ لفظ ا

[1] تخت نشینی ۸۳۸ھ وفات ۸۶۲ھ

عادل کا استعمال کیا۔ تو ایک عرب جس کے گھوڑے سرکار میں خرید ے گئے تھے اور اہلکار اپنی خود غرضیوں کی وجہ سے قیمت دینے میں تساہل کر رہے تھے۔ اسی وقت اٹھکر کہنے لگا۔ اے بادشاہ جب تو عدل نہیں کرتا۔ تو اپنے آپ کو عادل کیوں کہتا ہے۔ تو نے سادات کو بیدریغ قتل کرایا ہے تو نے گھوڑے خریدے ہیں اور قیمت دینے میں تساہل کر رہا ہے اور پھر بھی اپنے آپ کو عادل کہتا ہے بادشاہ پر بھری جماعت میں اس کلام کا بڑا اثر ہوا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ گھوڑوں کی قیمت دلوادی اور کہا کم بختوں نے مجھ سے سادات کو قتل کرا کے یزید کی طرح مجکو بدنام کرادیا ہے۔ تاریخ دکن میں لکھا ہے بادشاہ اس واقعہ سے ایسا نادم ہوا۔ کہ مرتے دم تک مکان سے باہر نہ نکلا۔

مذہب پرست امراء کی حریت و آزادی

یوسف عادل شاہ[1] بانی سلطنت عادل شاہی (دکن) نے تخت نشین ہونے کے بعد مذہب شیعہ کی ترویج شروع کی۔ دکن کے تمام باشندے امراء و اعیان سب سنی تھے۔ اس لئے چاروں طرف مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی لیکن یوسف عادل شاہ نے اپنی طاقت اور حکومت کے مقابلہ میں اس مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی اور ۹۰۸ھ کو مسجد قلعہ ارک میں نصیب خان شہدی سے اذان دلوائی اور کلمہ اشہد ان علیاً ولی اللہ کہلوایا خطیب نے ممبر پر چڑھکر اصحابہ کبار کی جگہ ائمہ اثنا عشریہ علیہ السلام کا خطبہ پڑھا۔ عین الملک اور دوسرے امرائے عظام دلاور خان حبشی اور محمد سیستانی وغیرہ اپنے مذہب کی یہ توہین دیکھکر بلا ادائے نماز مسجد سے چلے گئے۔[2]

اس کے بعد ملک میں ایک شورش عظیم پیدا ہوجاتی ہے۔ بیجاپور (دارالخلافہ) پر ایک حملہ ہوتا ہے اور یوسف عادل شاہ بھاگ جاتا ہے اور جب تک اپنے عقائد سے توبہ نہیں کرتا۔ ملک میں واپس آنے کی اسے اجازت نہیں ملتی۔[3]

دربار دکن میں ایک حمدل اور انصاف پسند امیر

کشور خان ابراہیم عادل شاہ ثانی الملقب بہ جگت گرو کے زمانہ میں ایک نامی سپہ سالار گذرا ہے۔ کشور خان کے قتل کے بعد اخلاص خان نے اس کے

---

(۱) عہد حکومت ۸۹۵ تا ۹۱۶ھ [illegible] تاریخ فرشتہ کا مصنف محمد قاسم فرشتہ اسی کے عہد میں ہوا ہے۔ [illegible] سلطان محمد خان [illegible] ترکی [illegible] ۸۹۶ھ [illegible] ہندوستان آگیا اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے سلطان محمد بہمنی [illegible] امرا میں شامل ہو گیا اور [illegible] خود بادشاہ ہو گیا [illegible] اسی کی حکومت رہی چونکہ ایران میں ایک عرصہ تک رہا تھا اس لئے مذہبا شیعہ تھا۔

زن و فرزند نوکروں چاکروں کی سخت بعزتی کی ان سب کو قلعہ سے برسر دربار گھسٹوایا اور حکم دیا۔ کہ چونکہ کشور خان نے شاہی خدام اور شاہی کنیزیں عام لوگوں کو بخش دی تھیں اس لئے اس کے تمام متوسلین چوڑے چماروں کے سپرد کئے جائیں جب خود بادشاہ کو اخلاص خان کے خلاف بولنے کی جرأت نہ تھی تو اور کوئی کیا بولتا کسی کو طاقت نہ تھی کہ اخلاص خان کو اس ارادے سے باز رکھ سکے آخر افضل خان کے بھائی رفیع الدین نے دل کڑا کر کے کہا کہ کشور خان نے تو صرف اسی حد تک کیا تھا کہ بادشاہی لونڈیاں باندیاں شریف آدمیوں کے سپرد بغرض نکاح کر دی تھیں اور گو یہ ثواب کا کام تھا۔ مگر پھر بھی وہ اسقدر بدنام ہوا۔ کہ سارا ملک اس کا دشمن ہو گیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ وہ مارا گیا لیکن آپ کشور خان کی معزز خواتین اور حرم کو چوڑے چماروں کو دینا چاہتے ہیں۔ جو نہایت ذی عزت اور مخدرات عصمت ہیں سمجھ لیں کہ آپ کی بدنامی کس درجہ بڑھکر ہوگی۔ اگر کچھ قصور تھا یا نمک حرامی تھی۔ تو کشور خان کی تھی ان بیچاری عورتوں اور اس کے بال بچوں کی کیوں مٹی پلید کی جا رہی ہے خدا سے ڈرو۔ انجام کا خوف کرو۔ اور ان بیکسوں کی شرم و ناموس کی حفاظت کرو۔ اخلاص خان نے نہ مانا اور حکم دیا۔ کہ کل سر دربار کشور خان کے محلات اور چوڑے چماروں کو حاضر کیا جائے تاکہ ان کو تقسیم کر دیئے جائیں۔ دربار جما ہوا تھا بادشاہ تخت پر جلوہ افروز تھا۔ کشور خان کی عورتیں لونڈیاں باندیاں بال بچے سربرہنگی کی حالت میں دربار میں موجود تھے ایک طرف چوڑے چمار بیٹھے تھے جن کے حصہ میں یہ لعل و گوہر آنیوالے تھے رفیع الدین یہ دردناک منظر نہ دیکھ سکا۔ پھر جرأت کی اور کہا امیر گھرانے کی عورتوں کو بلاوجہ مجمع عام میں رسوا کیا جاتا ہے کیا کسی کو خدا کا خوف نہیں ہے اور دربار شاہی میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے۔ جو ان مظلوموں کے حق میں ایک کلمہ خیر بھی کہہ سکے۔ غرض اور بہت کچھ کہا سنا۔ اخلاص خان کبھی سنتا تھا کبھی ٹال دیتا تھا۔ آخر اتنا ہو کہ کشور خان کے محلات تو قلعہ کو واپس بھیج دیئے گئے۔ اور لونڈیاں باندیاں چوڑے چماروں کی بجائے امرا میں تقسیم کر دی گئیں۔ اور کشور خان کے معصوم بیٹے منجھو خان کی آنکھیں نکلوائے جانے کا حکم ہوا۔ مگر رفیع الدین کے اصرار سے اس معصوم کی جان بخشی بھی ہو گئی۔ (واقعات مملکت بیجاپور حصہ اول صفحہ ۱۶۳)

دربار عادل شاہی کا ایک حق گو اور دانا وزیر

سلطان محمد عادل شاہ جو عہد شاہجہان بیجاپور کی سلطنت کا ایک نامور بادشاہ ہوا ہے اس کے زمانہ میں سلطنت کی بڑی توسیع ہوئی۔ خاندان عادل شاہیہ

سنہ عہد حکومت ۱۶۲۶ء تا ۱۶۵۵ء

میں یہی پہلا بادشاہ ہے۔ جسے شاہ کا خطاب ملا۔ والیان عرب۔ بلکہ فرمانروائے ایران نے اپنے ایلچی اس کے دربار میں تحفے اور ہدایا کے ساتھ بھیجے اسی کے عہد میں دکن کی رعایا فارغ البال اور رنج و الم سے آزاد رہی۔ بادشاہ ایکدن اپنے دارالخلافہ (بیجاپور) کے جشن ہائے انبساط و مسرت دیکھکر بڑا خوش تھا اور خدا کا شکر ادا کر رہا تھا۔ کہ رعیت آباد اور شاد ہے۔ اسی اثنا میں دفعۃً ایک خیال آیا۔ اور امرا سے کہا۔ کہ اگر شاہجہان سے اور ہم سے چھڑ جائے۔ تو ملک کا کیا حال ہوگا؟ کسی نے کہا ملک کو اور وسعت ہو گی کسی نے کہا وہ چیز ہی کیا ہے۔ افضل خان نے کہا جہاں پناہ جو دنیا کا قاعدہ ہے۔ وہی ہوگا۔ فرمایا وہ کیا۔ عرض کیا۔ یہ سارا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ پھولا پھلا چمن اجڑ جائیگا جشن ہائے مسرت کی جگہ صفہائے ماتم بچھ جائیں گی خدا نہ کرے کہ ایسا ہو لیکن دیگر امرا کے مقابلہ میں افضل خان کی کچھ نہ سنی گئی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر لڑائی ہو گئی۔ تو شاہجہان کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ اور دکن کی تمام سلطنتیں آپس میں رقابت رکھتی ہیں اور پھر ان کے امرا آپس کی کشاکشی میں رہتے ہیں۔ شاہجہان کا جو ایلچی فرمان عتاب آموز لیکر آیا تھا۔ اس کو امرا کے کہنے سننے سے سخت سست جواب دیکر روانہ کر دیا گیا۔ اسی رات کو بادشاہ عدالت محل پر چاندنی کی سیر کر رہا تھا کہ اس نے افضل خان سے پھر پوچھا تمہاری صلاح کیا ہے؟ کہا اگرچہ بافضال الٰہی و باقبال سرکار ہم ہر طرح بادشاہان مغلیہ کے مقابلہ کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ ہم ان کو نربدا کے اس پار نہ اترنے دیں لیکن حضور غور فرمائیں۔ اس میں کسقدر جانیں تلف ہونگی۔ کتنے بچے یتیم اور کتنی عورتیں بیوہ ہوں گی اور ملک کی کیا حالت ہو گی فدوی کی رائے میں اگر یہ نوبت ہی نہ آئے۔ تو اولیٰ اور انسب ہے۔ بادشاہ نے اس رائے کو پسند کیا اور ایلچی کو تین منزل سے واپس بلا کر جواب صلح آمیز اور مطیعانہ لکھا اور بہت بڑی خونریزی سے اپنے ملک کو بچا لیا (واقعات مملکت بیجاپور حصہ اول صفحہ ۲۶۴ و ۲۶۶)

علی عادل شاہ والئے بیجاپور کے زمانہ میں حق گوئی کی کثرت

علی عادل شاہ والئے بیجاپور (دکن) کے زمانہ میں لوگوں کو بے تکلف بات چیت کرنے اور خوش خلقی سے بولنے کی عادت ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ وہ خود صاف گو تھا۔ بلکہ بعض مصاحب تو ایسے بیباک ہو گئے تھے۔ کہ عین گفتگو میں بادشاہ کا کلام قطع کر دیتے تھے۔ بادشاہ صرف یہ کہتا تھا میری بات سن لو اگر تمہارا اعتراض رفع نہ ہو۔ تو تم کو بحث کا استحقاق ہے (تاریخ فرشتہ و تاریخ دکن)

شاہ صبغۃ اللہ کا بادشاہ کو دیوی کی پرستش سے منع کرنا

ہندی گویّوں کا خیال ہے کہ وہ اپنی خوش آوازی کیلئے سارستی دیوی سے استمداد کرتے ہیں۔ ابراہیم عادل شاہ کو بھی اپنی آواز کے اچھا ہونے کی خواہش تھی۔ اور خوشامدیوں نے اس کو خوش آواز بنانے کیلئے اس دیوی کا معتقد بنادیا۔ مسلمان یہ بت پرستی دیکھکر بھڑک اٹھے۔ مگر خوف کے مارے بول نہ سکتے تھے۔ اسی اثنا میں کہ سنہ ۱۰۰۰ھ کا زمانہ تھا۔ شاہ صبغۃ اللہ حسینی جو حضرت شاہ وجیہ الدین احمد آبادی کے خلیفہ تھے مدینہ منورہ سے بیجاپور میں آئے جب یہ سنا کہ بادشاہ سارستی کی پرستش کرتا ہے۔ اور مسلمان اپنے دین میں سست ہو رہے ہیں انہوں نے نہایت ملائمت کے ساتھ بادشاہ کو اس بت پرستی سے منع کیا۔ بادشاہ نے کہا۔ مجھے صرف خوش آوازی کی خواہش ہے۔ ورنہ میرا اعتقاد وہی ہے جو اور مسلمانوں کا ہے شاہ صاحب نے کہا لیکن اس کا اثر عام مسلمانوں پر بہت برا پڑ رہا ہے آپ خدا کی جناب میں اس کے جوابدہ ہوں گے۔ اور آپ اگر اس دیوی کی پوجا کو ترک کر دیں گے۔ تو آپ کی خوش آوازی میں اس سے کوئی نقص پیدا نہیں ہوگا چنانچہ بادشاہ نے آخر شاہ صاحب کے کہنے پر عمل کیا (تاریخ دکن و تاریخ فرشتہ)

قاضی کی دلیری اور جرأت ایک نامی امیر کے مقابلہ میں

سلطان ابراہیم عادل شاہ اور اس کے بیٹے محمد عادل شاہ کے زمانہ میں بیجاپور میں سید علی محمد نام ایک زبردست اہل اللہ گذرے ہیں۔ عہدۂ قضا ان کے سپرد تھا۔ بیجاپور میں ایک بہت بڑا دولتمند تھا اس نے اپنے مکان کی متصلہ مسجد کو بھی اپنے مکان میں شامل کر لیا تھا۔ مسلمان اس کے رعب۔ داب اور اس کے تمول کی وجہ سے خاموش ہو رہے کسیطرح یہ خبر سید علی محمد کو بھی مل گئی آپ نے ایک خط اس کو لکھا اور اس پر صرف یہ آیت لکھکر بھیجدی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِہَا" اس زمانہ کے اہل اللہ صرف اللہ ہی سے ڈرتے تھے اور حق و صداقت اور اوامر و نواہی کے مقابلہ میں کسی کی دولت بلکہ بادشاہی تک کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اس لئے ان کی باتوں سے خلوص و ایثار ٹپکتا تھا۔ اور وہ باتیں اپنا اثر بھی دکھاتی تھیں چنانچہ اس دولتمند نے مسجد کو اپنے مکان سے بالکل الگ کر دیا سید علی محمد نے سنہ ۱۰۲۰ھ میں بیجاپور میں وفات پائی۔

دکن کے قیدی بادشاہ کا لاجواب سوال اورنگزیب سے

سکندر عادل شاہ۔ خاندان عادل شاہیہ کا آخری بادشاہ گزرا ہے۔ عالمگیر اورنگ زیب نے ایک طویل محاصرہ اور ہزاروں اور لاکھوں جانیں

ضائع کرنے اور لڑانے کے بعد اس خاندان کا ۱۰۹۷ھ مطابق ۱۶۸۶ء میں بالکل خاتمہ کر دیا۔ اور سکندر عادل شاہ کو گرفتار کرکے ایک لاکھ روپیہ سالانہ اس کی پنشن مقرر کر دی۔ سکندر نے ایکدن علماء کا ایک ڈیپوٹیشن عالمگیر کے پاس بھیجا۔ کہ آپ ایک دیندار اور متشرع بادشاہ ہیں شرع کے کس حکم کے مطابق آپ نے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کا خون بلا وجہ کیا اور بلا سبب ایک مسلمان بادشاہ کا ملک چھین لیا ہے۔ بیجاپور کا بادشاہ موحد مسلمان کلمہ گو مسجدوں میں اذان و نماز کا حامی۔ مدرسوں میں تعلیم اسلام کا جاری کرنیوالا۔ کونسا خلاف شرع کام اس نے کیا۔ کہ آپ نے اس پر چڑھائی کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی بلاد کفار پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ تو ارشاد فرماتے تھے۔ کہ دیکھو اگر کہیں سے اذان کی آواز سنو۔ تو ہرگز لوٹ مار نہ کرو۔ اور کسی مسلم کو تکلیف نہ دو۔ اس صورت میں آپ جیسے پابند شرع مسلمان سے یہ امر جو ظہور پذیر ہوا۔ بالکل بعید ہے عالمگیر نے اس کا جواب دیا۔ کہ میرا اصل مقصد سنبھاجی کی گرفتاری ہے۔ اور وہ چونکہ تمہاری پناہ میں کی بدولت دہلی تک لوٹ مار کرتا ہے اس لئے پہلے تمہارا انتظام ضروری تھا جس دن وہ قابو آگیا اسی دن تمہارا ملک تم کو واپس دیدوں گا لیکن سکندر اور اس کے وفد کی اس جواب سے تسلی نہ ہوئی۔

زیب النسا کا جواب عالمگیر کو مبارکباد نہ دینے پر

اورنگ زیب عالمگیر جب قطب شاہی اور عادل شاہی دونوں گھرانوں کو خاک میں ملا چکا۔ تو بڑا بھاری جشن کیا اور کیوں نہ کرتا۔ یہ وہ آرزو تھی۔ جو پشت ہا پشت سے یعنی اکبر کے زمانہ سے چلی آتی تھی۔ اور اس کے عہد میں آکر پوری ہوئی۔ یعنی اس نے اپنے عہد میں دکن کی تمام سلطنتیں مٹا کر تخت دہلی کے ساتھ ملحق کر دیں۔ سب امراء نے مبارکباد کی نذریں دیں۔ لیکن زیب النسا بیگم نے جو بادشاہ کی صاحبزادی تھی۔ کوئی نذر نہ دی بادشاہ نے سبب پوچھا۔ عورت ذات تھی۔ مگر مردانہ وار جواب دیا کہ "کونسی خوشی کی بات تھی جو میں نذر دیتی۔ حضرت پہلے شہنشاہ تھے۔ ابوالحسن تانا شاہ اور سکندر عادل شاہ جیسے کئی بادشاہ آپ کے تابع فرمان تھے۔ لقب شاہنشاہی آپ پر سجتا تھا آپ نے سب کی سلطنتیں چھین لیں۔ اب صرف حضرت کی ذات مقدس تن تنہا ہے۔ مرتبہ شاہنشاہی سے گھٹ کر بادشاہ رہ گئے ملک الملوک تھے صرف ملک رہ گئے میں کس بات پر مبارکباد دوں۔ بادشاہ یہ معقول جواب سنکر بہت متاثر ہوا اور کہا زیب النسا جو کچھ کہتی ہے فی الواقعہ درست کہتی ہے (واقعات مملکت بیجاپور حصہ اول ۴۷۷)

نظام شاہی حکومت کا ایک خوددار اور باحمیت امیر

برہان شاہ[1] بن حسین شاہ نظام شاہی نے تخت احمد نگر کو بڑی تکلیفوں اور مصیبتوں کے بعد حاصل کیا تھا۔ لیکن اس نے کچھ قدر نہ کی۔ رات دن عیاشی میں رہنے لگا۔ اور یہاں تک حکم دیدیا کہ جو عورت بادشاہ کی خدمت کے لائق دیکھی جائے شوہر دار ہو یا بے شوہر فوراً شبستان شاہی میں داخل کی جائے۔ امراء وزراء اور عام لوگوں پر اس حکم کا بہت برا اثر ہوا۔ ملک میں نفرت و حقارت کے جذبات پھیل گئے۔ لیکن بادشاہ کو منہ پر کہنے کی کسی کو جرأت نہ پڑتی تھی۔ شجاعت خان حبشی نے جو امرائے معتبر سے تھا شرفاء کی یہ بے آبروئی اور ذلت دیکھ کر اپنے نام کی لاج رکھی۔ بادشاہ کو سمجھایا۔ اور اسے اس کے ناپاک ارادوں سے باز رکھنے کے لئے وعظ و نصیحت کا دفتر کھولا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے۔ کہ رعایائے احمد نگر کے لئے یہ زمانہ ایسا نازک تھا۔ کہ صوفی صافی اور بڑے بڑے پرہیزگار بھی بادشاہ کی مجلس میں آتے اور بے تکلف مے نوشی پر راغب ہوتے تھے۔ ایسے نازک وقت میں شجاعت خان نے بڑی جرأت کا کام کیا کہ بادشاہ کو اس کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا۔ مگر خوشامدیوں نے جن کا الو اسی پردہ میں سیدھا ہو رہا تھا۔ بادشاہ کو اور بھی بھڑکا دیا۔ بلکہ خوشامدی امراء کے کہنے سے بادشاہ نے شجاعت خان کو بھی مجبور کیا کہ وہ اپنی عورت محلات شاہی میں روانہ کرے۔ شجاعت خان نے انکار کیا۔ بادشاہ نے ان کو تو موکلوں کے حوالہ کیا۔ اور اس کی عورت کو جبر و قہر بلوا لیا۔ مگر پھر کچھ سوچ کر واپس کر دیا۔ لیکن اس اثناء میں شجاعت خان اپنے پیٹ میں خنجر مار کر خودکشی کر چکا تھا۔

---

[1] سنہ ۹۹۹ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اور چار برس سولہ دن کے بعد ۸ شعبان سنہ ۱۰۰۳ھ کو انتقال کر گیا۔ اس کے مفصل حالات تاریخ فرشتہ اور تاریخ دکن میں درج ہیں۔

فصل پنجم

پالن پور و ریاست رام پور

دیوان شیر خان کے دربار میں ایک حقیقی نمک خوار کی جرأت

دیوان شیر خان نے اپنے باپ سلیم خان کے انتقال سنہ ۱۲۰۰ھ ۱۷۸۵ء پر تخت جالور (پالن پور) پر قبضہ کیا۔ تو سب سے پہلے اس نے اپنے سوتیلے بھائی بایزید خان کو جس کی عمر اس وقت بارہ سال کی تھی قتل کرنیکا ارادہ کیا امراء و زراء کی خواہش تھی کہ یہ بیگناہ کہیں نظر بند ہو جائے تو اچھا ہے اس کو ہلاکت سے بچانا چاہئے لیکن شیر خان کے سامنے کسی کو لب ہلانے کی جرات نہ تھی۔ تاریخ ریاست پالن پور میں لکھا ہے کہ شیر خان کی سیاست کو جبر و تشدد نے خوفناک بنا دیا تھا اور اس کے رعب و داب میں ظلم و ستم کی جھلک نمایاں تھی ان حالات میں ایک پٹھان نے اپنی جان سے ہاتھ دھوئے اس کا نام سالم خان تھا اس نے ہاتھ باندھکر عرض کیا "خداوند نعمت! ملازم کو آقا کے کاموں میں دخل دینا گستاخی کے علاوہ زیبا بھی نہیں ہے لیکن پاس نمک اور جوش خیر خواہی سے مجبور ہوں اس لئے جان کی امان مانگ کر عرض کرتا ہوں کہ بایزید خان کے بارے میں جو کچھ حضور کا ارادہ ہے وہ مصلحت وقت اور دور اندیشی کے خلاف ہے اول تو اس خون ناحق کا سیاہ داغ آپکے دامن سے قیامت تک مٹائے نہ مٹے گا۔ دوسرے اس وقت جو خیالات آپ کی نسبت خاص لوگوں کے دلوں میں جاگزین ہیں۔ عام زبانوں پر آکر ایک عام شورش پیدا کر دیں گے بہتر اور مناسب یہ ہے کہ حضور کوئی اور ایسی سزا دیں جو دوسرے مدعیوں کیلئے سبق عبرت اور آئندہ کے فتنہ و فساد کا سدباب ہو جائے۔ لیکن خدا کے لئے جہانتک ممکن ہو خون ناحق سے بچیے۔"[1]

ہندوستانی ریاستوں اور شخصی سلطنتوں میں خوشامد گوؤں اور بست ہمت مہاراج کی پالیسی پر عمل کرنیوالوں نے رئیسوں کو جس اندھیرے میں رکھا ہوا ہے اور رعایا کے حقیقی جذبات سے

---

[1] تاریخ ریاست پالن پور حصہ دوم صفحہ ۸۲

جس طرح ہمارے ہندوستانی رؤسا بیخبر ہیں۔ کون ہے جو ان افسوسناک حالات سے واقف نہیں ہے اگر ہر ریاست میں سالم خان کی طرح دل گردہ رکھنے اور سچی بات کے اظہار کے لئے اپنی جان ومال کی پرواہ نہ کرنے اور رئیس کی حقیقی خیرخواہی وبہبودی کا دعوے کرنیوالے موجود ہوں تو ریاستوں کی حالت وہ نہ ہوتی جو آج نظر آرہی ہے۔

ایک رئیس کی خودداری دیوان شیرخان نے ایک بازاری عورت گلاب بائی پر عاشق ہو کر اس کو محلات میں داخل کر لیا تھا اور اس کی خاطر یہاں تک منظور تھی کہ تمام امراو وزرا مصاحبین اور جاگیردار وغیرہ کو گلاب بائی کی ڈیوڑھی پر سلام کیلئے حاضر ہونے کی تاکید تھی۔ غرض کے بندے خوددار کے دشمن ضمیر کے قاتل کہاں نہیں ہوتے۔ یہاں بھی تھے۔ وہ سب سے پہلے گلاب بائی کے سلام کو جاتے اور پھر دربار میں حاضر ہوتے۔ لیکن ایک رئیس جو اید سے پالن پور میں آیا تھا باوجود محکوم ہونے کے محبوس ہونے کے اس بیغیرتی کو قبول نہ کر سکا اور اس نے ڈیوڑھی پر جانے اور مجرا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ شیر خان نے بہت بڑا منایا اور اس پر خون خرابہ بھی ہوا۔ لیکن اس نے ایک رنڈی کے دروازہ پر جبین سائی منظور نہ کی

ایک بزرگ کا قتل عام اور خون خرابہ کو روکنا مارہرہ ضلع ایٹہ میں شاہ حمزہ خلف شاہ آل احمد ابن شاہ برکت اللہ ایک نامی بزرگ گذرے ہیں ان کی تصنیف سے ایک کتاب فصل الکلام ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "دتا سندھیا اور جھنکو مرہٹے سرداروں نے فقیر کو لکھا۔ نواب سید عبداللہ خان ابن نواب سید علی محمد خان آپ کی سرکار سے عقیدت وارادت رکھتے ہیں ان کو آمادہ کیجئے کہ وہ فوج مرہٹہ کو ہمراہ لیکر جس کا سردار گوبند مرہٹہ ہے روہیلوں کو تہ تیغ کر دیں اور اپنا آبائی ملک اپنے قبضہ وتصرف میں لائیں ہم ان کو دو لاکھ روپیہ دیتے ہیں وہ اٹاوہ کے خزانہ سے جہاں مرہٹوں کی حکومت ہے یہ روپیہ وصول کر لیں"

---

[1] ۱۸۳۰ء میں بعہد مہاراجہ رنجیت سنگھ ایک واقعہ گذرا ہے موران طوائف مہاراجہ کی محبوبہ ہونے کی وجہ سے رانی موراں کہلاتی تھی۔ امراو وزرا کو حکم تھا کہ مہاراجہ کے دربار میں آنے سے پہلے سب لوگ رانی موراں کے دربار کی حاضری دے آیا کریں۔ نقش کے سیدسے جن میں سکھ، ہندو ومسلمان درباری رکن ہوتے جاتے تھے۔ اور کمال بے حمیتی سے سلام کر کے واپس آتے تھے۔

[2] یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب احمد شاہ ابدالی نے سلطنت مغلیہ کا رہا سہا کچومر بھی نکال دیا تھا۔ اور مرہٹے اور روہیلے اپنے عروج پر تھے اور محمد شاہ رنگیلا کا بیٹا احمد شاہ بادشاہ تھا۔

[3] نواب سید عبداللہ خان ۱۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۶۵ھ میں تخت رامپور پر بیٹھے ۱۱۶۶ھ میں معزول ہوئے ۱۱۶۷ھ میں تین چار لاکھ سالانہ کی جاگیر پر الگ ہو گئے بعمر ۳۰ سال ۱۱۸۱ھ میں وفات پائی۔ شاعر بھی تھے۔ عاصی اور آزاد اور بتیل تخلص تھا۔ ایک شعر ہے ؎ سراو متداہے عاصی بچشم نور کے بخشد۔ ندارم آرزو دیئے سرمہ خاک صفاہاں را۔ غالباً یہ اس زمانہ کا شعر ہے جب آپ مع اپنے بھائی نواب سید فیض اللہ خان کے احمد شاہ ابدالی کی قید میں افغانستان میں مقیم تھے موجودہ نواب رامپور نواب سید حامد علی خان نواب سید فیض اللہ خان کے ذریات سے ہیں۔

[4] معزولی اور نواب سید عبداللہ خان کے دوبارہ حکومت حاصل کرنے کے زمانہ کا ذکر ہے۔

شاہ حمزہ نے اپنے متعلق کچھ نہیں لکھا کہ مرہٹوں نے اس کام کیلئے کچھ ان کو بھی دینا چاہا یا نہیں لیکن صاف ظاہر ہے کہ مرہٹوں نے جب ان کی معرفت کام نکالنا چاہا تھا۔ تو ان کے لئے بھی ضرور کچھ نہ کچھ وعدہ کیا ہوگا۔ اور بصورت دیگر ممکن ہے کہ دھمکیاں بھی دی گئی ہوں لیکن شاہ حمزہ لکھتے ہیں۔ فقیر کے نزدیک یہ خون خرابہ اور مسلمانوں کا قتل عام بہت بڑا جرم تھا۔ اس لئے ٹال دیا اور نواب سید عبید اللہ خان کو بھی کسی قسم کی ہلچل ڈالنے سے منع کر دیا۔ ہر چند وہ مرہٹوں کے مشورہ پر رضامند تھے اور ہاتھ پاؤں ہلانا چاہتے تھے۔ اسیطرح اس فقیر کی معرفت نواب احمد خان بنگش (والی فرخ آباد) کو بھی مرہٹوں نے پیغام بھیجے۔ فقیر نے انہیں بھی تغافل میں ڈالدیا۔ یہ قصہ طول طویل ہے۔

نواب شجاع الدولہ کی حرکت پر ایک صوفی درویش کا اظہار ملال

حافظ الملک حافظ رحمت خان[1] روہیل کھنڈ میں ایک نامی سردار گذرے ہیں۔ نواب شجاع الدولہ والئے اودھ نے انگریزوں کی مدد سے صفر ۱۱۸۸ھ مطابق اپریل ۱۷۷۴ء میں حافظ رحمت خان عین لڑائی میں قتل ہوگئے۔ مسلمانوں کو ان کے قتل سے رنج ہوا۔ شجاع الدولہ نے اپنی شجاعت اور حافظ صاحب کی مذلت کے اظہار کے لئے بطور شناخت ان کا سر بعض سرداروں کے پاس بھیجا۔ اور حکم دیا کہ شاہ مدن بھی (جو ایک صوفی منش بزرگ تھے) ان کو پہچانتے ہیں۔ انہیں بھی دکھاؤ۔ سرداروں نے سر کو شناخت کیا۔ بعض نے تو شجاع الدولہ کو خوش کرنے کیلئے سر سے مخاطب ہوکر یہ بھی کہا کیوں جی اسی طمطراق پر جناب عالی پر لڑنے کو آمادہ ہوئے تھے۔ شاہ مدن اہل دل تھے۔ حافظ صاحب کا سر دیکھکر آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور کہا "ہاں یہ اسی مسلمان کا سر ہے"۔ شجاع الدولہ نے شاہ مدن کے اس طرز جواب پر رنج کا اظہار کیا اور کچھ دنوں کے بعد کسی بہانہ سے ان کو قید کر دیا۔ (اخبار الصنادید جلد اول ص ۵۸ بحوالہ عماد السعادت)

ایک جھوٹے محضر پر حق پرستوں کا دستخط کرنے سے انکار

نواب سید غلام محمد خان[2] نے اپنے بھائی نواب سید محمد علی خان کو قتل کرانے کے بعد اپنی خسروی اور بیگناہی جتانے کے لئے ایک محضر تیار کرایا جس کا مضمون یہ تھا۔ کہ نواب محمد علی خان نے غیرت کی وجہ سے طپنچہ مار کر خودکشی کر لی ہے۔ اخبار

---

[1] حافظ رحمت خان ۱۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے چار برس کی عمر میں یتیمی کا داغ ملا۔ نواب سید علی محمد خان والئے رامپور نے ۱۸ برس اپنے پاس رکھا۔ جب ۱۱۶۲ھ میں نواب سید علی محمد خان کا انتقال ہو گیا۔ تو ریاست بھر میں انہی کا عمل دخل تھا۔ ان کے زمانہ میں رامپور کے نواب انہی کے اشاروں پر چلتے تھے۔ انگریزی اور ہندوستانی مورخوں نے آپ کی شجاعت و فیاضی و بیداری رعایا پروری۔ یتامی۔ بیوگان اور نابینا لوگوں کی دستگیری کرنے کی بہت تعریف کی ہے مزاج کے بڑے سخت تھے ان کے فرزند عنایت خان نے نافرمانی کی تو ساری عمر منہ نہیں لگایا۔ یہاں تک کہ اس کے مرنے پر فاتحہ بھی نہیں پڑھی بریلی میں ان کی حکومت تھی ۱۱۸۸ھ میں قتل ہوئے چودہ بیٹے اور نو بیٹیوں کے باپ تھے۔

[2] نواب سید فیض اللہ خان والئے رامپور کے بیٹے تھے ۱۱۶۷ھ میں پیدا ہوئے بھائی کو مجروح و معزول کرنیکے بعد ۱۲۰۹ھ میں تخت نشین ہوئے اسی سال خود معزول و محبوس ہو کر انگریزوں کی قید میں آئے اور حج بیت اللہ کے بعد کشمیر افغانستان اور دیگر ممالک کی سیر کے بعد نادون ضلع کانگڑہ ملک پنجاب میں مقیم ہوگئے اور بعمر ۷۳ سال ۷ جمادی الآخر ۱۲۴۰ھ میں انتقال کیا۔

الصنادید میں لکھا ہے کہ اس محضر پر چھوٹے بڑے تمام افسروں کی مہریں ہوئیں۔ علما اور مشائخ نے بھی مہریں کیں۔ قاضی نے بھی مہر لگائی۔ مگر چند آدمی حق پرست اور حق گو ایسے بھی تھے جنہوں نے ہر قسم کی دھمکیوں کے باوجود کوئی مہر نہ لگائی۔ ان میں محمد اکبر خان خلف حافظ رحمت خان، افسران فوج میں سے قلندر خان۔ علما میں سے اخون اکبر شاہ اور مولوی عبد العزیز اور مشائخ میں سے میاں حسن شاہ اور خاندانیوں میں سے سید نصر اللہ خان خلف نواب سید عبد اللہ خان نے مہریں نہ کیں

ایک مظلوم کی فریاد اور نواب رام پور

نواب سید احمد علی خان[1] والئ رام پور جو نواب سید فیض اللہ خان مرحوم کے پوتے تھے بعمر نو سال ۱۲۰۹ھ میں تخت نشین ہوئے۔ انہی کے عہد میں ریاست رام پور (بزمانہ لارڈ ولزلی گورنر جنرل) حکومت انگریزی کی حفاظت میں آئی۔ ان کے عہد میں ایک شخص کا مقدمہ مولوی شرف الدین اور عظیم اخوند زادے کے پاس تھا۔ وہ اس کو اور اس کے مقدمہ کو خراب کر رہے تھے۔ وہ شخص فریاد کرتا تھا۔ مگر کوئی سنتا نہ تھا۔ آخر ایک دن نواب احمد علی خان شکار کھیلنے کے لئے ہاتھی پر سوار ہو کر شہر سے باہر نکلے جب سواری موری دروازہ کے باہر برف خانے کے متصل پہنچی۔ تو اس شخص نے بلند آواز سے کہا "نواب صاحب میدان حشر میں میرا ہاتھ اور آپ کا دامن ہوگا" نواب صاحب نے ہاتھی روک لیا اور اس کو قریب بلا کر اصل واقعہ پوچھا اس نے ساری داستان سنائی اور عرض کیا میری مثل مولوی عبد الرحیم صاحب (ابن مولانا حاجی محمد سعید صاحب محدث) کے پاس بھجوا دی جائے۔ جو فیصلہ وہ کریں مجھے منظور ہے۔ نواب صاحب نے اسی وقت اس کا مقدمہ دوسری عدالت میں تبدیل کرنے کا حکم دیا اور اس شخص سے کہا "اب تو میں تمہارے مواخذہ سے بری ہو گیا۔"[2]

منشی امیر احمد امیر مینائی کی حق پرستی اور انصاف پروری

نواب سید یوسف علی خان[3] والئے ریاست رام پور کے عہد حکومت میں منشی امیر احمد[4] صاحب امیر مینائی مرحوم عدالت دیوانی کے مفتی تھے۔ ان دنوں نواب سید

---

[1] ۱۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۵ جمادی الاولی ۱۲۵۶ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۸۴۰ء ۴۷ برس کی حکمرانی کے بعد بعمر ۶۵ سال انتقال کر گئے۔ بڑے حسن پرست اور رند مشرب تھے ان کے محل میں عیاشی۔ ہندو اور مسلمان بیگمات رذیل و شریف کئی قسم کی بیتیں شاعر بھی تھے تخلص رند تھا۔ [3] نواب سید محمد سعید خان خلف نواب سید غلام محمد خان کے بیٹے تھے۔ ۵ ربیع الثانی ۱۲۳۱ھ مطابق ۵ مارچ ۱۸۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ مطابق ۵ مارچ ۱۸۶۵ء کو بعمر ۴۹ سال ۱۱ ماہ ۵ دن انتقال کیا دس برس ۴ ماہ تک حکومت کی نہایت عالم و فاضل تھے۔ نثر میں مرزا قتیل اور نظم میں مرزا غالب دہلوی سے اصلاح لیتے تھے خود لکھتے ہیں۔ ناظم ہیں متتبع غالب پا نہیں۔ ہرگز کسی کو پیر دیئے میر پر گھنٹہ۔ آپکے دیوان مطبوعہ موجود ہیں۔ مذہبا شیعہ تھے۔ لیکن کبھی دوسرے مذہب والے کو شکایت کا موقعہ نہیں دیا۔ [4] منشی امیر احمد مینائی کا سلسلہ نسب مخدوم شاہ مینا قدس اللہ سرہ العزیز تک پہنچتا ہے جو لکھنؤ کے شاہ ولایت ہیں ۱۲۴۴ھ یوم شنبہ کو پیدا ہوئے۔ ۱۲۷۵ھ میں رام پور آئے نواب سید یوسف علی خان۔ نواب سید کلب علی خان۔ نواب سید مشتاق علی خان اور موجودہ نواب سید حامد علی خان چار والیان ریاست کا زمانہ دیکھا۔ آخر عمر میں حیدر آباد چلے گئے۔ وہاں بیمار ہو گئے مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر حضور نظام میر محبوب علی خان بہادر مرحوم کی طرف سے عیادت کو آتے تھے آخر میں ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء مطابق جمادی الآخر ۱۳۱۸ھ کو بعمر ۷۳ سال دس ماہ انتقال فرمایا۔ آپکے شاگرد وں میں حضرت ریاض خیر آبادی نواب فصاحت جنگ حافظ جلیل حسن جلیل اور آپکے فرزندوں میں جناب اختر مینائی اور ... نہایت مشہور رہے۔

کلب علی خاں ولیعہد بہادر نے اپنے باورچی کے مقدمہ میں بذریعہ چوبدار مفتی صاحب کو کچھ کلمات سفارشی کہلا بھیجے لیکن مفتی صاحب نے ولیعہد بہادر کی سفارش کا کوئی لحاظ نہ کیا اور مقدمہ باورچی کے خلاف فیصل کر دیا۔ مفتی صاحب کو جب یہ معلوم ہوا کہ ولیعہد بہادر لحض ہیں اور انکی ناراضگی کا عام چرچا ہو رہا ہے تو انہوں نے اس ناراضگی کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ اور کہا تو یہی کہا کہ دیکھا چاہیئے۔ خدا کو کیا منظور ہے۔ آخر وہ زمانہ آیا کہ نواب سید کلب علی خاں[۱] والی ریاست قرار پائے۔ مفتی صاحب نے بہ نظر احتیاط رامپور سے روانگی کا ارادہ کیا۔ ریاست میں مخبروں اور پرچہ نویسوں کا خاص محکمہ تھا۔ نواب صاحب کو مفتی صاحب کی تیاری کا علم ہوا۔ نماز مغرب کے بعد ان کو بلایا۔ وہ بے محل طلبی سے کچھ خوفزدہ ہوئے کہ دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے۔ نواب صاحب نے فرمایا "کیا آپ کا ارادہ یہاں سے چلے جانے کا ہے"؟ مفتی صاحب نے اثبات میں جواب دیا۔ نواب صاحب نے سبب پوچھا تو کہا کہ مجھے حضور کی ناخوشی کا اپنی نسبت علم ہے نواب صاحب نے فرمایا واقعی اس وقت مجھے ناخوشی ہوئی تھی مگر اب آپکی اس روانگی کا مجھ کو زیادہ قلق ہے کہ ایسے قدر شناس دنیا میں نہیں ہیں جب آپ نے میرا اثر نہ مانا تو امید ہے۔ آپ انصاف کے جاری کرنے میں کسی کا لحاظ نہ کریں گے۔ بے خطر یہیں یہاں رہیئے۔ مفتی صاحب نے اس کے بعد ارادہٗ روانگی فسخ کر دیا (اخبار الصنادید جلد دوم صفحہ ۱۲۹)

ایک طالب علم کا نواب رام پور کی ملاقات سے انکار

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے خلفاء میں حافظ سید محرم علی عرف حافظ محمد علی ایک بلند مرتبہ خلیفہ گذرے ہیں۔ وطن ان کا خیر آباد (نواح لکھنؤ) تھا۔ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے۔ آٹھ سال کی عمر تھی مگر تحصیل علم کے شوق میں والدہ ماجدہ سے ترک وطن کی اجازت طلب کی۔ بیوہ ماں نے جگر کے ٹکڑے کو حصول علم کی خاطر جدا کیا۔ آپ رام پور آئے وہاں ان دنوں علم و فضل اور درس و تدریس کا بڑا چرچا تھا۔ چودہ سال کی عمر میں شرح ملا جامی قطبی منطق پر عبور ہو گیا۔ علاوہ ازیں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ مولوی صاحب جن کے مدرسہ میں حافظ محمد علی تعلیم پا رہے تھے رام پور میں اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت باوقعت تھے۔ نواب رامپور اکثر ان کی ملاقات کو خود مدرسہ میں آتے۔ عند التذکرہ مولوی صاحب نے ذکر کیا کہ ہمارے شاگردوں میں ایک صاحبزادہ نے صرف چودہ سال کی عمر میں شرح ملا جامی اور قطبی منطق تک عبور کر لیا ہے۔ قرآن شریف کا حافظ بھی ہے۔ نماز تہجد و اشراق اور چاشت

---

[۱] نواب سید کلب علی خاں جو اپنے باپ کے خلاف مذہباً اہل سنت والجماعت تھے۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۸۳۴ء کو پیدا ہوئے۔ مسند نشینی کے وقت تیس سال کی عمر تھی۔ ۱۷ جمادی الآخر ۱۳۰۴ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۸۷ء کو بعمر ۵۳ سال ۲۲ سال ۷ ماہ ریاست کی حکومت کے بعد وفات پا گئے۔ آپ بھی شاعر تھے۔ حالات آپ کے مستقل سوانح عمری کے محتاج ہیں۔ نواب کلب علی خاں کا موجود۔ نواب رامپور (ناصر الملک مخلص الدولہ مستعد جنگ نواب سید حامد علی خاں) آپ ہی کے پوتے ہیں۔

تک قضا نہیں کرتا نواب صاحب نے اس کے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر حافظ صاحب اس وقت مدرسہ سے باہر تھے۔ نواب صاحب نے مولوی صاحب سے کہا میں کل صرف اس صاحبزادہ کی ملاقات کے لئے آؤں گا آپ ان کو اطلاع کر دیں کہ کسی جگہ تشریف نہ لے جائیں نواب صاحب کے جانے کے بعد حافظ صاحب بھی کہیں سے آ گئے۔ مولوی صاحب نے بڑے فخر کے ساتھ حافظ صاحب سے نواب صاحب کے شوق ملاقات کا ذکر کیا اور کہا کل وہ صرف آپ کی ملاقات کے لئے آنیوالے ہیں آپ کہیں باہر تشریف نہ لیجائیں۔ حافظ صاحب نے اس چھوٹی سی عمر میں جس حریت و حق گوئی اور صحبت اغنیا سے بے پروائی کا ثبوت دیا اس کی مثالیں بہت کم مل سکتی ہیں آپ نے کہا۔ نواب کون ہے کہ میری ملاقات کو آتا ہے اور یہ ملاقات میرے لئے باعث خوشی و فخر کس طرح ہو سکتی ہے مولوی صاحب سے یہ منت کہا پیشتر اس کے کہ یہ بلا میرے سر پر نازل ہو آپ مجھے اجازت دیں کہ میں کسی جگہ چلا جاؤں۔ چنانچہ آپ اسی وقت رام پور سے روانہ ہو گئے اور دہلی حیدر آباد وغیرہ سے ہو کر تونسہ شریف میں حضرت خواجہ سلیمان کے مریدوں میں داخل ہو گئے۔ بہت بڑے سیاح تھے آخر میں حج بھی کر آئے تھے۔ کسی امیر کی دریوزہ گری اور کسی رئیس کی درباداری نہیں کی۔ ۶۰ سال سے زیادہ کی عمر پائی۔[1]

ایک محدث و عالم کا فوجی ملازمت سے انکار

مولانا صفی الدین ایک بزرگ ریاست رام پور میں نہایت عالم فاضل اور فقیہہ گذرے ہیں۔ جو حضرت مجدد الف ثانی کی ساتویں پشت سے تھے۔ والئ رامپور نے دو تین مرتبہ آپ کو بخشی گری کا عہدہ دینا چاہا آپ نے ہر بار انکار کیا ۲۵ شعبان ۱۲۳۶ھ کو آپ نے لکھنؤ میں وفات پائی۔ (حدائق الحنفیہ ملقہ سیزدہم صفحہ ۶۰۹)

[1] مناقب سلیمانی (فارسی) صفحہ ۳۰ مصنفہ مولوی غلام محمد خان جھجری تاریخ تالیف ۱۲۵۵ھ۔

باب پانزدہم

(۱۵)

متفرقات

ارشاد خداوندی امیروں اور فقیروں کے امتیاز کے متعلق

رؤسائے قریش ایکدن آنحضرت صلعم کے پاس جمع تھے۔ اور حضرت رسول کریم ان کو کچھ سمجھا رہے تھے۔ رستے میں ایک صحابی (عبداللہ ابن اُم مکتوم) جو نابینا بھی تھا اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھا۔ آیا۔ اس نے آنحضرت صلعم کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا۔ آنحضرت نے اس قطع کلامی کو بُرا منایا۔ اس پر اسی وقت ارشاد خداوندی نازل ہوا۔

(محمد) اتنی بات پر چیں بجبیں ہوئے اور منہ موڑ بیٹھے۔ کہ (ایک) نابینا ان کے پاس آیا اور (اے پیغمبر) تم کیا جانو عجب نہیں (کہ تمہاری تعلیم سے) وہ سنور جائے یا نصیحت (کی باتیں) سنے اور اسکو نصیحت سودمند ہو۔ جو شخص (دین کی طرف سے) بے پرواہی کرتا ہے۔ اس کی طرف تو تم خوب توجہ کرتے ہو۔ حالانکہ (اگر) وہ ٹھیک نہ ہو۔ تو تم پر کچھ الزام نہیں اور جو (خدا سے) ڈر کر تمہارے پاس دوڑتا ہوا آئے تو تم اس سے بے اعتنائی کرتے ہو۔ سنو جی! قرآن تو (سرتاسر) نصیحت ہے۔ پس جو چاہے اس کو سوچے (سمجھے اور ہمارے ہاں وہ لوح محفوظ کے) اوراق میں لکھا ہوا ہے۔ جن کی تعظیم کی جاتی ہے الخ (تیسواں پارہ سورت ۲۴ ترجمہ مولوی نذیر احمد)

امام شافعی کی والدہ کی جرأت عدالت میں

امام شافعی کی والدہ نہایت فہیم ذکی الطبع اور اظہار حق میں نہایت بیباک تھیں ایک مرتبہ ان کو ایک مرد اور ایک عورت کے ہمراہ کسی معاملہ میں قاضی مکہ کے محکمہ میں گواہی دینے کے لئے جانا پڑا۔ قاضی نے دونوں عورتوں کے جدا جدا بیان لینے چاہے۔ امام کی والدہ نے الگ گواہی دینے سے انکار کیا اور کہا خدا نے دو عورتوں کی گواہی . . . .

. . . . ایک مرد کے برابر صرف اسی غرض سے قرار دی ہے۔

کہ اگر ایک عورت صورت واقعہ بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلائے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰھُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی یعنی اگر ایک عورت صورت واقعہ بھول جائے۔ تو دوسری یاد دلا دے۔ قاضی نے مجبور ہوکر دونوں عورتوں کے اظہار ایک ساتھ لئے (مسلم التواریخ بحوالہ سیرت الشافعی)

سلطان طغرل سلجوقی کے زمانہ میں علماء پر مصائب

سلجوقیوں کی حکومت کا وہ زمانہ شاید لوگوں کو یاد ہو جب امام الاشاعرہ ابوالحسن الاشعری کو برسر منبر گالیاں دیجاتی تھیں۔ سلطان طغرل سلجوقی اس وقت بلاد روم سے لیکر چین کی سرحد تک تنہا فرمانروا تھا۔ ابونصر کندری وزیر تھا جس کے ہاتھ میں تمام ملک کے نظم و نسق کی باگ تھی۔ مذہبًا یہ بدعقیدہ شخص تھا۔ لیکن اپنے کو حنفی کہتا تھا۔ استاذ ابن الموفق اس زمانہ کے ایک صاحب علم امیر تھے مذہبًا وہ شافعی اور اشعری تھے لوگوں میں ان کو نہایت ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ ابونصر کو خیال تھا کہ اگر وزارت کے منصب میں کوئی میرا حریف ہوسکتا ہے۔ تو وہ یہی ابن الموفق ~~اس زمانہ کے ایک صاحب علم امیر تھے۔ مذہبًا وہ شافعی اور اشعری تھے۔ لوگوں میں ان کو نہایت ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ ابونصر کو خیال تھا کہ اگر وزارت کے منصب میں کوئی میرا حریف ہوسکتا ہے تو وہی ابن الموفق ہے~~۔ سلطان طغرل فقہ حنفی کا پیرو تھا وزیر نے اس سے اجازت لیکر یہ فرمان جاری کیا کہ آئندہ خطبوں میں بدعتیوں پر لعنت کی جائے اس حیلہ سے علی الاعلان شوافع اور اشاعرہ پر لعنت پڑھی جانے لگی۔ دفعۃً مملکت سلجوقی میں اس سرے سے اس سرے تک آگ سی لگ گئی۔ بڑے بڑے علماء ائمہ۔ قضاۃ اپنے اپنے گھروں سے نکل آئے سینکڑوں علمائے اشاعرہ نے اپنے وطنوں کو خیرباد کہا اور حجاز کا رخ کیا۔ کہتے ہیں کہ اس سال یعنی ۴۴۵ھ میں اسقدر ارباب عمائم میدان عرفات میں جمع ہوگئے تھے کہ گنے گئے۔ تو ۴۰۰ صرف قاضیوں کی تعداد نکلی۔

بڑے بڑے علما جن کو امامت کا درجہ حاصل تھا۔ اپنے عہدوں سے معزول ہوکر شہر بدر ہوئے۔ یا قید ہو گئے۔ خاص فرمان سلطانی صادر ہوا کہ استاذ فراتی، استاذ ابن الموفق امام الحرمین ابوالمعالی (امام غزالی کے استاذ) امام ابوالقاسم قشیری (شیخ الصوفیہ) قید کئے جائیں۔ یا جلا وطن ہوجائیں اور آئندہ انہی مجمعوں میں آنے کی اجازت نہ ہو۔ امام الحرمین اور امام بیہقی اس ذلت کو گوارا نہ کرسکے منصب اور وطن کو خیرباد کہا اور سلجوقیوں کی وسیع حکومت کے احاطہ سے باہر نکل گئے۔

امام قشیری اور استاذ فراتی کو سر بازار گھسیٹا گیا اور قہندز کے زندان میں قید کر دیا گیا۔ ایک مہینہ اس قید میں بسر کیا استاذ ابن الموفق نے حکومت کو اعلان دیا کہ ان بزرگوں کو قید و بند سے آزاد کیا جائے ورنہ بزور قید خانہ سے ان کو نکالا جائیگا۔ حکام نے اس اعلان کی کچھ پرواہ نہ کی بلکہ خود استاذ کو گرفتاری کی دہمکی دی۔ استاذ نے اپنے رفقا کا ایک دستہ تیار کیا۔ اور رات کو شہر کے پھاٹک میں گھس گئے۔ کوچہ و بازار میں سرکاری سپاہیوں اور استاذ کے ہمراہیوں میں لڑائی ہوئی۔ سپاہیوں نے شکست کہائی۔ قید خانہ توڑ کر قیدی نکالے گئے۔ سلطان کو خبر ہوئی۔ تو استاذ ابن الموفق کو ان کی اس جرات پر سزا دی وہ پابزنجیر دربار میں حاضر کئے گئے ان کی تمام دولت و جائداد ضبط ہو گئی۔ اور وہ خود ایک قلعہ سلطانی میں قید کئے گئے۔

امام بیہقی نے عبد الملک کو اور امام قشیری نے تمام دنیائے اسلام کے نام ایک فریاد نامہ لکھا۔ آخر چار برس کے بعد زمانہ نے پلٹا کہایا۔ طغرل کی جگہ الپ ارسلان نے تخت حکومت پر قدم رکہا۔ ان فتنوں کا بانی ابونصر کندری کیفر کردار کو پہنچا۔ اور نظام الملک نے قلمدان وزارت اپنے ہاتھ میں لیا۔ سمندر پھر اپنے رخ پر بہنے لگا۔ اور آفتاب پھر اپنے افق سے طلوع ہوا (معارف نمبر ۲ جلد ۲)

علمائے اندلس کی تکالیف و مصائب میں:

اُمیہ بن عبد العزیز اندلس کے ایک عالم تھے۔ معقول او منقول دونوں مملکتوں میں ان کی زبان و قلم کا سکہ چلتا تھا۔ سنہ ۴۸۹ھ میں وہ اندلس سے اسکندریہ آئے افضل شاہنشاہ مصر کا فرمانروا تھا۔ اس نے کسی سبب سے ان کو قید کر دیا۔ برسوں اسی قید میں گذارے لیکن علم و فن کے کارزار کا فاتح اس تنہائی میں بھی اپنے فتوحات کی توسیع میں کوشاں رہا۔ ہیئت میں عمل بالاصطرلاب اور کتاب الوجیز طب میں کتاب الادویۃ المفردہ منطق میں تقویم الذہن۔ فلسفہ میں کتاب الانتصار اسی قید خانہ کی تنگ کوٹھڑی میں بیٹھکر تصنیف کی۔ سنہ ۵۰۵ھ میں شہنشاہ نے مصر سے جلا وطن کر دیا۔ تو وہ مراکش کی طرف چلے گئے۔ آخر یہیں اسی طرف سنہ ۵۲۹ھ میں اس عالم سے چل بسے (ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۸۱)

علامہ ابن حزم ظاہری بھی اسی سرزمین کی خاک سے اٹھے تھے۔ جہاں چھ سو برس تک اسلام کی بہار غیرت ارم بنی تھی۔ یعنی ارض اندلس علامہ ممدوح ان اشخاص میں ہیں جن کے فضل و کمال پر صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ دنیا کو ناز ہو سکتا ہے۔ وہ ایک مدت تک وزارت اور تدبیر و سیاست کے فرائض خاندانی انجام دیتے رہے لیکن دفعۃً اس منصب کو اپنے رتبہ سے فروتر سمجھکر کنارہ کش ہو گئے اور علم کے دربار کی خدمتگذاری میں اپنی بقیہ عمر صرف کی اور بہ تصنیفات اپنے بعد یادگار چھوڑیں۔

علامہ کی تیغ زبانی اور بیباک بیانی نقوش اوراق بنکر گو آج بھی ہمارے سامنے ہے لیکن اس عہد کو آئینہ خیال کے سامنے لاؤ جب وہ جمہور اعظم سے نڈر ہوکر برملا اپنے خیالات جن کو وہ سچ سمجھتے تھے۔ آشکارا کر رہے تھے۔ فقہا نے ان کی دار و گیر میں کمی نہ کی۔ ممانعت تھی کہ لوگ ان کے پاس بیٹھنے نہ پائیں سلاطین نے ان کو اپنے حدود سلطنت میں رکھنا گوارا نہ کیا۔ ان کی بعض تصنیفات نذر آتش کی گئیں۔ خود مصنف تمام عمر در بدر کی خاک چھانتا رہا۔ بڑے بڑے دارالحکومتوں کو چھوڑکر صحرانشینی اور بادیہ گردی اختیار کی۔ حق کے طالب اس بادیہ و صحرا میں بھی ذروں کی طرح ان کے دامن سے لپٹے رہے۔ علامہ اس بے خانمانی میں بھی حق کی وہی گونج اور وہی کڑک اپنی زبان و قلم میں رکھتے تھے (تذکرہ ذہبی)

قرطبہ مولد تھا۔ لیکن ۴۵۶ھ میں ایک گاؤں میں وفات پائی۔

شیخ الاسلام ہرات کی جلاوطنی حق گوئی کی وجہ سے

شیخ الاسلام عبداللہ بن محمد انصاری۔ ہرات وطن تھا۔ ذہبی نے لکھا ہے "حق گوئی میں تیغ برہنہ مناظرہ میں ہمیشہ شہاب اور اتباع سنت میں اپنی جگہ پر پہاڑ تھے ایک قدم ہٹ نہیں سکتے تھے۔ کئی دفعہ اپنی حق بیانی کی بدولت امتحان گاہ میں آئے اور ہر دفعہ اپنی مضبوطی اور استقلال سے کامیاب نکلے۔ پانچ دفعہ ان کی آنکھوں کے سامنے زنجیر نہیں بلکہ ننگی تلواریں رکھی گئیں کہ اپنی رائے کے اظہار سے باز آؤ لیکن ہر دفعہ اس جوان دل پیر مرد نے یہی جواب دیا کہ خاموشی میرے مذہب میں گناہ ہے۔ آخر ایک فتنہ میں ان کو لوگوں نے شہر سے اس طرح نکالا کہ جمعہ کا دن نماز کا وقت تھا۔ اتنا بھی کوئی روادار نہ ہوا کہ وہ ایک وقت کی نماز شہر کے جامع مسجد میں پڑھ لیں وہ ہرات سے نکلکر قریہ بوشنگ میں گئے۔ سلطان الپ ارسلان نے فرمان صادر کیا کہ وہ ماوراءالنہر کے علاقہ میں نکال دیئے جائیں۔ چنانچہ مع اہل و عیال مرو پہنچے۔ یہاں بھی اقامت کی اجازت نہ ملی۔ اور بلخ بھیجدیئے گئے۔ وہاں سے مرو الرود کو جلاوطن کئے گئے۔

شیخ الاسلام نے ان مصائب و تکالیف کو جس استقلال اور عزم صحیح کے ساتھ برداشت کیا۔ تمام اعیان اسلام نے اس کو شکر گذاری کے ساتھ دیکھا۔ آفتاب زیادہ دیر تک بادلوں کے پردہ میں چھپا نہیں رہ سکتا۔ سوا دو برس کے بعد ۴۸۰ھ میں ان کو وطن آنے کی اجازت ملی تو تمام ملک جوش مسرت سے چھلک اٹھا۔ معتقدوں نے ان کی سواری کے جانور کھول دیئے مرو سے ہرات تک باری باری سے اپنے دوش و بازو پر لوگ ان کو سوار کرکے لائے (معارف بحوالہ طبقات الحنابلہ ابن رجب)

امام ابوجعفر قیدخانہ میں

امام ابوجعفر عبدالخالق عباسی فضل و کمال کے ساتھ جرأت اور حق گوئی کی مجسم مثال تھے بغداد اس وقت فساد تمدن کا مرکز تھا۔ امام ابوجعفر اور علامہ ابواسحاق شیرازی نے جامع مسجد میں تمام مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع کیا اور سلطنت سے حسب ذیل امور کی بزور تعمیل کی درخواست کی۔ شراب خانے اور دارالفواحش بند کئے جائیں۔ بدمعاش اور بداخلاق لوگ شہر بدر ہوں۔ شراب کی بھٹیاں توڑ ڈالی جائیں۔ ایسے سکے ڈھالے جائیں جنہیں بٹہ نہ لگے۔ خلیفہ نے ان تجاویز کو قبول کر لیا لیکن عملاً ان کا اجرا سلجوقی سلطان کے ہاتھ میں تھا۔

اس کے بعد حنابلہ اور شوافع میں ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ امام ابوجعفر نے پامردی سے اس میدان کو سر کیا۔ آخر بلطائف الحیل وہ قصر خلافت میں بلائے گئے اور ایک حجرہ ان کی اقامت کیلئے مقرر ہوا۔ پہلے ملنے والوں کو آنے جانے کی اجازت تھی۔ اس کے بعد یہ حکم ہوا کہ صرف منتخب اشخاص آنے پائیں امام نے کہا اگر یہ حکم ہے۔ تو آج سے میں خود کسی سے نہ ملوں گا یہ ان کی حیثیت ایک قیدی کی ہو گئی حالت قید میں انہوں نے کھانا چھوڑ دیا۔ اور متصل روزہ رکھنا شروع کیا۔ قوت نے جواب دیا۔ عام مسلمانوں کو یہ خبر معلوم ہوئی۔ تو انہوں نے شورش کی۔ حکام نے گھبرا کر رہا کیا۔ لیکن اسی وقت روح بھی قید تن سے رہا ہو گئی۔ کیا یہ مقاومت متحملانہ یا خاموش مقابلہ تھا (معارف بحوالہ طبقات الحنابلہ ابن رجب)

قال اللہ وقال الرسول کی جگہ محفل رقص و سرود منعقد نہیں ہو سکتی

یہ تو مقاومت متحملانہ کی ارادی صورت تھی لیکن ذیل کا واقعہ اس سے بھی زیادہ المناک ہے شریف مرتضٰے ابوالمعالی حسینی سمرقند کے باشندہ تھے خدا نے علم و فضل کے ساتھ دولت و نعمت سے بھی سرفراز کیا تھا۔ امیر ترکستان نے ایک دفعہ ان کو پیغام بھیجا کہ اپنے باغ میں وہ اس کی دعوت کا سامان کریں وہ خود اس جشن میں شریک ہوں۔ شریف نے کہلا بھیجا یہ ناممکن ہے کہ میرے باغ میں جہاں قال اللہ وقال الرسول کے ترانے ملند ہوں۔ امیر کے لئے وہاں رقص و سرود کی محفل برپا کی جائے۔ امیر یہ جواب سُنکر چراغپا ہو گیا اور دھوکے سے ان کو گرفتار کر لیا۔ قیدخانہ میں یہ احتیاط کی گئی کہ قوت انسانی کا کوئی سرمایہ ان کے پاس نہ پہنچنے پائے اسی حالت گرسنگی میں روح نے تن کو الوداع کہا اور صداقت و راستی کا فرشتہ ہماری زمین سے آسمان پر چلا گیا (معارف بحوالہ تذکرہ ذہبی)

امام مصر اپنی راست گوئی کی وجہ سے مصائب میں

شیخ الاسلام عبدالغنی مصر کے امام تھے۔ بڑے بڑے سلاطین کے دربار میں وہ اپنی راستگوئی اور قول حق سے زلزلہ پیدا کر دیتے تھے۔ ایکدن بازار میں جا رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں شراب کا

مشکیزہ ہے امام نے دوڑ کر مشکیزہ اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اس نے تلوار نیام سے کھینچ لی۔
لیکن انہوں نے پرواہ نہ کی۔ اور شراب زمین پر گرا دی۔ فتوے دیا کہ گانا بجانا ناجائز ہے
قاضی نے پیادہ بھیجا۔ تمہارے فتوے سے سلطان کی بزم عشرت سرد ہو گئی۔ تم اگر اس باب
میں مجھ سے مناظرہ کر جاؤ۔ جواب دیا کہ خدا تمہاری اور تمہارے بادشاہ دونوں کی گردنیں مارے
مجھے مناظرہ کی ضرورت نہیں۔ خدا اور اس کے رسول کا حکم سامنے ہے۔

موصل میں اس بنا پر ان کو قید کیا گیا کہ انہوں نے حدیث کے ایک راوی کو ضعیف کہا تھا
دوسری جگہ ان کو اس لئے روپوش ہو کر صرف ایک تہبند باندھ کر جلا وطن ہونا پڑا کہ ایک
قدیم مصنف کی ۲۹۰ غلطیاں انہوں نے ظاہر کی تھیں۔ دمشق میں فتنہ گردوں نے ان کو
جامع مسجد جانے سے روک دیا۔ مصر میں ملک الکامل نے ان کو جلا وطن کرنا چاہا۔ پیرا ایوان
شاہی میں قید کر دیا۔ ایک امیر کی سفارش پر رہا ہوئے۔ غرض تمام عمر اسی بے اطمینانی میں گذری
تاہم جو فرض تھا۔ وہ کبھی متروک نہ ہوا (معارف بحوالہ تذکرہ ذہبی)

شوق علم میں وزارت سے انکار

صاحب ابوالقاسم اسمعیل بن ابی الحسن عباد کو۔ کہ نہایت عالم و فاضل تھا۔ نوح بن
منصور نے جو شاہان بنی ساسان سے تھا۔ صاحب ابوالقاسم کو ایک مرتبہ لکھا
میں تجھے اپنا وزیر کرنا اور ملک کا انتظام تیرے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ ابوالقاسم نے لکھا مجھے
وزارت سے معاف رکھیئے۔ مجھے کتابوں کہی میں وزارت کیا بادشاہی کا مزا آرہا ہے۔

منصب قضا سے انکار

مولانا معین الدین فراہی اپنے زمانہ کے علماء و فضلا میں درجہ اعلے رکھتے تھے۔
مجلس وعظ میں امراء و رؤسا کی طرف بہت کم متوجہ ہوتے۔ اور ہوتے تو صاف صاف
اور کھری کھری باتیں سناتے۔ قاضی نظام الدین آپ کے بھائی شہر کے قاضی القضاۃ تھے۔
ان کی وفات کے بعد منصب قضا کے لئے ہر چند آپ کو کہا گیا۔ مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ اس بنا
پر کہ شاید کبھی حکومت کے رعب میں آ کر حق بات کے اظہار سے میں قاصر رہ سکوں یا کسی فیصلہ
میں مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے اور قیامت کے دن پکڑا جاؤں۔ وفات آپ کی [illegible]ھ میں ہوئی۔

امیر بلخ اور ایک عالم و محدث

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے زمانہ میں ابراہیم بن یوسف بن میمون بلخی
فقہ اور حدیث میں یکتائے دہر ہوئے ہیں۔ امیر بلخ آپ کے پاس ایک مرتبہ
آیا اور کہا آپ ہمارے شہر کے فخر ہیں اور میں بلخ کا حاکم ہوں جو حاجت اور ضرورت ہو۔

ملہ پیدائش ۶ ذی قعدہ ۳۲۶ھ مطابق ستمبر ۹۳۸ء وفات ۲۴ صفر ۳۸۵ھ مطابق مارچ ۹۹۵ء بمقام رے۔

بلا تامل فرمائیں آپ نے فرمایا میں نے تیرے ایک سپاہی کو دیکھا تھا جس نے اپنے باز کو ایک کبوتر پر چھوڑا تھا۔ کبوتر بیچارا خاک پر لوٹتا تھا اور باز اس پر رحم نہیں کرتا تھا۔ اگر یہ ظالمانہ رسم تمہارے عہد میں مٹ سکے تو اللہ کی یہ بے زبان مخلوق تجھکو بہت دعائیں دیگی۔ امیر نے یہ سنکر حکم دیدیا۔ کہ میری قلمرو میں آئندہ کوئی شخص باز یا کتا وغیرہ شکاری جانور نہ رکھے [1]

ایک مشہور عالم و واعظ کے طرز بیان پر ایک سخن شناس عورت کی نکتہ چینی

ابن سماک کوفی اپنے زمانہ کے مشہور عالم و واعظ تھے۔ ان کی جاریہ نے ایک مرتبہ ان سے کہا۔ تقریر تو آپ کی اچھی ہوتی ہے۔ لیکن اتنا نقص ہے کہ ایک ہی بات کو بار بار کہے جاتے ہو۔ ابن سماک۔ میں اعادہ کلام اس لئے کرتا ہوں۔ کہ جو مخالف اول مرتبہ نہ سمجھے ہوں وہ بھی سمجھ جائیں۔ جاریہ۔ جب تک کم فہم سمجھیں گے۔ سمجھنے والے مکدر ہو چکیں گے [2]

ماں بیٹے کی تعلیم و تربیت پر ماں نے ۳۰ ہزار اشرفیاں خرچ کر دیں

خلافت بنی امیہ کے زمانہ میں عبدالرحمان فروخ ایک بزرگ فوج میں ملازم تھے۔ وہ دور اسلامی فتوحات کا تھا اور مسلمان فرمانروا بحر و بر کو اسلامی پرچم کے نیچے لانے کا تہیہ کر رہے تھے۔ خراسانی مہم میں ۲۷ برس لگ گئے۔ جب وہ لوٹے۔ تو جس بچے کو ماں کے پیٹ میں چھوڑ گئے تھے۔ وہ بڑا ہو کر ربیعۃ الرائے کے نام سے موسوم ہو چکا تھا اور امام مالک اور خواجہ حسن بصری اس کی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔

فروخ چلتے وقت ۳۰ ہزار اشرفیاں اپنی بی بی کے سپرد کر گیا تھا۔ اس نے ان کی نسبت استفسار کیا۔ بی بی نے کہا گھبرائیے نہیں موجود ہیں۔ اسی اثنا میں فروخ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کو گئے۔ تو دیکھا ایک شیخ سر جھکائے اونچی ٹوپی پہنے حلقہ درس میں متمکن ہیں۔ اور خواجہ حسن بصری اور امام مالک سے اعیان شامل درس ہیں۔ اور تلامذہ کا ایک ہجوم چاروں طرف سے شیخ کو گھیرے ہوئے ہے۔ پوچھا یہ کون شیخ ہیں؟ سامعین نے جوابدیا ربیعہ ابن عبدالرحمان۔ فروخ کی مسرت کا اندازہ اس وقت سوائے عالم الغیب کے اور کون کر سکتا تھا۔ گھر آئے۔ بی بی سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا بیٹے کی یہ شان پسند ہے یا ۳۰ ہزار اشرفیاں۔ شوہر نے کہا واللہ میں اس شان کو پسند کرتا ہوں۔

بی بی۔ میں نے وہ اشرفیاں ربیعہ کی تعلیم میں صرف کر دیں

---

[1] حدائق الحنفیہ حدیقہ سوم صفحہ ۱۵۲ [2] تذکرہ علمائے سلف مصنفہ مولانا مولوی محمد حبیب الرحمان خانصاحب شیروانی صدر الصدور محکمہ امور مذہبی دولت آصفیہ۔

شوہر۔ خدا کی قسم تم نے وہ مال ضائع نہیں کیا؟

اس واقعہ میں یہ امر قابل غور ہے کہ ایک بچہ باپ کی تربیت سے محروم ہو کر ماں کی حفاظت میں ہے اور ماں کے قبضہ میں ۳۰ ہزار اشرفیاں ہوں۔ پھر اس بچے کو ایسی بیش بہا تعلیم دی جائے۔ کہ اس کے شاگرد دنیا کے نام آور شاگرد ہوں۔ بیشک یہ اس عہد کی عورتوں کے عقیل اور علمدوست ہونے کی دلیل ہے۔ ہمارے ملک میں اگر چودہویں صدی کی کسی ماں کے اختیار میں تیس ہزار اشرفیاں اور ایک بچہ دیدیا جائے۔ تو معلوم نہیں ماں کے لاڈ پیار سے بلند اقبال صاحبزادے کے اخلاق کہاں تک ترقی کریں (تذکرہ علمائے سلف صفحہ ۵۲)

علمائے سلف کی حق پسندی حکام کے مقابلہ میں

دنیا میں شاید کوئی انسان ہوگا۔ جو اس امر کا مدعی نہ ہو کہ وہ حق پسندی اور راست بازی پر دل وجان سے شیدا ہے لیکن عمل (جو قول کی کسوٹی ہے) صاف کھوٹے اور کھرے کی حقیقت کھول دیتا ہے اور حق یہ ہے کہ حق پسندی جتنی بے بہا صفت ہے اسیقدر دشوار اور معرکہ خیز ہے۔ جو شخص زبردست کے خوف منفعت کی امید اور عزیزوں کی محبت کو حق پر سے نثار کردے وہی شخص حق پرستی کا مدعی ہوسکتا ہے۔

آجکل کے آئینی عہد میں حق گوئی کا قحط ہے تو جن بزرگوں نے اگلے جلاد بادشاہوں کے عہد میں حق کو نباہا سمجھ لو کہ انہوں نے کتنا بڑا کام کیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حجاج بن یوسف کو خطبہ پڑھتے دیکھا۔ تو غضب آلود ہو کر برملا فرمانے لگے۔ خدا کا دشمن۔ خدا کی حرام کی ہوئی باتوں کو اس نے حلال کر ایا۔ خدا کے گھر کو خراب کیا۔ اور خدا کے دوستوں کو قتل۔ حجاج نے اپنی نسبت یہ سخت کلمات سنکر پوچھا۔ یہ کون ہے؟ کسی نے کہا عبداللہ بن عمرؓ۔ اتنا سنکر وہ سفاک آپ کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا بڑے میاں تم سٹھیا گئے ہو۔ اور تمہارے حواس بجا نہیں رہے۔ منبر سے اترا تو دل میں بخار بھرا ہوا تھا۔ اپنے ایک ملازم کو ایما کیا اور اس نے ایک زہر میں بجھا ہوا حربہ حضرت ابن عمرؓ کے پاؤں میں مار دیا۔ اسی ہتھیار کی سمیت آپ کی وفات کا باعث ہوئی۔ مزید عنایت دیکھئے۔ کہ جو مرض خود پیدا کیا تھا۔ اس کی عیادت کو آیا۔ مگر حضرت عبداللہ نے نہ اس کے سلام کا جواب دیا نہ کلام کا (علمائے سلف)

عمر بن ہبیرہ جب خلیفہ دمشق یزید ابن عبدالملک کی جانب سے والئے عراق وخراسان مقرر ہو کر آیا۔ تو اس نے خواجہ حسن بصری۔ امام ابن سیرین اور امام شعبی کو طلب کیا اور کہا

"یزید ابن عبد الملک کو خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں پر خلیفہ مقرر کیا ہے اور ان سے اس کی اطاعت کا عہد لیا ہے۔ اور ہم سے یعنی ملازموں سے اس کے حکم سُننے اور بجا لانے کا۔ خلیفہ کی جانب سے مجکو جو حکم ملیگا۔ میں بے تامل اس کی تعمیل کر دوں گا" خواجہ حسن بصری نے جواب میں کہا۔ یزید کے معاملہ میں خدا تعالیٰ سے ڈر اور خدا تعالیٰ کے معاملہ میں یزید کا خوف مت کر۔ خدا تعالیٰ تجھ سے یزید کے شر کو رفع کر سکتا ہے۔ مگر یزید اس احکم الحاکمین کے قہر کو نہیں روک سکتا۔ وہ وقت بہت دور نہیں ہے کہ شاندار محلات سے علیحدہ ہو کر مجکو قبر کے تنگ کونے میں جانا پڑیگا وہاں سوائے تیرے اعمال کے کوئی تجھے نجات دلوانے نہ ہوگا۔ خلیفہ کو خدا نے اپنے دین کا اور اپنے بندوں کا محافظ اور ناصر مقرر کیا ہے اگر خلیفہ خدا کے دین کے خلاف کوئی حکم دیتا ہے۔ تو اس کی تعمیل مت کر۔ کیونکہ خالق اکبر کے مقابلہ میں مخلوق کا حکم ماننا کسیطرح روا نہیں۔"

امام یزید ابن حبیب تابعی ایک دفعہ علیل تھے ابن سہیل والی مصر ان کی عیادت کو آیا۔ اثنائے کلام میں اس نے پوچھا۔ کہ جس کپڑے پر مچھر کا خون لگا ہو اس سے نماز جائز ہے یا نہیں۔ امام نے یہ سُنکر غصہ سے منہ پھیر لیا۔ اور کچھ نہیں کہا جب امیر نے چلنے کا قصد کیا۔ تو اس کو نظر بھر کر دیکھا۔ کہ تو روزانہ خدا کے بندوں کا تو خون بہاتا ہے۔ اور مچھر کے خون کا فتوے پوچھنے چلا ہے۔"

مولانا شمس الدین رومی کی عدالت میں ایک معاملہ میں سلطان بایزید (ترکی) نے شہادت دی تو شہادت سلطانی کو مولانا نے قبول نہ کیا۔ جب سلطان نے وجہ پوچھی۔ تو مولانا نے جواب دیا۔ کہ سلطان نماز میں جماعت کا پابند نہیں اور تارک جماعت کی شہادت مردود ہے سلطان محمد خان (ترکی) نے ایکبار اپنا امر اسلاً قاضی برصہ مولانا شمس الدین کورانی کے پاس بھیجا۔ اسمیں کوئی بات خلاف شرع درج تھی۔ مولانا اس کو دیکھکر اس قدر برافروختہ ہوئے کہ سلطانی فرمان پھاڑ کر لانیوالے کو باہر کر دیا۔ سلطان کو ان کی یہ حرکت بہت ناگوار گذری اور غضب سلطانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا کو عہدۂ قضا کے ساتھ سلطنت روم بھی چھوڑنی پڑی۔

مولانا یوسف قاضی قسطنطنیہ ایکدن مسجد سے نماز پڑھکر نکلے تو دروازے پر صدر اعظم کے چوبدار کو حاضر پایا۔ جو ان کے بلانے کو آیا تھا۔ اس وقت مولانا کے سر پر چھوٹا سا عمامہ تھا اس عمامہ کے ساتھ بارگاہ وزارت میں جانا خلاف ادب تھا۔ مگر خدا پرست مولانا نے

لہ لہ لہ علمائے سلف۔

دل نے گوارا نہ کیا کہ رب العزت سے زیادہ ادب اس کے ایک بندے کا کریں۔ اسی علمائے کو باندھے صدر اعظم کے حضور میں چلے گئے۔ وہاں پہنچے۔ تو اعتراض ہوا۔ انہوں نے راستبازی سے اپنا خیال صاف صاف ظاہر کر دیا جس کو سنکر وزیر اعظم نے بہت پسند کیا۔ اور حضور سلطانی میں اس کی نقل کی (تذکرہ علمائے سلف صفحہ ۷۰)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی حق گوئی حاکم ہرات کے روبرو

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ[۱] ہندوستان آرہے تھے۔ کہ راستے میں چند دنوں کے لئے ہرات میں ٹھہر گئے ہرات کا حاکم (محمد یادگار نام) نہایت متعصب تھا۔ اس کے ملک میں کبھی سنی کی طاقت نہ تھی۔ کہ وہ اپنا نام ابوبکر، عمر یا عثمان رکھ سکتا۔ حضرت خواجہ خواجگان کا جہاں قیام تھا۔ اتفاق سے اسی جگہ حاکم ہرات بھی سیر کرتا ہوا آنکلا۔ حضرت نے اس کو بہت سی نصیحتیں کیں اور کہا ان افعال سے توبہ کرو کہ یہ افعال خدا۔ رسول خدا اور آل رسول کی ناراضگی کا باعث ہیں۔ حاکم ہرات نے توبہ کی اور ان کے اخراجات کیلئے مال و خزانہ پیش کیا۔ آپنے فرمایا۔ یہ مال نہ تیری ملک ہے نہ میری جن لوگوں سے ظلم کر کے تم نے حاصل کیا ہے۔ ان کو واپس دیدو یا اگر واپس نہیں دے سکتے۔ تو خیرات کر دو۔ چنانچہ حاکم ہرات نے آپ کے ارشاد کی پوری تعمیل کی (ہشت بہشت احوال خواجگان چشت مطبوعہ لاہور)

رشوت خوار کی ملازمت قبول نہیں کی!

لودھانہ میں مولوی عبدالقادر ایک نہایت دیندار بزرگ گذرے ہیں۔ ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۸۲ء میں پیدا ہوئے بعمر ۷۰ سال ۱۲۷۶ھ میں وفات پاگئے۔ شاہ زمان کابلی۔ شاہ شجاع الملک اور امیر دوست محمد خان سب آپ کا ادب کرتے تھے۔ طالبعلمی سے فارغ ہو کر ایک مرتبہ بریلی میں مقیم تھے۔ کہ وہاں کے قاضی نے سو روپیہ ماہوار تنخواہ پر اپنے لڑکے کا استاد مقرر کرنا چاہا۔ قاضی چونکہ رشوت لینے میں مشہور تھا آپ نے برملا کہدیا کہ آپ کے ہاں رشوت کا روپیہ آتا ہے۔ اگر ہم نے آپ کی نوکری اختیار کی۔ تو حرام کی تاثیر ہمارے رگ و ریشہ میں سما جائے گی پھر ہم باقی عمر کس طرح گذاریں گے جب یہ خبر آپ کے استاد اخوند عبدالرحمن کو پہنچی۔ تو بہت خوش ہوئے اور کہا واقعی علم اسی کا نام ہے کہ جس عمل بھی ساتھ ہو۔ ورنہ حسب فرمان خداوندی اولئک کالانعام بل ہم اضل۔ یہ لوگ مثل چوپاؤں کے ہیں یا ان سے بھی گمراہ تر (سلیم التواریخ صفحہ ۱۷۴)

[۱] ولادت ۵۳۷ھ بمقام سنجر ملک سجستان۔ وفات ۶۳۳ھ بمقام اجمیر۔

حاکم وقت کی ملاقات سے انکار

جالندھر میں پیر الٰہی شاہ عرف شاہ الٰہی بخشؒ قادری فاضلی ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں۔ ۱۸۲۷ء مطابق ۱۲۴۳ھ آپ کو زمانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ پیدا ہوئے۔ جوانی ہی میں آپ نے علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کر لیا۔ جب آپ کے علم و فضل اور آپ کے فقر و تصوف کی شہرت ہوئی تو شیخ کرم بخش حاکم جالندھر نے (جو سکھوں کی طرف سے مقرر تھا) چاہا کہ آپ میرے پاس آئیں۔ تو میں آپ کا کچھ روزینہ مقرر کر دوں۔ چنانچہ شیخ کے کارندے شاہ صاحب کے پاس گئے۔ اور باتوں باتوں میں شیخ کے ارادے کا مختلف پیرایہ میں اظہار کیا اور کہا کہ حاکم وقت ہے اس سے ملتے رہنا چاہیئے۔ کیا تعجب ہے۔ وہ کچھ وظیفہ بھی مقرر کر دے۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ گداگری ہرگز گوارا نہیں۔ میں نے نفس کی پرورش کے لئے نہیں بلکہ نفس کو مارنے کے لئے فقیری اختیار کی ہے۔ ہم اپنے مولا کے فقیر ہیں۔ حاکموں کے دریوزہ گر نہیں ہیں (سلیم التواریخ صفحہ ۴۴۹)

علم دین پڑھانے کیلئے تنخواہ لینے سے انکار

مولوی بدیع الزمان صاحب لکھنوی ثم الحیدر آبادی بھوپال سے جب حج کو گئے۔ اور جب حج سے واپس آکر سکندر آباد (دکن) میں مقیم ہو گئے۔ تو ہر جمعہ کو مسجد مارکیٹ میں آپ وعظ فرماتے۔ وعظ میں اثر ایسا تھا کہ سامعین کی آنکھوں سے اس قدر آنسو جاری ہوتے کہ کپڑے بھیگ جاتے۔ آپ کو نواب سر سالار جنگ اول یک صد روپیہ ماہوار تنخواہ دیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ تک تنخواہ لیتے رہے مگر بعد میں یہ کہکر انکار کر دیا کہ میں نے علم اس لئے نہیں پڑھا کہ تنخواہ پاؤں بلکہ میں نے اور لوگوں کے فائدہ کیلئے حاصل کیا ہے۔ چنانچہ جب تک آپ زندہ رہے ایک پائی نہیں لی۔ ترمذی کے علاوہ سنن ابن ماجہ کا ترجمہ بھی آپ نے کیا۔ سنہ ۱۳۰۴ھ میں وفات پائی اور حیدر آباد میں دفن ہوئے۔ مولانا بدیع الزمان بڑے عابد زاہد عالم اور عامل تھے۔ آپ کے وعظ کی شہرت دور دور تک تھی۔ دین آپ پر ہمیشہ غالب رہا۔ (از اخبار اہلحدیث امرتسر ۲۴ ستمبر ۱۹۲۰ء)

تمت

وجدانی نشتر عرف سوز و گداز

(از تصنیف مصنف تاریخ حریت اسلام)

یہ اپنی طرز کی لاجواب کتاب ہے۔ اور ہمارا یہ دعویٰ بالکل حق اور بجا ہے۔ کہ اس طرز پر آجتک کوئی کتاب اردو تو کجا۔ عربی اور فارسی بلکہ دنیا کی کسی زبان میں بھی نہیں لکھی گئی۔ اس کتاب میں اہل اللہ کے لئے راز و نیاز۔ سوز و ساز۔ سکون و اضطراب اور وجد و وصال کا ایک لازوال روحانی خزانہ ہے۔ جس کی قدر و قیمت ملاحظہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس کتاب کے مندرجہ ذیل حصے ہیں۔

حصہ اول میں کلمات الٰہی یعنی قرآن شریف کی آیتیں لکھی گئی ہیں۔ جن کے پڑھنے یا سننے سے وجد اور گریہ و زاری کی حالت اللہ کے بندوں پر طاری ہوتی رہی۔ اور جن کے سننے سے طبیعتوں نے یکلخت پلٹا کھایا ہے اور جن کے اثر سے چور قطب اور ڈاکو ولی اللہ اور کافر مومن بن گئے۔ حضرت عمرؓ حضرت اویس قرنیؒ شیخ عبدالقادر جیلانی حضرت فضیل بن عیاضؒ اور دیگر بزرگان دین کے واقعات پڑھنے کے قابل ہیں۔

حصہ دوم میں عربی اشعار درج ہیں خصوصاً وہ اشعار جن پر حضرت جنیدؒ اور حضرت ابوبکر شبلیؒ حضرت سری سقطیؒ اور کئی صوفیا اور پاک باطن عورتوں مثلاً رابعہ ... وغیرہ کو وجد ہوا ہے۔ اور حالت وجد میں جو کیفیتیں ان سے ظاہر ہوئی ہیں وہ سب اہل دل کے ازدیاد ایمان کا باعث ہیں۔

حصہ سوم میں وہ عربی اور فارسی اشعار درج ہیں۔ جو دم واپسیں کی طرح مرنے والے کے آخری کلمات ثابت ہوئے۔ اور جن کے بعد وہ اور کوئی کلام کسی سے نہیں کر سکے ان میں حضرت ابوبکر شبلی۔ ابوعلی رودباری خواجہ مشکل کشا نقشبند حضرت بہاؤ الدین سلطان ولد صاحبزادہ مولانا روم) سلطان محمود غزنوی اور سرسید احمد خان بانی علیگڈھ کالج قابل ذکر ہیں۔

حصہ چہارم میں وہ فارسی اشعار معہ اپنی پوری کیفیتوں کے درج ہیں جن کے سننے یا پڑھنے سے اہل وجد صاحبدل اور اہل اللہ بزرگوں پر حالت وجد طاری ہو گئی تھی۔ یا جن کا وجد ہی کی حالت میں وصال ہو گیا تھا۔ شعر کہاں پڑھا گیا۔ قوالی کس طرح ہوئی وجد کس طرح آیا اور وجد میں کیا کیفیت رہی۔ بعض بعض اشعار کے ساتھ واقعہ وجد و ... کی تاریخ بھی درج ہے خصوصاً مولانا شاہ محمد حسین صاحب چشتی الہ آبادی۔ خواجہ نور محمد صاحب تیراہی۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا۔ بابا گنج شکر۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ شیخ عراقی۔ خواجہ محمد سلیمان تونسوی۔ میراں سید بھیک۔ حضرت شمس تبریز۔ مولانا روم۔ خواجہ باقی باللہ اکی جن کی قوالی حضرت بو علی قلندر پانی پتی۔ نواب محسن الملک وغیرہ اہل کمال حضرات کی وجدانی کیفیتیں دلوں میں انقلاب پیدا کئے بغیر نہیں رہتیں۔ **حصہ پنجم** میں اردو اشعار جمع کئے گئے ہیں۔ جن کے پڑھنے یا سننے سے سامعین یا خود پڑھنے والے پر ایک خاص اثر اور تغیر ہو لیتے ہیں۔ مولوی حکیم نورالدین صاحب بھیروی۔ شمس العلماء ... مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار۔ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم اے وغیرہ کے اشعار جن کے سننے سے ایک خاص کیفیت طاری ہوتی رہی قابل ملاحظہ ہیں **حصہ ششم** سب سے آخری حصہ ہے جس میں وہ پنجابی اشعار جمع کئے گئے ہیں۔ جن کے سننے سے بعض واصل بحق ہو گئے اور بعض پر خاص کیفیت طاری ہو گئی۔ خصوصاً حافظ ولی اللہ صاحب لاہوری مجاہد کے والد بزرگوار کے وصال اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سجائی صحت اور حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کے وجد اور پیر روشن علی شاہ صاحب کے ... کا واقعہ دلوں پر خاص اثر کرتا ہے۔ قیمت ... ایک روپیہ علاوہ محصول

المشتہر ظفر برادرس تاجران کتب لاہور